صبیح رحمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین ۙ الرحمن

الرحیم ۙ ملک یوم الدین ۭ ایاک

نعبد و ایاک نستعین ۭ اھدنا الصراط

المستقیم ۙ صراط الذین انعمت علیھم ۥ

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۧ

برائے ایصالِ ثواب صوفی سید امجد علی مرحوم

منجانب

صوفی سید محمد جمال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

نعت رنگ

شمارہ ۶

مرتب

صبیح رحمانی

معاونین

رشید وارثی، عزیز احسن، نور احمد میرٹھی،

سید معراج جامی، آفتاب کریمی، انور حسین صدیقی

نگراں انتظامی امور

پیرزادہ محمد انور جمال بدخشانی

ناشر : اقلیمِ نعت

ای ۲۵، فیز ۵، ٹی اینڈ ٹی فلیٹس شادمان ٹاؤن نمبر ۲، شمالی کراچی ۷۵۸۵۰۔ پاکستان

فون : ۶۹۰۱۲۱۲ ...... فیکس ۴۹۴۱۷۲۳

ضابطہ

نعت رنگ	کتاب نمبر ۶
اشاعت اول	ستمبر ۱۹۹۸ء
قیمت	۱۵۰؍روپے
تصحیح کتابت	مولانا شاہ محمد تبریزی / عاطف معین قاسمی
کمپوزنگ	لیزر نیٹ، ہاشمی ٹرسٹ بلڈنگ اردو بازار کراچی
بہ اشتراک	طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی کراچی
ناشر	اقلیم نعت
طابع	فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ کراچی
تقسیم کار	فضلی بک سپر مارکیٹ

۴۔ ماما پارسی بلڈنگ، ٹمپل روڈ، اردو بازار کراچی

فون:۔ ۵۔۲۰-۲۶۲۹۷، فیکس:۔ ۲۶۳۳۸۸۷

مرتب و پبلشر صبیح رحمانی نے

فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ کراچی سے چھپوا کر صدر دفتر اقلیم نعت

۲۵۔ اے، ٹی اینڈ ٹی فلیٹ فیز ۵ شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ پاکستان سے جاری کیا

عصر حاضر میں نعت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے حضور امت کا استغاثہ بنانے والے

مولانا ظفر علی خاں

اقبال سہیل

حفیظ جالندھری

اور

مولانا ماہر القادری

کے نام

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جو مجھے زبان اور شرم گاہ کی ضمانت دے

میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

❖❖❖

جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب تک وہ درست رہا،

جسم درست رہا۔ جب وہ خراب ہو گیا تو،

سارا جسم خراب ہو گیا۔ سُن لو وہ دِل ہے۔

دھنک

تمجید

مقالات و مضامین

حریم حرف

تجزیاتی مطالعہ

فکر و فن

خصوصی مطالعہ

مطالعات حمد و نعت

بازیافت

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ
أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل

"نعت رنگ" کی چھٹی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم نے جتنا سفر طے کیا ہے اس پر ہم خود حیران ہیں۔ "نعت رنگ" کے ذریعے نعت کی خدمت اور اس کے ادبی فروغ کے لیے حرمِ کعبہ میں مانگی ہوئی دعاؤں کی قبولیت ہمارے سامنے ہے۔

کسی بھی رسالے کی زندگی اور صحت کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنے عہد کے نامور اہلِ قلم کا تعاون اور اہلِ علم کی توجہ حاصل ہو اور "نعت رنگ" کے گزشتہ پانچ شمارے اس بات کے گواہ ہیں کہ اسے یہ دونوں کامیابیاں حاصل رہی ہیں۔ ہمیں عصر حاضر کے ممتاز و معتبر اہلِ قلم کا تعاون حاصل ہے اور انشاء اللہ آئندہ اس میں مزید بہتری کے امکانات پیدا ہوں گے۔

اس بار بھی "نعت رنگ" میں آپ کو ایسی دھنک نظر آئے گی جو تنقید، تخلیق، تحقیق، تجزیاتی مطالعات، نعت کے نایاب خزانوں کی بازیافت، افقِ نعت پر طلوع ہونے والی نئی مطبوعات کے تعارف اور شعرا کے فکر و فن کے جائزوں کے رنگوں سے مرتب کی گئی ہے اور یہ تمام رنگ مل کر نعت کے ادبی خدوخال کو اجاگر کرتے ہیں اور یہی "نعت رنگ" کا مقصد و منشا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ ان رنگوں کو پسند فرمائیں گے اور اپنی رائے سے نوازیں گے۔

صبیح رحمانی

حمدیہ ہائیکو

کیا سایہ، کیا دھوپ
دھرتی پر جو بھی شے ہے
سب میں تیرا روپ

دن ہو یا ہو رات
میری روح میں بولتی ہے
میرے رب کی ذات

رب العزت کے
ہر جا ملتے ہیں شہکار
اس کی قدرت کے

شکر کو کم مت کر
بس تو آس لگا رب سے
کم کا غم مت کر

سید معراج جامی

○

حاضر ہیں ترے دربار میں ہم اللہ کرم اللہ کرم
دیتی ہے صدا یہ چشم نم اللہ کرم اللہ کرم

ہیبت سے ہر اک گردن خم ہے ہر آنکھ ندامت سے نم ہے
ہر چہرے پہ ہے اشکوں سے رقم اللہ کرم اللہ کرم

جن لوگوں پہ ہے انعام ترا ان لوگوں میں لکھ دے نام مرا
محشر میں مرا رہ جائے بھرم اللہ کرم اللہ کرم

ہر سال طلب فرما مجھ کو ہر سال یہ شہر دکھا مجھ کو
ہر سال کروں میں طوف حرم اللہ کرم اللہ کرم

میری آنے والی سب نسلیں ترے گھر آئیں ترا در دیکھیں
اسباب ہوں ان کو ایسے بہم اللہ کرم اللہ کرم

اس ورد میں عمر کٹے ساری ہونٹوں پہ صبیح رہے جاری
اللہ کرم اللہ کرم اللہ کرم اللہ کرم

صبیح رحمانی

(حاضری حرم کعبہ کے موقع پر لکھی گئی۔)

نعت کے موضوعات

سید ابوالخیر کشفی

ربیع الاوّل کا مہینہ ہمارے درمیان سانس لے رہا ہے' اور یہ مہینہ کس کے انفاس پاک کی خوشبو سے معطّر رہتا ہے کہ یہ خوشبو جاوداں ہے۔ اس مہینے میں سیرت کی کتابوں اور نعت کے اشعار کا مطالعہ' ہمیں نئی فضاؤں میں پہنچا دیتا ہے اور ہر لفظ کی نئی اور گہری معنویت ہم پر منکشف ہوتی ہے۔

۱۲ ربیع الاول کی صبح میں نعت کی "تعریف" پر غور کررہا تھا۔ ایک تعریف تو وہ ہوتی ہے جسے تکنیکی کہنا چاہئے' اور دوسری تعریف وہ ہوتی ہے جس میں کسی خیال' کسی کیفیت' کسی صنف ادب کی روح سمٹ آئے۔ نعت کے بارے میں سوچتے ہوئے ذہن میں یہ جملہ آیا کہ "نعت ایک تجلّیٔ مسلسل ہے" ----- اور اس جملے کے ساتھ لوح ذہن پر فانی بدایونی کا یہ شعر روشن ہوگیا۔

خود تجلی کو نہیں اذن حضوری فانی   آئینے ان کے مقابل نہیں ہونے پاتے

اس سے پہلے سیکڑوں بار فانی کا یہ شعر پڑھا تھا' اس پر سر دھنا تھا' فانی کو پڑھاتے ہوئے اپنے طلبہ کو بتایا تھا کہ غم اپنی جگہ محترم سہی' مگر فانی احساس جمال کا شاعر بھی ہے---- مگر اس شعر کے حقیقی معنی ۱۲ ربیع الاول کو سمجھ میں آئے---- کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یہ نعت کا شعر ہے اور ان کی ضمیر ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ اس صبح میرے اس خیال کو تقویت پہنچی کہ جب کوئی شعر' اپنے موضوع اور مخاطب سے بڑا ہو تو اس کا مصداق سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بن جاتے ہیں۔ جب غالب نے تجمل حسین خاں کے لئے یہ شعر لکھے تھے تو انہیں کیا خبر تھی کہ ان کا ممدوح ان شعروں سے فروتر ہے اور ان شعروں کی نسبت اس ذات عالیہ سے قائم ہوجائے گی جس کے مرتبۂ بلند کی ایک جھلک ان الفاظ کے آئینوں میں نظر آتی ہے۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا   کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے   سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

"تجلّیٔ مسلسل" نعت کے اسلوب اور مضامین دونوں میں نظر آتی ہے---- ہر زبان کا ذخیرۂ الفاظ اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود محدود ہوتا ہے۔ عہد بہ عہد اضافے کے باوجود تخلیقی فن کاروں کو عرصۂ اظہار ہمیشہ تنگ معلوم ہوتا ہے! اور جب مسئلہ ہو ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی ثناء کا تو الفاظ بہت چھوٹے نظر آتے ہیں--- کوئی لفظ ان کی ذات و صفات کا بار اٹھانے کے قابل معلوم نہیں ہوتا' مگر اسی نکتہ کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے خاک پا سے مَس ہو کر ہر لفظ آئینۂ صفت اور قیمت میں رو کش لعل و گوہر ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے کے پہلے دو مضامین میں لفظ اور اسلوب پر گفتگو ہوئی تھی' اور نعت کے معیار نقد پر' نعت کے موضوعات پر گفتگو نہیں ہو سکی۔ نعت رنگ کے مقالہ نگاروں' بالخصوص رشید وارثی صاحب نے موضوعات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اس بار میں بھی موضوعات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں' لیکن صرف فقہی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ ادبی اور لسانی پہلوؤں کو بھی سامنے رکھ کر۔ کل صبح (۱۸ر جولائی) انشاء اللہ اس خنک شہر جمال اور جلال کی زیارت کے لئے روانہ ہو رہا ہوں اس لئے چند اشاروں سے آگے شاید بات نہ بڑھ سکے۔ جب یہ سلسلۂ مضامین کتابی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ تو مثالیں اور تفصیلات شامل کی جاسکیں گی۔

اردو نعت کے موضوعات' مجموعی طور پر بہت محدود ہیں۔ چند زیادہ مروّج موضوعات درج ذیل ہیں:

(الف) مدینہ منورہ جانے کے ارادے' تمنا اور تڑپ کا اظہار--- یہ تمنا کس مسلمان کے قلب میں نہیں ہے؟ کون اپنی نظروں سے اس شہر کے ذرّوں کو بوسے دینے کی خواہش نہیں رکھتا؟ کس کے دل میں وہاں کے پتھروں سے اپنے تلوؤں کو گلنار بنانے کی خواہش نہیں؟ مگر اس خواہش کو شعر ہمارے کتنے نعت گو بنا سکے ہیں--- وہی روشنی' رنگ اور خورشید کے تلازموں کی تکرار ہے اور بس--- کس شاعر کے ہاں عرش سے زیادہ نازک تر اس ادب گاہ میں نفس گم گشتگی نظر آتی ہے؟ مدینہ کے ذکر میں کس شاعر کے الفاظ میں خوشبو ملتی ہے؟ کس کے ہاں دیار مدینہ پہنچ کر دل کے دروازوں کے کھلنے کا منظر نظر آتا ہے۔ ایسے شاعروں کے وجود سے مجھے انکار نہیں' مگر بالعموم یہ ذکر رسمی سا ہو کر رہ گیا ہے۔ آج مدینہ منورہ کے کتنے مسافر اس تجربے سے گزرتے ہیں۔

سحر با ناقہ گفتم نرم تر رو کہ راکب خستہ و بیمار و پر است
قدم مستانہ زد چنداں کہ گوئی بپایش ریگ ایں صحرا حریر است

بات یہ ہے کہ نہ ایسے راکب ہیں اور نہ ایسے مرکب کہ ندائے عاشقانہ کو سمجھ لیں--- مناظر اور وسائل کے ساتھ دل کے معاملات بھی بدل گئے ہیں--- چار گھنٹوں میں کراچی سے طیبہ پہنچ جانے والے ڈیڑھ سال میں اس راہ کو طے کرنے والوں کے تجربات سے کیسے آشنا ہو سکتے ہیں۔ ہاں حقیقی شاعرانہ تخیل اس سفر کے مراحل کی تخلیق نو کر سکتا ہے---

گہے شعر عراقی را بخوانم گہے جامی زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگ عرب را شریک نغمہ ہائے ساربانم

مدینہ کے فضائل کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ہمارے بیشتر نعت گو شعراء ان فضائل سے بے خبر ہیں۔ ان فضائل کا رشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب سے ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"میں مدینہ کے دو کناروں کے درمیانی حصے کو حرام قرار دیتا ہوں۔" (مسلم)

یہ وہ اختیار ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا اور اسی اختیار سے مدینہ بھی حرم ہے۔ مدینہ کے خار دار درخت کو بھی کاٹا نہیں جاسکتا اور نہ یہاں شکار جائز ہے۔ یہ وہ شہر ہے جس سے بے رغبتی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ چھوڑ دیتا ہے اور اس کی جگہ مدینہ میں اس شخص کو مل جاتی ہے جو مدینہ کی سختی اور مشقّت پر صبر کرتا ہے' اور ایسے ہر شخص کی سفارش اور گواہی سرور انس و جاں نے اپنے ذمہ لے لی ہے (مسلم)۔ مکہ معظمہ کو دعائے ابراہیم! اور تمنائے ابراہیمؑ نے حرم قرار دیا اور مدینہ منورہ کو اختیار محمد عربی علیہ الصلواۃ والسلام نے۔

مدینہ کی محبت آج بھی اہل مدینہ کے دلوں میں محبت کا پھول بن کر زندہ ہے اور ان کی گفتگو اور اسالیب بیان کا حصہ ہے۔ اہل مدینہ آج بھی گرد مدینہ کے لئے اپنے چہروں کو کھلا رکھتے ہیں اور شدید گرمیوں کو بھی برا کہنے کی جگہ یہی کہتے ہیں کہ "یہ موسم ہے جب کھجوریں پکتی ہیں۔"

انہوں نے گرمی کی شدّت کا علاقہ مدینے کی کھجوروں کی شیرینی سے قائم کیا ہے۔

جب مدینہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کو بخار آگیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔

"یا اللہ! جس طرح مکہ ہمیں محبوب ہے اسی طرح مدینہ کو ہمارے لئے محبوب بنادے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کی آب و ہوا کو اعتدال عطا فرمانا اور اس کے وزن کے پیانوں میں ہمارے لئے برکت عطا کردے۔" (متفق علیہ۔ روایت حضرت عائشہؓ)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق مدینہ برے لوگوں کو اسی طرح اپنے آپ سے دور کردیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو دور کردیتی ہے۔ (متفق علیہ)

یہ وہ شہر ہے کہ جس کے راستے پر فرشتوں کا پہرہ ہے اور اس میں طاعون اور دجّال داخل نہ ہوگا۔ (متفق علیہ)

یہ وہ شہر ہے جس کا پاسبان اُحد ہے۔

اُحد جس کے بارے میں ہمارے آقا اور ہمارے رہنما و راہبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُحد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اُحد سے محبت کرتے ہیں۔ (متفق علیہ) اور آج بھی اُحد اس غار کی امانت کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے جہاں آپ نے جنگ اُحد میں دندان مبارک کی شہادت کے بعد آرام فرمایا تھا۔ اُحد کی اس محبت کو ہمارے کتنے شاعروں نے اپنا موضوع بنایا ہے؟

اس شہر کے بارے میں روایت نبویؐ ہے کہ اسلامی بستیوں میں سب سے آخر میں ویران ہوگی (غالباً" قیامت سے پہلے) اور یہ حدیث ترمذی میں موجود ہے۔

مدینہ منورہ کے ان فضائل کو اگر ہمارے شعراء اپنے سامنے رکھیں تو ان کی نعتوں کی اس جہت میں گہرائی اور وسعت پیدا ہوگی اور مدینہ کا ذکر محض رسمی سی بات نہیں رہے گا۔ اردو کی اچھی عشقیہ شاعری میں کوئے محبوب کا ذکر جس جس طرح ملتا ہے ہمارے نعت گو شاعر اسی سے سبق حاصل کریں۔

یہ وہ شہر ہے جس کی ہواؤں نے ان کے رخساروں کو بوسہ دیا ہے اور ان کے لئے راحت کا سامان بنی ہیں---- یہی وہ شہر ہے جس کے چاند نے ان کے جمال خلد نشان کو دیا ہے اور صحابہ کرام کی زندگی میں ایسی روشن راتیں آئیں جب ایک طرف آسمان پر چاند چمک رہا تھا اور دوسری طرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں کی تابانی ان کے سامنے تھی، اور اس تابانی نے چاند سے جیسے اس کی چمک چھین لی۔

مدینہ آج بھی تمنائے مسلم کی ایک صورت ہے اور ہمارے تخیل کے لئے یہاں کی فضائیں زمانوں کو سمیٹ لیتی ہیں۔

(ب) مدینہ سے اپنے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے اردو نعت گو نے یہ بات بھی اپنے اوپر واجب کرلی ہے کہ مدینہ کا تقابل جنّت سے کیا جائے اور جنّت کا ذکر تحقیر سے کیا جائے اور حشر سے پہلے اور حشر کے بعد جنّت کی جگہ مدینہ میں قیام پر زور دیا جائے۔ ان اللہ کے بندوں سے پوچھئے کہ جب جنّتیوں کے سردار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں ہوں گے تو مدینہ ہمارے لئے کیا ہوگا۔ جنّت کا یہ استخفاف قرآن ناشناسی بلکہ اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ اور سستی جذباتیت ہے۔

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنّت میں یوں ہی داخل ہوجاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے دیکھا نہیں کہ اس کی راہ میں جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے تم میں سے کون ہیں۔"
(آل عمران: آیت ۱۴۲)

"ان کے لئے ان کے رب کے پاس دارالسلام یعنی جنت ہے اور ان کے نیک اعمال کی وجہ سے اللہ ان کا ولی ہے۔" (الانعام: آیت ۱۲۷)

۲۔ مدینہ کی تمنا اور اس کے عشق کے ذکر کے بعد اردو نعت کے عام مضامین یہ ہیں۔

(الف) کملی کا تذکرہ--- یہ مدثر اور مزمل کے مرتبۂ عالی کی ہندی شکل ہے--- وہ چادر جو وحی کے بارگراں کو سہل بنانے کے لئے تھی اس کو بھگتی کا رنگ دے کر یہ عاشقانہ روپ دیا گیا ہے۔

مدثر کے معانی یقیناً "کپڑا اوڑھنے والے" کے ہیں، لیکن بات یہیں تک محدود نہیں رہتی۔ اس کے معانی مدثر کے مختلف مفاہیم (مال کثیر، شئے کثیر) کے پیش نظر یہ بھی ہیں کہ وہ شخص جو اچھی طرح خبر گیری کرسکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے بارگراں کو اٹھانے کے بعد ایک نئے دور اور نئی دنیا کی تعمیر کا کام کیا اور یہ نئی دنیا آپ کی تنذیر کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی۔ اسی لئے یاایّھا المدثر کے فوراً بعد ارشاد ہوا قم فانذر "اٹھ کھڑے ہو اور (عالم انسانیت) کو ڈر سنادو۔" (کفر کے نتائج سے متنبہ کردو)

اسی طرح مزمل کو مخاطب کرنے کے فوراً بعد رب ذوالجلال نے فرمایا کہ رات کو کھڑے ہو، یہ شب بیداری کبھی کم ہو کبھی زیادہ اور تلاوت قرآن کے ذریعہ اپنے آپ کو اس بار گراں کے لئے تیار کرو جو تمہارا انتظار کررہا ہے۔ یوں مزمل وہ ذات ٹھہری جو بار نبوت کو اٹھاسکے اور اس کے تمام تقاضوں کو پورا کرسکے۔ اردو کے نعت گو شاعر کے یہاں مزمل بہت محدود معانی رکھنے والا لفظ ہے۔ معاذ اللہ یہ چادر رسالتؐ کو صوفی کی گلیم یا سادھو کی کملی سمجھتے ہیں۔ مزمل تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا رفیق ہو اور اللہ تعالیٰ راہ نبوت میں جس کا ساتھی اور رہنما ہو۔ تستری نے اپنی تفسیر میں مزمل کے انہیں معانی کو پیش کیا ہے۔ دوسرے مفسروں نے مزمل کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ وہ ذات جس نے قرآن اور اس کی تعلیمات کے بوجھ کو اٹھایا ہو اور اپنی ذاتی مثال سے ان تعلیمات کو انسانیت کے سامنے پیش کیا ہو۔

(ب) گنبد خضریٰ کے نظاروں کا تذکرہ اور ان میں الجھ کر رہ جانا--- اکثر یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر بس گنبد خضریٰ کو دیکھنے ہی مدینہ گیا تھا، وہ گنبد جس کی تاریخ مشکل ہی سے دو سو سال سے کچھ زیادہ ہے۔ نہ استوانوں کا تذکرہ، نہ صفّہ کی علم آفرینی پر نظر، نہ مواجہ کی کیفیات کا ذکر--- وہ مواجہ جہاں گردن جھکا کر حاضری کا تصور ہی جیسے ہمارے وجود کو بدل دیتا--- گنبد خضریٰ یقیناً" مسجد نبوی اور اپنے مکین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرتبہ اور ذات کی ایک علامت ہے--- اس کی جھلک جب دور سے نظر آتی ہے تو ہمیں اپنے منزل پر پہنچنے

کی اطلاع ملتی ہے۔

جب دور سے وہ گنبد خضریٰ نظر آیا بہتا ہوا ایک نور کا دریا نظر آیا

(حسرت موہانی)

راقم الحروف کو اس گنبد' اس علامت کی اہمیت کا پورا پورا احساس بلکہ ادراک ہے۔

بے چہرہ سہی عالم اسلام کا امروز پر گنبد خضریٰ تو حوالے کے لئے ہے

لیکن میں پھر یہی عرض کروں گا کہ ہمیں مسجد نبوی کو مجموعی طور پر دیکھنا ہوگا---- ہر نقش یہاں نقش سعادت ہے۔

۳۔ گنبد خضریٰ کا طواف کرتے ہوئے کبوتروں کا ذکر۔

۴۔ مضمون آفرینی کی کوشش---- یہی کوشش نعت کے توازن کو متاثر کرتی ہے۔ نعت کو تو سرور کائنات علیہ الصلواۃ والسلام اور شاعر کے رشتہ کی دستاویز ہونا چاہئے۔ یہ بات اسی وقت ممکن ہے کہ شاعر کو آپ کی ذات عالیہ کی عظمتوں سے حقیقی آگاہی ہو---- آپ تو وہ تھے کہ

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

آپ کی خاطر یہ ربوبیت پیدا کی گئی۔

لولاک لما خلقت الربوبیہ

اب اس سے سوا اور کیا کہا جائے۔ یہ حدیث قدسی آپ کے مرتبے کا تعین کرتی ہے---- آپ بشر تھے مگر ایسے کہ اپنی حدوں میں مالک بھی ہیں اور مختار بھی---- مگر یہ اختیار بشریت سے مشروط رہے اور یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ

روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو

شافع روز حشر ہونا الگ ہونا ہے اور مالک ہونا الگ بات ہے۔ قیامت کا دن آپ کی شفاعت کبریٰ کا دن ہوگا لیکن اس دن کا مالک ہمارا رب اور پروردگار ہی ہوگا' جیسے وہ ہر دن کا مالک ہے اور حکم اسی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمارے ایمان کا جز ہے لیکن یہ مرتبہ تو آپ کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اور یہ حقیقت اپنی جگہ ہے۔

"اور کیا تمہیں خبر ہے کہ یوم الدین (روز جزا) کیا ہے؟---- اور پھر کیا تمہیں خبر ہے کہ انصاف کا دن کیسا ہے؟---- وہ دن جب کوئی نفس کسی نفس کا کچھ بھلا نہ کرسکے گا اور اس دن صرف اللہ کا حکم ہوگا۔"

(سورۂ انفطار: آیات' ۱۷ تا ۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک کے حبیب ہیں مگر مالک نہیں ہے۔ حکم اور امر صرف اللہ کا ہے اور اللہ کے لئے ہے۔

الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محل استعمال سے بدل جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روز جزا کے مالک نہیں ہیں' لیکن آپ کے لئے مالک کا لفظ استعارے کے طور پر استعمال ہو سکتا ہے۔

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو میرے قلب و نظر کے مالک ہیں۔"

لیکن جب مالک کا لفظ لغوی طور پر استعمال کیا جائے جیسے اس مصرع میں

روز جزا کے مالک و آقا تمہی تو ہو

یا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

تو بات اپنی حدود سے نکل جائے گی۔ شاعر اس غلو سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے آقائے جان و دل کی حقیقی عظمتوں کا دھیان رہے--- اور ان عظمتوں کا علم قرآن پاک و احادیث ختم الرسل سے ہوتا ہے۔ آپ رحمتہ للعالمین ہیں' کافتہ للناس ہیں' اللہ اور انسان کے درمیان رابطہ ہیں' آپ کے لئے روئے زمین کو مسجد بنادیا گیا' آپ کا نمونہ حیات انسانی کے لئے کامل ترین اور ہمیشہ باقی رہنے والا نمونہ ہے--- علم وہ ہے جس کا رشتہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے ہو کیونکہ آپ ہی معلّم اعظم انسانیت ہیں' اخلاق وہ ہے جو اخلاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مستنیر ہو کہ آپ ہی کا اخلاق' اخلاق الٰہی کے رنگوں میں ڈوبا ہوا تھا--- اس سلسلہ کو کاروبار حیات کے ہر گوشے تک پھیلا دیجئے۔

آپ کے مرتبے کو سمجھنے میں غلو کرنے والے بہت سے شاعر آپ کی رسالتؐ اور بشریت کے نکتوں سے خوب واقف تھے اور واقف ہیں' مگر شعر کہتے ہوئے ہم شاعری کی رو میں بہہ جاتے ہیں' اور شاید اسی سبب سے شاعری کو بہت محمود قرار نہیں دیا گیا--- کم سے کم یہ تو مسلم ہے کہ شاعری میں غرق رہنے والے عمل کی میزان پر پوری طرح پورے نہیں اترتے۔

ہمارے شعر' مطالعہ قرآن و حدیث اور مشاہدہ کائنات کے ذریعہ آپ کی حقیقی عظمت کی بارگاہ میں باریاب ہو سکتے ہیں۔

۵۔ دوسروں سے الگ اپنی راہ تراشنے کے شوق میں "جدّت" کے گرداب میں بہت سے شاعر پھنس جاتے ہیں۔ یوں وہ زبان سے غفلت برتتے ہیں اور نئے موضوعات تک رسائی حاصل کرنے کی جگہ اپنے اسلوب کی بھول بھلیّوں میں گم ہو جاتے ہیں۔

جس کی نظروں میں زر پائے پیمبر چمکے سامنے اس کے نہ گنجینۂ گوہر چمکے
غبار جاں کو اجلے موسموں کے رنگ پہنا کے محمد نے ستارے ہی بدل ڈالے عداوت کے

۶۔ نعت کی حدود اور موضوعات میں اضافہ کرنے کی کوشش میں ناکامی کے سبب بہت سے شاعر الفاظ غریب کا شکار ہوجاتے ہیں---- بے معنی اور بے جہت علمیت کا اظہار آج کی نعت کا موضوع بن گیا ہے۔

اے صاحب اخلاق عظیمہ و انیقہ روشن ہیں تری نعت سے آثار عتیقہ

یوں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ موضوعات اور اسلوب کا رشتہ کتنا گہرا اور قریبی ہے۔ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں۔

۷۔ حضرت جبریلؑ کی تحقیر اور ان کا استخفاف بھی ہمارے شعراء کا عام شیوہ اور موضوع ہے۔ انہیں کہیں "سائیس" قرار دیا جاتا ہے اور کہیں "در ختم الرسلؐ کا ادنیٰ دربان" ---- دربانی تو حضرت جبریلؑ کا کام نہیں تھا---- جبریل امین تو اللہ کا پیغام لے کر اس کے انبیاء و رسل کے پاس آتے تھے اور ان کا یہ فریضہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ اختتام کو پہنچا---- جبریل علیہ السلام ہی کو روح القدس بھی کہا گیا۔

"کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس (پاک فرشتے) نے بلاشبہ تیرے رب کی طرف سے نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور مسلمانوں کو ہدایت دے اور سعادت و فلاح کی خوشخبری دے۔" (سورۃ النحل: آیت ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو "روح الامین" بھی کہا ہے۔

تفصیل سے دامن بچاتے ہوئے یہی عرض کروں گا کہ حضرت جبریل بہتر سلوک کے مستحق ہیں کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے۔

۸۔ کار نبوت میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام برابر ہیں، ہاں نبی آخر الزماں کے مرتبۂ عالی کی شہادت ہمارے ایمان کی اساس ہے۔ دوسرے انبیاء اپنی قوموں اور اپنے ادوار کے لئے آئے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانیت اور آنے والے تمام ادوار کی طرف مبعوث کئے گئے۔

اس صورت حال میں دوسرے انبیائے کرام سے آپ کے تقابل کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ یہ نعت کا موضوع ہے۔ آپ کی نصرت اور حمایت کا میثاق ہر رسول سے لیا گیا۔ تمام انبیائے کرام شفاعت کبریٰ کے لئے اپنے امتیوں کو آپ کے پاس بھیجیں گے۔ ہمارے شعرا معلوم نہیں کیوں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے فروتر اور کم تر ہونے کو موضوع نعت

سمجھتے ہیں۔ آخری اور کامل ترین نبی سے کسی نبی کے تقابل کا سوال ہی کیوں اٹھایا جاتا ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقابل تو اپنی جگہ ہمارے شاعر تو حضرت عیسیٰؑ کی جاں بخشی پر اپنے محبوب کے لبوں کو' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظرف سے اپنے ظرف کو فوقیت دیتے ہیں۔ کیا مثال کے لئے اشعار پیش کرنے کی ضرورت ہے؟

نعت کے موضوعات میں وسعت پیدا کرنے کے لئے ہمیں قرآن اور احادیث کی وسعتوں میں اپنے آپ کو گم کرنا ہوگا اور نعت کے عظیم شاعروں کی طرح پوری انسانی زندگی کے تناظر اور سیاق و سباق میں آپ کی ثناء کرنی ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں "صحابہ کے ستاروں کی طرح ہونے" کے معانی کو سمجھنا ہوگا۔ عہد رسالت کے شاعر آج بھی ہمیں راستہ دکھا رہے ہیں اور اس سے یہ بات ذہن میں آئی کہ

۹۔ اپنے آپ کو حسانؓ اور کعبؓ قرار دینے والے شاعروں کو بلند بانگ دعوے کرنے کی جگہ ان کے قدموں میں بیٹھ کر نعت کے آداب کا سبق لینا ہے ---- صحابہ کرام کے انداز کی شاعری اسی وقت ممکن ہے جب ہماری زندگی اور فکر کے تضادات ختم ہوجائیں۔ صحابہ کرام سے نعت گوئی کے آداب جس طرح بوصیری' سعدی اور جامی و قدسی اور اقبال و ظفر علی خاں نے سیکھے' اسے سامنے رکھ کر ہی سفینۂ نعت آگے اور آگے گہرے پانیوں میں سفر کرسکتا ہے۔

نعت گوئی کا تصور انسان

جمال پانی پتی

اسلام کے بارے میں یہ بنیادی بات کم و بیش ہر مسلمان جانتا ہے کہ روایتی اسلام مندرجہ ذیل چار چیزوں کا مجموعہ ہے۔

(1) ایمان

(2) عقائد

(3) عبادات

(4) اخلاقیات و احکام

ان چاروں میں ایمان کی اہمیت بنیادی ہے۔ ایمان کے بعد عقائد کا درجہ ہے جس کا مطلب ہے دل کی تصدیق کے ساتھ توحید' رسالت اور آخرت کو ماننا۔ اس کے بعد عبادات 'یعنی نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کا نمبر ہے۔ اور آخری درجہ اخلاقیات اور احکام کا ہے جن کا دائرہ انسان اور انسانی رشتوں کے گرد گھومتا ہے۔ ان تمام باتوں کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کا مقصد ہے رضائے الٰہی اور سعادت اخروی کا حصول۔ لیکن عہد جدید میں مغربی اثرات کے تحت مذہب کا جو نیا تصور ہمارے ہاں پیدا ہوا اور پروان چڑھا ہے اس میں عقائد اور عبادات کی اہمیت ثانوی ہو گئی اور مذہب کا مقصد اخلاق کی درستی قرار پایا۔ مذہب کے اس نئے تصور کو قبول کرنے کا منطقی نتیجہ اس سوال کی صورت میں برآمد ہونا لازمی تھا جو تھوڑے ہی دنوں میں پیروی مغربی کرنے والوں میں سے بہت سوں کی زبان پر آنے لگا۔ سوال یہ تھا کہ اگر ایک شخص سچ بولتا ہے' ایماندار ہے' کسی کو دھوکا نہیں دیتا' دکھ تکلیف نہیں پہنچاتا۔ پڑوسیوں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ اپنے پرائے کے کام آتا ہے اور اعزہ واقربا کے حقوق بھی ادا کرتا ہے تو ایسے شخص کے لئے نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا کیوں ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں اصل سوال یہ تھا کہ اخلاق کے ہوتے ہوئے عقائد اور عبادات (یعنی مذہب) کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوال عہد جدید میں لفظ بدل کر بار بار مختلف انداز سے پوچھا گیا۔ جواب دینے والوں

کی طرف سے اس کے دو مختلف جواب دیئے گئے۔ ایک یہ کہ مذہب کا مقصد ہی اخلاقیات کی درستی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اخلاقیات کو درست کرنے کے لئے مذہب کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کام کے لئے تنہا عقل انسانی ہی کافی ہے۔ سرسید احمد خان پہلے جواب کے قائل تھے یعنی مذہب کو اخلاق کی درستی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان کا رسالہ "تہذیب الاخلاق" اسی نقطۂ نظر کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف تھا۔

سرسید کی طرح مولانا الطاف حسین حالی بھی مذہب کو اخلاق سدھارنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ:۔

"تمام ادیان کا خاص مقصد تہذیب الاخلاق کے سوا اور کوئی شے نہ تھی" (کلیات نثر حالی۔ جلد اول۔ ص 15)

چنانچہ مولانا حالی نے مسدس مدّوجزر اسلام میں رسول کریم ﷺ کی جو تعریف "خطا کار سے درگزر کرنے والا" اور "اپنے پرائے کا غم کھانے والا" جیسی صفات بیان کر کے کی' اس کے پیچھے بھی یہی اخلاقی نقطۂ نظر کار فرما تھا۔ محمد حسن عسکری نے جو روایتی اسلام کے ماننے والے تھے اور اخلاقیات کو ایمان' عقائد اور عبادات کے بعد چوتھے درجہ پر رکھتے تھے' رسول کریم ﷺ کی یہ تعریف سنی تو فقرہ کسا کہ خیر اتنا کام تو مولانا حالی خود بھی کر لیتے ہوں گے۔ مولانا حالی اخلاقی آدمی ضرور تھے مگر ایمان کی بات یہ ہے کہ ان کے اخلاق پر مذہب کا سایہ تھا۔ بعد میں آنے والوں نے مذہب کے دُم چھلّے کو غیر ضروری سمجھا اور صاف اعلان کر دیا کہ اخلاقیات کے لئے عقل انسانی ہی کافی ہے۔ یہ سیکولر اخلاق کا نقطۂ آغاز تھا۔ مگر ہمیں یہاں اخلاقیات سے نہیں' اس تصور انسان سے غرض ہے جو نعت گوئی کی روایت کے قدیم و جدید ادوار میں تمام نعت گو شعرا کا موضوع سخن رہا ہے اور جس کے محامد و محاسن کا تذکرہ ہر نعت گو شاعر کا سرمایۂ دین و ایمان ہے۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ نعت گوئی کے دور قدیم کا خاتمہ محسن کاکوروی پر اور جدید دور کا آغاز مولانا حالی سے ہوا۔ لہٰذا میں نے بھی محض اپنی آسانی کی خاطر نعت گوئی کے تصور انسان پر اپنی معروضات پیش کرنے کے لئے بنیادی حوالہ انہی دونوں کو بنایا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے محسن کاکوروی پر محمد حسن عسکری کے اس مضمون کو پیش نظر رکھا ہے جس میں انہوں نے مولانا حالی کی نعت گوئی کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

محمد حسن عسکری نے محسن کاکوروی پر اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ حالی کے زمانے سے بہت پہلے رسول کریم ﷺ کے پہلوئے بشریت پر زور دینے والے لوگ پیدا ہو چکے تھے۔ ان لوگوں

کا کہنا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی عزت بس اتنی ہی کرنی چاہئے جتنی کہ بڑے بھائی کی۔ اس کے بعد آگے چل کر سرسید کے زیر اثر اور پیروی مغربی کے شوق میں ابھرنے والے لارڈ میکالے کے عقیدت مندوں کے نزدیک تو نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ آنحضرت ﷺ محض پیغمبر نہیں، بلکہ مصلح اور ریفارمر سمجھے جانے لگے۔ مولانا حالی سرسید کے زیر اثر بھی تھے اور ہمارے ادب میں پیروی مغربی کے مبلّغ بھی۔ انہوں نے ایک طرف تو اپنی مسدس میں آنحضرت ﷺ کے پہلوئے بشریت و عبدیت کو اُبھار کر پیش کیا ہے اور دوسری طرف بقول محمد حسن عسکری ان فوائد کی فہرست بنائی ہے جو آنحضرت ﷺ سے انسانیت کو اور بالخصوص عرب کو پہنچے۔ یا پھر اخلاقی محاسن گنوائے ہیں۔ حالی کی نعت کے سوز و گداز، اس کی مٹھاس اور کسک کے تو خیر عسکری صاحب بھی قائل تھے مگر انہوں نے حالی اور محسن کاکوروی کو ایک دوسرے کے تقابل میں رکھ کر دیکھتے ہوئے بتایا ہے کہ محسن کاکوروی کی نعت کا تصور انسان کچھ اور ہے اور حالی کی نعت کا کچھ اور۔ اس لئے کہ محسن کاکوروی کے ہاں رسول کریم ﷺ کی حقیقت انسانی نہیں، انسانی حقیقت تو حالی کی نعت میں ظاہر ہوئی ہے جنہوں نے انسانی خوبیوں کا بھی کھاتہ لکھا ہے۔ اس کے برعکس محسن کاکوروی کے ہاں رسول کریم ﷺ کی حیثیت کا تعلق ماورائی حقیقت کے اس مقام سے ہے جسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ مولانا حالی نے مسدس میں رسول کریم ﷺ کو یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولا کہہ کر آپ کی تعریف کی تھی، عسکری صاحب کہتے ہیں کہ خیر اتنی بات تو محسن کاکوروی بھی مان لیتے کہ رسول کریم ﷺ یتیموں کے والی اور غلاموں کے مولا ہیں لیکن ان کی نظر میں آنحضرت ﷺ کی شان دراصل یہ تھی کہ وہ بامیم احد اور احمد بلا میم ہیں۔ عسکری صاحب کا کہنا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی بنیادی صفت یہی ہے۔ خطاکار سے درگزر کرنے والا نہیں۔ ان کے بقول یہ وہی تصور انسان ہے جو رسول کریم ﷺ کے بارے میں مغرب پرستی عقل پرستی اور خود پرستی سے پہلے تمام مسلمانوں کا تھا۔

گویا عسکری صاحب کے نزدیک حالی اور محسن دونوں ہی کو حضور نبی کریم ﷺ کی صرف ایک جہت سے سروکار رہا۔ حالی نے آپ کی بشری یا انسانی جہت کو لے لیا، ماورائی یا نوری جہت کو چھوڑ دیا۔ محسن نے ماورائی یا نوری جہت کو لے لیا، بشری یا انسانی جہت کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ بشری جہت ہو یا نوری دونوں ہی جہتیں آپکی جہتیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو نور بھی کہا ہے اور بشر بھی۔ بشری جہت کے بارے میں جہاں حق تعالیٰ نے آپ سے کہلوایا کہ:۔

"کہدو میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں"

وہاں نوری جہت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

"بے شک آچکا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور
اور واضح کتاب"

ایک دوسری آیت میں آپ کی نوری جہت کی طرف حق تعالیٰ نے یوں اشارہ فرمایا کہ:۔

"اور ہم نے اسے ایک نور دیا ہے جسے لے کر وہ لوگوں کے
درمیان چلتا پھرتا ہے۔"

علاوہ ازیں آپکے اسمائے مبارکہ میں سے آپ کا ایک نام نور بھی ہے۔ جو ہماری توجہ آپ کی اسی معنوی اور ماورائی جہت کی طرف مبذول کراتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی نوری جہت ہو یا بشری، دونوں ہی برحق ہیں اور دونوں ہی نعت کا موضوع ہیں۔ لہٰذا نعت کہنے والا آپ کی کسی ایک جہت کو بھی اپنی نعت کا موضوع بنا سکتا ہے اور دونوں جہتوں کو بھی۔ محض اس بنا پر کہ اس نے ایک جہت کو لیا اور دوسری کو چھوڑ دیا۔ کسی بھی نعت گو کو دوسرے سے کمتر یا برتر قرار نہیں دیا جا سکتا تاوقتیکہ وہ ایک ہی جہت کو کل سمجھ کر دوسری کو نظر انداز نہ کرے۔ اور پھر دیکھنے کی بات تو دراصل یہ ہے کہ کسی نعت گو کے جذبہ میں کتنی سچائی، محبت میں کتنی گہرائی اور فکر میں کتنا خلوص ہے۔ کوئی آپ کو کس نظر سے دیکھتا ہے اور آپکی کس جہت یا آپ کے کن اوصاف کو اپنی نعت کا موضوع بناتا ہے یہ تو اپنی اپنی فکر و فہم اور اپنے اپنے زاویۂ نظر کی بات ہے۔ ورنہ سوائے خدا کے آپ کی تعریف کا حق تو آج تک نہ کسی اور سے ادا ہو سکا ہے نہ آئندہ ہو سکے گا۔ سب اپنی اپنی فکر و فہم اور اپنے اپنے قیاس و ادراک ہی کے مطابق آپ کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند
بقدر دانش خود ہر کسے کند، ادراک

سلیم احمد نے اپنی کتاب "محمد حسن عسکری۔ آدمی یا انسان" میں بتایا ہے کہ عسکری صاحب اپنے ادبی سفر میں ایک عمر تک "آدمی اور انسان" کے مسئلہ سے الجھے رہے۔ روسو کے فطری انسان اور لارنس کے نامکمل انسان اور مغربی ادب کے مطالعہ کے دوران اپنے تجربہ میں آنے والے ہر قسم کے تصور انسان سے غیر مطمئن ہونے اور اسے رد کرنے کے بعد وہ جس نئے تصور انسان کی تلاش

میں تھے اس کا سراغ انہیں بالآخر محسن کاکوروی کے ہاں جا کر ملا۔ عسکری صاحب اس سے پہلے انسان کی تلاش کسی ماورائی تصور کے بغیر انسانی سطح پر کر رہے تھے۔ محسن کاکوروی کے نعتیہ کلام کے مطالعے کے دوران وہ اچانک جس تصور انسان سے دوچار ہوئے اس کی ماورائی جہت میں انہیں اپنے مسئلہ کا حل مل گیا۔ انہیں یہ تصور انسان اپنی ماورائی جہت کے ساتھ اس قدر پسند آیا کہ وہ اس کا تقابل بار بار ان تصورات انسانی سے کرنے لگتے ہیں جو ہمارے ہاں مغرب پرستی، عقل پرستی اور خود پرستی کے دور میں پھیلے۔ محسن کاکوروی کی نعت کے تصور انسان میں ماورائی جہت کی اسی پسندیدگی کے باعث وہ حالی کو انسانی خوبیوں کا بہی کھاتہ لکھنے کا طعنہ دیتے ہیں۔ لیکن اول تو آپ ﷺ کی انسانی جہت کے حوالے سے آپ کے اوصاف کے بیان کو انسانی خوبیوں کا بہی کھاتہ قرار دینا بجائے خود محلّ نظر ہے۔ دوسرے حالی کی مسدّس سے قطع نظر کر کے دیکھیں تو ہمیں ان کے دیوان میں قدیم رنگ کے کم از کم دو نعتیہ قصائد اور ایک نعت ایسی ضرور ملتی ہے جس کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حالی کی نظر آپ کی دونوں ہی جہات پر تھی۔ چنانچہ اتنی بات تو ہمیں ان کی نعت کا یہ مطلع ہی بتا دیتا ہے کہ وہ صرف آپ ﷺ کی کسی ایک جہت کو نہیں بلکہ دونوں ہی جہات کو مانتے تھے

یا ملکی الصفات یا بشری القویٰ
نیک دلیل علیٰ انک خیرالوریٰ

اس طور پر دیکھیے تو حالی کے بارے میں عسکری کی رائے مبنی بر انصاف نہیں معلوم ہوتی۔ مگر قدیم رنگ کی یہ نعت اور ان کے دونوں نعتیہ قصائد سرسید کے زیر اثر آنے سے پہلے کی چیزیں ہیں۔ سرسید کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور مغرب کو دل دے بیٹھنے کے بعد حالی نے کوئی باقاعدہ نعت لکھی ہی نہیں۔ قوم کو خواب غفلت سے جگانے کے لئے "مسدس مدو جزر اسلام" البتہ لکھی۔ مگر اس مسدّس کے بعض نعتیہ بندوں کے باوجود یہ کوئی باقاعدہ نعت نہیں۔ اس لئے حالی نے اگر اس نظم میں اپنے موضوع کی مناسبت سے آنحضرت ﷺ کے پہلوئے بشریت ہی کو ابھار کر پیش کیا تو اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس نظم کے نعتیہ اشعار میں حضور نبی کریم ﷺ کی بشریت اور عبدیت کا رنگ ایسا غالب ہے کہ یقین نہیں آتا، حالی جیسا آدمی رسول کریم ﷺ کو عام انسانوں کی سطح پر لا کر خود آپ کی زبان مبارک سے اپنی بندگی بے چارگی کا اعتراف اس طرح بھی کرا سکتا ہے۔

سب انساں ہیں واں جس طرح سر فگندہ   اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم   کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

حالی کی مسدس کی دل میں کھب جانے والی سادگی، اس کی بے پناہ تاثیر اور سب سے بڑھ کر وہ خلوص اور دردمندی جو پوری نظم میں شروع سے لے کر آخر تک ایک برقی رو کی طرح دوڑی ہوئی ہے، اس نظم کی یہ سب خوبیاں تسلیم۔ مگر جو لوگ اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اردو میں کوئی نعت حالی کی مسدّس کے برابر موجود نہیں۔ انہوں نے غالباً" اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بے مثل بشریت اور عبدیت کاملہ کو ہم آپ جیسے عام انسانوں کی سطح کے برابر لانے سے نعت گوئی کا حق ادا کرنا تو رہا درکنار، خود ایمان کی سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

اس لئے کہ جہاں آپ ﷺ کو آپ کے مرتبہ سے بڑھا کر الوہیت کے درجہ پر فائز کرنا شرک ہے وہاں آپ کو آپ کے مرتبہ سے گرانا بھی تو نقص ایمانی کی دلیل ہے۔

اب یوں کہنے کو تو حالی بھی کہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ان اشعار میں کوئی بات ایسی نہیں کہی جو قرآن و حدیث میں پہلے سے مذکور نہ ہو، مگر بندگی بے چارگی کے اس اعتراف میں جو انہوں نے حضور کی زبان مبارک سے کرایا ہے حضور نبی کریم ﷺ کی حمد و ثنا کا کونسا پہلو نکلتا ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

حالی نے اردو ادب کو پیروی مغربی کی راہ پر ڈال کر جدیدیت کا سبق تو بے شک پڑھایا اور بہت خوب پڑھایا مگر ہمارا کہنا یہ ہے کہ باقاعدہ نعت انہوں نے قدیم روایتی رنگ ہی میں لکھی۔ اس کے باوجود اگر نعت گوئی میں جدیدیت کے حوالے سے ہونے والی تبدیلیوں کا نقطۂ آغاز بھی مسدس حالی کو قرار دے کر نعت گوئی کے جدید رجحان کا سہرا بھی انہی کے سر باندھا جاتا ہے تو ہمارے خیال میں اس کا کریڈٹ حالی سے کہیں زیادہ ہمارے ان نقّاد ان کرام کو جانا چاہئے جو نہ صرف یہ کہ ان کی "مسدّس مدّو جزر اسلام" کو ایک مکمل نعت قرار دیتے ہیں بلکہ نعت گوئی کے دور قدیم کا اختتام محسن کاکوروی پر کرتے ہوئے اس کے دور جدید کا آغاز بھی حالی ہی سے کرتے ہیں۔

خیر آپ کے بشر ہونے میں تو کس صاحب ایمان کو کلام ہو سکتا ہے کہ اس پر تو قرآن کریم کے یہ الفاظ خود بھی شاہد ہیں کہ "میں تو بس تمہی جیسا ایک بشر ہوں" مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تو خود آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہے کہ:۔

"میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔ بلکہ اپنے رب کے پاس رہتا ہوں۔ وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے (البخاری)"

بظاہر ان دونوں باتوں میں ایک تضاد محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے مختلف فرقے بن گئے ہیں۔ کوئی ایک بات کو پکڑ کر بیٹھ گیا ہے کوئی دوسری کو۔ خود عسکری صاحب نے بھی مسدس حالی کے تصور انسان اور محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری کے تصور انسان کا جو تقابلی موازنہ اپنے مضمون میں پیش کیا ہے اس سے بھی آپ ﷺ کی انسانی جہت اور ماورائی جہت کے باہم مختلف اور متضاد ہونے کا تاثر ابھرتا ہے۔ لیکن یہ ہمارا ہی قصور فہم ہے جو ہمیں ایسا سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔ ورنہ ان دونوں جہات میں کوئی ایسا تضاد نہیں کہ ان کا ایک ہی محل میں یکجا ہونا ممکن نہ ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ یوں تو انسان بھی بنیادی طور پر ایک حیوان ہی ہے جو ذی حیات ہونے میں دوسرے حیوانات کے ساتھ برابر کا شریک ہے لیکن وہ اپنے نطق کی وجہ سے دوسرے حیوانات سے ممتاز بھی ہے۔ تو جس طرح ایک فرق نطق کی بنا پر انسان اور حیوان کے درمیان ہے اسی طرح ایک فرق آنحضرت ﷺ اور دوسرے انسانوں کے درمیان بھی ہے۔ اس لئے کہ آپ دوسرے انسانوں کے ساتھ انسان ہونے میں تو بے شک برابر کے شریک ہیں مگر جس طرح انسان اپنے نطق کی وجہ سے دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے اسی طرح آپ ﷺ بھی باوجود اشتراک انسانیت اس نور نبوت کی بنا پر جس کی وجہ سے آپ کو حق تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا دوسرے انسانوں سے ممتاز ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں آپ کی بشریت کے لئے بشر' مثلکم آیا وہاں یوحی الی سے اس امتیاز کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کا دوسرے انسانوں کے مثل ہونا اور نہ ہونا ان دونوں باتوں میں کوئی ایسا تضاد نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی محل میں جمع نہ ہو سکیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جوش عقیدت میں آپ کی عبدیت کو الوہیت سے جا ملانا ممکن کو واجب اور واجب کو ممکن قرار دینا کھلا ہوا کفر ہے۔ اور نعتیہ شاعری کی تنقید میں نعت گو شعرائے کرام کی توجہ اس جانب مبذول کرا کے انہیں اس قسم کی خطرناک لغزشوں سے خبردار رہنے کا مشورہ دینا بہت اچھی بات ہے۔ مگر آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس کر کے آپ کو زیادہ سے زیادہ بڑے بھائی یا کسی بڑے مصلح اور رہبر کا درجہ دینا بھی تو آپ کی شان کے سراسر منافی اور دین و ایمان کے تقاضوں کے یکسر خلاف ہے۔

نعت گوئی کے جدید رجحان کا نقطۂ آغاز خواہ آپ حالی کو قرار دیں یا کسی اور کو۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ رجحان جہاں اپنے جلو میں بہت سی ایسی قابل قدر اور خوش آئند تبدیلیاں لے کر آیا۔ جن سے نعت گوئی کا اسلوب و آہنگ خوب سے خوب تر اور اس کا افق وسیع سے وسیع تر ہوا' وہاں بعض ایسی چیزیں بھی اس رجحان کے ساتھ ہماری نعت گوئی میں در آئی ہیں جو نعت گوئی کی اسلامی روایت

کے بنیادی مزاج کے سراسر خلاف بلکہ اسکی نفی کرنے والی ہیں۔ سرسید کے زیر اثر اور یورپی مغربی کے بڑھتے ہوئے شوق کی بدولت رسول کریم ﷺ کے پہلوئے بشریت پر زور دینے والے ایسے لوگ تو بقول محمد حسن عسکری ہمارے ہاں پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے جو آپ کو بڑے بھائی یا ایک بڑے مصلح اور ریفارمر کا درجہ دیتے تھے۔ پھر شوق کی یہی لے جب اور آگے بڑھی تو ہمارے ہاں ترقی پسند تحریک اور مغرب کی جدید ادبی تحریکات کے دور عروج میں نعت گوئی کا چلن ایسا متروک ہوا کہ اکا دکا مستثنیات سے قطع نظر مجموعی طور پر ہمارے شعرائے کرام کا نعت گوئی سے کوئی واسطہ ہی باقی نہ رہا۔ رہتا بھی کیسے۔ جبکہ ادب کے بنیادی دھارے میں ایسے لوگوں کے قدم مضبوطی کے ساتھ جم چکے تھے جو حمد و نعت تو رہی الگ خود مذہب ہی کو ایک آؤٹ ڈیٹڈ (OUTDATED) چیز سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ ہمارے ہاں بعض ایسے اہل نظر بھی اس دور میں پیدا ہوئے جن کے نزدیک نور سحر ہی نور رسالت کا قائم مقام بن چکا تھا۔ چنانچہ یہ انہی کا ارشاد ہے کہ۔

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کے لئے
اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی

اب بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے ہمارے ادب کا رشتہ اپنی روایت اپنے دین اور اپنے مرکزی نظام فکر سے یکسر منقطع ہو کر رہ جائے گا۔ لیکن ہمارے اجتماعی شعور کے باطن میں ردّ عمل کی جو مثبت قوتیں اندر ہی اندر کام کر رہی تھیں ان کے زیر اثر بہت جلد ایسی تبدیلی نمودار ہوئی جس کی بدولت ہمارے شعرائے کرام ہی کی صفوں میں سے بعض لوگ انہی مثبت قوتوں کی علامت بن کر نکلے اور انہوں نے اپنی نعت گوئی کے ذریعے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو پھر سے جوڑنا شروع کر دیا۔ پھر تو آہستہ آہستہ کم و بیش سارے ہی بھولے بھٹکے اپنے مرکز کی طرف واپس لوٹ آئے اور اس ذات گرامی کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے لگے جس کے دامن رحمت میں پناہ لینے کے سوا اب انہیں اور کوئی چارہ کار نظر نہ آتا تھا۔

مگر انہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو شاید مارے باندھے یا بربنائے مصلحت لوٹ تو ضرور آئے اور نعت گوئی کے جدید دھارے میں شامل بھی ہو گئے مگر ان کا دل ان کی زبان کا ساتھ نہیں دیتا۔ علاوہ ازیں انہی میں کچھ لوگ وہ بھی شامل ہیں جو اب بھی حضور نبی کریم ﷺ کو ایک بڑا مصلح یا رہبر جان کر آپ کی شان میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ چونکہ شعوری یا غیر شعوری طور پر جدید مغربی تہذیب کے لادینی اور غیر روایتی اثرات کی زد میں آنے والے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح یہ بھی وہی لوگ ہیں جو انسان کے بارے میں جدید مغرب کے مادّی اور عقلی فلسفوں

اور انسان پرستی (Humanism) جیسی تحریکات کے زیر اثر کائنات میں انسان سے اوپر کسی چیز کو سمجھنے سے قاصر ہیں' اس لئے یہ بات کہ پیغمبر انسان ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی فطرت میں ایک ایسے ماورائی عنصر کا حامل بھی ہوتا ہے جو اسے دوسرے تمام انسانوں سے ممتاز کر کے ان سے اوپر اٹھارہتا ہے' ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے نعتیہ کلام سے نعت گوئی میں ایک ایسی روش بھی چل نکلی ہے جو نعت کے بنیادی مزاج اور روایت کی نفی کرتی ہے۔ اس روش کو بعض لوگوں نے سیکولر نعت کا نام دیا ہے۔ مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ نعت کی تنقید کا جو سلسلہ ہمارے ہاں نعت رنگ اور بعض دوسرے رسائل میں شروع ہوا ہے اس میں نعت گوئی کے اس انداز پر گرفت بھی کی جارہی ہے۔ اس کے باوجود اول تو ہمارے لئے اس بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ حضور کے پہلوئے بشریت پر زور دینے کا جدید رجحان اس حد تک نہ بڑھنے پائے کہ ساری توجہ حضور ﷺ کی اسی ایک جہت پر مرکوز ہو کر رہ جائے اور اس کے نتیجہ میں آپ ﷺ کی ماورائی جہت نظروں سے اوجھل ہو کر رہ جائے۔ دوسرے آپ ﷺ کے بشری اوصاف کی تعریف کے ضمن میں بھی ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ بشر ہونے میں بھی آپ ﷺ عام انسانوں کے برعکس بشریت کے انتہائی درجہ کمال پر فائز تھے۔ دیکھئے سحر انصاری نے یہی بات کس قدر یقین اور اعتماد کے ساتھ دو ٹوک انداز میں کہی ہے۔

انساں کی کیا مجال کہ وہ ہمسری کرے
گو آپ کہہ چکے ہیں کہ انسان آپ ہیں

مختصر یہ کہ آنحضرت ﷺ ہم آپ جیسے بشر نہیں۔ افضل البشر ہیں۔ عام انسانوں جیسے انسان نہیں انسان کامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس کرنا درست نہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس کرنے میں ایک بہت بڑی قباحت یہ بھی ہے کہ اس سے بشری کمزوریوں کا تصور قدرتی طور پر ذہن میں آتا ہے۔ دوسرے اس تصور کے نتیجہ میں آپ ﷺ کی عصمت کا عقیدہ بھی دھندلا پڑ سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ بشری کمزوریوں کے ساتھ اس عقیدے کو قائم رکھنا کہ آپ معصوم عن الخطا ہیں اور خدا آپ سے ہمکلام ہوتا ہے عقل انسانی کے نزدیک بہت دشوار ہے۔ آخر وہ لوگ جنہوں نے ہر زمانے میں ہر نبی سے بشریت اور مثلیت کا دعویٰ کیا۔ یہی تو کہتے تھے کہ ہم جیسا بشر رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ انکار رسالت پر عقلاً" مجبور اور اس انکار میں اپنے نفس کی حالت کے ترجمان تھے۔ چنانچہ قرآن کریم نے بھی کافروں کا یہی مقولہ بیان کیا ہے کہ وہ نبیوں کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے۔ اسی طرح کفار عرب نے

بھی حضور نبی کریم ﷺ کو بشریت کا طعنہ دیا تھا۔ اسکے جواب میں آپ نے اللہ کے حکم سے فرمایا کہ

انما انا بشر مثلکم یوحی الیٰ

(میں تم جیسا بشر ہوں، مگر میری طرف وحی کی جاتی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا خود کو بشر فرمانا اور بات ہے اور کافروں کا آپ کو بشر کہنا بالکل دوسری بات۔ گویا وحی الٰہی کے عظیم الشان فیضان الٰہی کا حامل ہونے کے اعزاز کیساتھ آپ کا یہ فرمانا کہ میں بشر ہوں بشر کی رفعت شان اور علوئے مرتبت کی دلیل تھی جبکہ کفار عرب کا آپ کو بشر کہنا بشریت کے ادنیٰ تصور کی بنا پر تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے آپ کی بشریت کو اپنی بشریت پر قیاس کر کے کہا تھا کہ

وقال الذین الکفرون بشر مثلنا یھدوننا

(یعنی کافروں نے کہا کہ کیا ہم جیسا بشر ہم کو راستہ دکھائے گا)

کفار کے انکار رسالت کا سبب ان کی ظاہر بینی تھی۔ وہ حضورؐ کے ظاہر کو دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس ظاہر بینی نے ابوجہل اور ابولہب کو دولت اسلام سے محروم رکھا۔ حضرت مجددؒ الف ثانی اپنے مکتوبات میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"کوتاہ بینوں اور محجوبوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بشر کہا اور باقی انسانوں جیسا تصور کیا۔ نتیجہ یہ کہ وہ آپ کی رسالت کا انکار کر بیٹھے۔ مگر جن خوش قسمت لوگوں نے آپ ﷺ کو رسالت کے رنگ میں دیکھا رحمت عالم و عالمیاں جانا اور آپ کو تمام انسانوں سے ممتاز سمجھا وہ ایمان جیسی متاع عزیز سے مشرف ہوئے اور ان کا شمار نجات پانے والوں میں ہو گیا۔" (مکتوبات امام ربانی۔ دفتر سوئم۔ مکتوب 64)

چنانچہ قرآن کریم میں جہاں آپ کو بشر کہا گیا وہاں یوحی الیٰ کا استثنا بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہے۔ جو ہمیں بتاتا ہے کہ بشر ہونے کے باوجود آپ من کلّ الوجوہ ہم آپ جیسے بشر نہیں تھے۔ وجہ یہ کہ ایک طرف تو آپ دوسرے تمام انسانوں کے برعکس گناہ و خطا اور عیوب و نقائص جیسے بشری لوازم سے پاک تھے۔ اس کے بغیر آپ وحی الٰہی کے فیضان کے لئے منتخب نہیں ہو سکتے تھے۔ دوسرے

"آپ کی پیدائش بھی عام انسانی افراد کی پیدائش کی طرح بلکہ افرادِ عالم میں سے کسی بھی فرد کی پیدائش سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ آپ ﷺ عنصری پیدائش کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں۔ خلقت من نور اللّٰہ (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں)" مکتوباتِ امام ربانی۔ دفتر سوئم۔ مکتوب 100

ظاہر میں تو بے شک آپ عام انسانوں ہی کی طرح تھے۔ عام انسانوں ہی کی طرح رہتے سہتے، چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے تھے۔ مگر تھے پیکر نور، ایک خاکی غلاف تھا جو بشریت کے نام سے اس نور یزدانی پر پڑا ہوا تھا۔ اہل نظر آپ کے کالبد خاکی میں اسی نور یزدانی کی تجلیوں کا مشاہدہ کرتے تھے۔ اور یہ تو عوام و خواص سبھی دیکھتے تھے کہ دوسرے انسانوں کے برعکس آپ کے جسم اطہر کا سایہ نہ تھا۔ ہوتا بھی کیسے آپ سراپا نور مجسم جو تھے۔

اُمّی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائبان عالم

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے جسم خاکی اور پیدائش عنصری کی مصلحت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس جہان میں آپ کی عنصری پیدائش کو آپ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تاکہ مخلوق کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ مناسبت پیدا ہو سکے جو افادہ اور استفادہ کا سبب بنے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنی بشریت ظاہر کرنے کے لئے بڑی تاکید سے امر فرمایا کہ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیٰ لفظ مثلکم کا لانا تاکید بشریت کے لئے ہے۔ مگر وجود عنصری سے رحلت فرمانے کے بعد حضور ﷺ کی جانب روحانیت غالب ہو گئی اور بشریت کی مناسبت گم ہو گئی۔" (مکتوبات امام ربانی دفتر اول۔ مکتوب 209)

مجدّد صاحب کے اس مکتوب کی یہ عبارت اور عبارت کی آخری سطریں خصوصیت کے ساتھ

قابل غور ہیں جو ہمیں آج کے مادّی دور کی ظلمتوں میں حضور نبی کریم ﷺ کے نور نبوت کی روحانی قندیل سے اجالا کرنے کا پیغام دے رہی ہیں۔ شاید یہ اسی پیغام کا غیر محسوس اثر ہے کہ اب ہمارے بعض نوجوان شاعر جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس مادّی دور کے اندھیروں کے قدم ان کی وادی جاں تک بھی آپہنچے ہیں تو وہ اس دور ظلمت نژاد کے تمام فکری نظاموں کو رد کرکے بے اختیار نور سرکار دو عالم کو پکارنے لگتے ہیں۔

نور سرکار دوعالم کو پکارا میں نے   جب اندھیروں کے قدم وادیٔ جاں تک پہنچے

صبیح رحمانی

یقیناً" آپ بشر ہیں۔ اس سے کسی مسلمان کو انکار کی مجال نہیں۔ مگر ہمارے لئے غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ وہ بشر کیا ہوگا جس سے خود خدا ہمکلام ہوتا ہو۔ بے شک آپ عبد ہیں رب نہیں مگر ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ عبد کیسا ہوگا جس کی عبدیت سے شان رب آشکار ہوتی ہو۔ آخر غالب نے یونہی تو نہیں کہا تھا کہ۔

آئینہ دار پر تو مہر است ماہتاب   شان حق آشکار زشان محمد است

آپ ﷺ کی بشری جہت پر گفتگو کرتے کرتے اب ہم آپ ﷺ کی ماورائی جہت تک آپہنچے ہیں۔ غالب کا یہ خوبصورت شعر جس میں اس نے آپ کی بشری اور ماورائی دونوں جہات کے باہمی تعلق کو آفتاب و ماہتاب کی خوبصورت تمثیل کے ذریعہ بیان کیا ہے اب ہمیں آپ کی ماورائی جہت پر غور کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ لہٰذا آیئے اب یہ بھی دیکھتے چلیں کہ آپ ﷺ کی ماورائی جہت کا تصور ہماری دینی روایت میں کیا ہے اور اس کا اظہار ہماری نعتیہ شاعری میں کس طور پر ہوا ہے۔

آپ ﷺ کی ماورائی جہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد حسن عسکری نے لکھا ہے کہ حالی کے لئے آنحضرت ﷺ کچھ اور تھے محسن کاکوروی کے لئے کچھ اور۔ حالی کے برعکس محسن کاکوروی کی نظر میں آنحضرت ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ بامیم احد اور احمد بلامیم ہیں۔ عسکری صاحب کے بقول یہ تصور جس سے حقیقت محمدیہ کی طرف اشارہ مقصود ہے کٹھ ملّاؤں کے نزدیک تو شرک کے برابر ہے مگر ہمارے ہاں مغرب پرستی عقل پرستی اور خود پرستی کے دور سے پہلے تک عام مسلمان رسول کریم ﷺ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ چنانچہ محسن

کاکوروی کی نعتیہ شاعری کا موضوع بھی یہی عقیدہ ہے جس کی بنا پر عالم نور میں شوشے چھوڑنے کو عسکری صاحب نے ان کا خاص امتیاز قرار دیا ہے۔

اب اگرچہ حقیقت محمدیہ بنفسہ تو اظہار و بیان کی گرفت میں نہیں آسکتی۔ پھر بھی مختصر ترین لفظوں میں اس کی جو تعریف کی گئی وہ یہ ہے کہ ذات حق کی تجلیٔ اول کو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ اس عقیدے کی رو سے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو اسماء و صفات کے ظہور سے پہلے چمکا اور زمان و مکاں کی تخلیق سے پہلے درخشاں ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنی حدیث اول ما خلق اللہ نوری میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔ چنانچہ باعتبار خلق آپ اول ہیں اور باعتبار ظہور آخر۔ آپ ہی کے نور سے کل کائنات کی تخلیق ہوئی۔ آپ ہی وجہ وجود کائنات ہیں۔ آپ ہی دیباچۂ کونین ہیں۔ آپ ہی حقیقت ہیں آدم علیہ السلام کی۔ آپ ہی اصل ہیں جملہ انبیاء علیہم السلام کی۔ آپ ہی عقل اول ہیں آپ ہی تعین اول ہیں۔ آپ ہی وسیلہ و واسطہ ہیں عبد و رب کے درمیان۔ آپ ہی ربط و رابطہ ہیں حق اور خلق کے بیچ۔ آپ کی اسی شان کا اظہار ان اشعار میں ہوا ہے۔

اوست ایجاد جہاں را واسطہ درمیان خلق و خالق رابطہ
شاہباز لامکانی جان او رحمت للعالمیں در شان او
عارف اطوار سرجزو و کل خلق اول روح اعظم عقل کل
علت غائی زامر کن . فکاں نیست غیراز ذات آں صاحبقراں

رہنمائے خلق و ہادیٔ سبل
مقتدائے انبیاء ختم رسل

آپ برزخ کبریٰ ہیں۔ رابطۂ بین الظہور و البطون ہیں۔ آپ ہی اللہ سے لینے والے ہیں۔ آپ ہی اللہ سے لے کر بندوں کو دینے والے ہیں جیسا کہ آپ نے اپنی حدیث میں ارشاد فرمایا:

انما انا قاسم واللّٰہ یعطی

غالب کی نظر میں شاید آپ کی یہی حدیث رہی ہوگی جب انہوں نے کہا کہ۔

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است   امّا کشاد آں ز کمان محمد است

غرض کہ آپ ہی نور نبوت ہیں۔ آپ ہی کے نور سے شمس و قمر روشن ہوئے۔ آپ ہی کے نور سے لوح و قلم اور عرش و کرسی کو قیام ملا۔ اور اسی نور سے بزم گیتی سجائی گئی۔ مختصر یہ کہ آپ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

اقبال نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنّم بھی نہ ہو   چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھرے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو   بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

چنانچہ یہ آپ ہی کا نور تھا جو قلب آدم میں امانت بن کر اترا اور یہی نور جس کا دوسرا نام حقیقت محمدیہ ہے حلب آدم میں خیر البشر بن کر ٹھہرا۔ پھر پشت در پشت ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتے ہوئے بالآخر پہلوئے آمنہ سے ہویدا ہو کر صورت محمدی میں جلوہ گر ہوا۔ سو جب یہ نور آپ کی صورت بشری میں نمایاں ہوا تو گویا ایک آفتاب تھا جس پر ابر آگیا اور اس ابر کے سبب دیکھنے والوں کے لئے آپ کا دیکھنا آسان ہو گیا۔ بقول کسے۔

ان کے جلووں کی طرف کس کی نظر اٹھ سکتی   بشریت کے جو سانچے میں نہ ڈھالا ہوتا

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی حقیقت نوری ہے اور صورت بشری۔ ایک جہت میں آپ حق سے واصل ہیں اور دوسری میں مخلوق سے وابستہ۔ غلام علی شہیدی نے آپ کی دونوں جہات کو نظر میں رکھتے ہوئے کیا اچھا شعر کہا ہے۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل   خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدّد کا

غالب نے بھی آپ کی دونوں جہات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

نبی را دو وجہ است دلجوئے خلق   یکے سوئے خالق یکے سوئے خلق
بداں وجہ از حق بود مستفیض   بدیں وجہ بر خلق باشد مفیض

اب خواہ آپ کی جہت حق ہو یا جہت خلق ایک مسلمان کے لئے آپکی دونوں ہی جہتوں کو ماننا

ضروری ہے۔ جس نے آپ کی ایک جہت کو دیکھا اور دوسری سے محجوب رہا وہ آپ کے دیکھنے کا حق کماحقہٗ ادا نہ کرسکا۔ چنانچہ عسکری صاحب کے بقول اگر حالی نے صرف آپ کی انسانی خوبیوں کا ہی کھاتہ لکھا ہے تو محسن کے نعتیہ کلام کے لئے عسکری صاحب کی تمام تر پسندیدگی کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ محسن نے بھی آپ کی ایک ہی جہت کو نظر میں رکھتے ہوئے سارے شوشے عالم نور ہی میں چھوڑے اور یوں آپ کی صرف ایک ہی جہت تک محدود رہ کر آپ کی مدح و ثنا کا حق تو وہ بھی پوری طرح ادا نہ کرسکے۔ علاوہ ازیں حقیقت محمدیہ کے عقیدے پر کچھ ایک محسن کاکوروی ہی کا تو اجارہ نہیں بلکہ ولی و سودا سے لے کر غالب و اقبال اور حفیظ جالندھری کے دور تک کم و بیش سبھی شعرا اپنے مضامین نعت کے لئے اسی عقیدے سے اخذ و استفادہ کرتے چلے آئے ہیں۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جس مکاں میں ہے تمہاری فکر روشن جلوہ گر
عقل اول آکے واں اقرار نادانی کرے

ولی

حدیث من رآنی واں ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو اس نے دیکھی شکل یزدانی

سودا

آئینہ دار پر تو مہر است ماہتاب
شان حق آشکار زشان محمد است

غالب

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است
امّا کشاد آں زکمان محمد است

غالب

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قدورخ سے ظہور کی

غالب

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

اقبال

اے تجھ سے دیدہ مہ وانجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین روزگار

اقبال

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں. وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اقبال

پھوٹا جو سینہ شب تار الست سے
اس نور اولیں کا اجالا تمہی تو ہو

ظفر علی خاں

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہیں تو ہو

ظفر علی خاں

جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو

ظفر علی خاں

اے زہے تقدیر یہ نکلا محمد کا مقام
کوئی انسان و خدا کے درمیاں درکار تھا

احسان دانش

ظہور نور ازل کو نیا بہانہ ملا
حرم کی تیرہ شبی کو چراغ خانہ ملا

حفیظ ہوشیار پوری

سلام اے ظلّ رحمانی سلام اے نور یزدانی
ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی

حفیظ جالندھری

بہ صورت نور سبحانی بہ معنی ظلّ روحانی
نشان رحمت حق مظہر تائید ربانی

حفیظ جالندھری

وہ جس کو فاتح ابواب اسرار قدم کہیے
بنائے عرش و کرسی باعث لوح و قلم کہیے

حفیظ جالندھری

حالی سے شروع ہونے والے نعت گوئی کے دور جدید میں غالباً" حفیظ

جالندھری وہ آخری شاعر ہے جس کے ہاں حقیقت محمدیہ کے عقیدے کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ اس کے بعد آج کل کی نعت گوئی کے دور میں بھی اگرچہ اس عقیدے کو یکسر نظر انداز نہیں کیا گیا مگر اکا دکا مستثنیات سے قطع نظر آجکل زیادہ زور آپ کے پہلوئے بشریت ہی پر ہے۔ بہرحال چند مثالیں آج کل کے نعت گو شعرا کے ہاں سے بھی دیکھتے چلتے ہیں۔

رخ پاک ہے پر تو نور یزداں
جمال خدا ہے جمال محمد

ستار وارثی

محمد کی صورت میں حق جلوہ گر ہے
حقیقت ہے یا میرا حسن نظر ہے

شاہ انصار الہ آبادی

وہ سر تخلیق ہے مجسم کہ خود ہی آدم ہے خود ہی عالم
وجود کی ساری وسعتوں پر محیط ہے جو وہ دائرہ ہے

سلیم احمد

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
یہ سوچ ہے آگہی سے باہر وہ اور کیا ہے جو رہ گیا ہے

سلیم احمد

وہ نور جبیں سارے زمانوں کا اجالا
وہ نقش قدم سایہ فگن ہست و عدم پر

حنیف اسعدی

نور واجب کی صورت، درود و سلام حسن ممکن کی سیرت درود و سلام
علت رونق اہتمام ازل تاابدوجہ نعمت درود و سلام
اول الاوّلین، آخر الآخریں امر مطلق کی حکمت، درود و سلام

نصیر ترابی

کوئی مثل مصطفیٰ کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

صبیح رحمانی

حقیقت محمدیہ کے عقیدے پر مبنی ان اشعار سے آپ کی ذات گرامی کی جو ماورائی جہت ہمارے سامنے آتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی اسی جہت کی بنا پر دوسرے تمام انسانوں سے ممتاز ہو کر ان سے اوپر اٹھ جاتے ہیں۔ سو اب ہمارا سوال یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کی طرح ہوتے ہوئے بھی دوسرے تمام انسانوں سے ممتاز ہو کر ان سے اوپر اٹھ جانے والا یہ انسان اپنی دونوں جہات کے ساتھ اپنے بنیادی جوہر میں کیا ہے۔ یعنی ہم اسے انسان سمجھیں یا کچھ اور۔ اب ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسا آسان سوال تو ہے نہیں جس کا کوئی حتمی اور تسلّی بخش جواب ہمیں کسی ملّائے مکتبی یا چلتے پھرتے علامۂ دہر سے مل جائے۔ اس کے جواب کے لئے تو ہمیں کسی ایسے مستند عالم دین سے رجوع کرنا پڑے گا جس کا پایہ صرف علم دین ہی کے اعتبار سے نہیں بلکہ فہم و فراست اور علم و دانش کے اعتبار سے بھی بلند ہو۔ مگر ایسے عالم فاضل اول تو آجکل کے زمانے میں ملتے ہی کہاں ہیں اور اگر بفرض محال ملتے بھی ہوں تو ان تک ہماری رسائی کہاں۔ پھر کیا کریں اور کہاں جائیں۔ ہم ایسے بے علموں کو تو اس معاملہ میں لب کشائی کی مجال نہیں۔ تو کیا پہلے ہی قدم پر مایوس ہو کر بیٹھ جائیں۔ اس سے تو بہتر یہی تھا کہ ہم یہ سوال ہی نہ اٹھاتے۔ لیکن اب اٹھایا ہے تو کہیں نہ کہیں سے تو اس کا جواب ڈھونڈنا ہی پڑے گا۔ تسلّی بخش نہ سہی غیر تسلّی بخش ہی سہی۔ سو ایسے جواب کے لئے ہمارے شعرائے کرام ہی کیا بُرے ہیں۔ بلکہ ممکن تو یہ بھی ہے کہ انہی کے توسط سے ہمیں صحیح جواب کی طرف چلنے کا کوئی راستہ مل جائے۔ تو آیئے دیکھیں ہمارے نعت گو شعرا اس سوال کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔

(۱) ایک شاعر نے اس سوال کے جواب میں آپ ﷺ کو ایسا بشر قرار دیا ہے جو بشر ہونے کے ساتھ ساتھ خدانما بھی ہے۔

وہ ابتداؤں کی ابتدا ہے وہ انتہاؤں کی انتہا ہے   ثنا کرے اسکی کوئی کیونکر بشر ہے لیکن خدا نما ہے

ایک اور جواب اسی شاعر کا یہ بھی ہے کہ۔

ہے حد فاصل کا خط واصل کہ قوس کے قوس ہے مقابل   سلیم عاجز ہے فہم کامل کہاں بشر ہے کہاں خدا ہے

(2) دوسرے شاعر کا جواب یہ ہے کہ آپ خدا نہیں مگر خدا سے جدا بھی نہیں۔

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو   اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانئے کیا ہو

(3) ایک اور جواب شاعروں کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ

ترا چنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند   بقدر دانش خود ہر کسے کند ادراک

شاید یہ سب جواب اپنی اپنی جگہ جزوی طور پر ٹھیک ہیں مگر ہمیں ادھورا نہیں پورا جواب چاہئے اس لئے آگے بڑھتے ہیں۔

(4) اگلا جواب ایک شاعر کی طرف سے یہ ملتا ہے کہ

نور احد ہے میم کے پردے میں جلوہ گر   رتبہ مرے حضور کا سمجھے گا کیا بشر

اہل خرد یہ کہنے پہ مجبور ہوگئے   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس جواب سے ظاہر ہے کہ اہل خرد شریعت ہی کے ڈر سے آپ کو بعد از خدا بزرگ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ یہ خوف نہ ہوتا تو شاید میم کا پردہ اٹھا کر صاف صاف بھی کہہ سکتے تھے۔ یہ سب کچھ کہہ کر کچھ نہ کہنے کی ایک اچھی مثال ہے۔

(5) اسکے برعکس غالب نے تقریباً" صاف صاف ہی کہا ہے کہ۔

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی   قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مرتبۂ غیب ہویت سے پہلی تجلی اپنے آپ پر فرمائی تو نور محمدی ظہور میں آیا۔ اور یوں اللہ تعالیٰ کا نور ذاتی ہی نور محمدی سے موسوم ہوا۔ (اسی کو حقیقت محمدیہ تعین اول اور تجلیٔ اول کہتے ہیں)۔ اب یہی نور محمدی جب آپ کی صورت بشری میں نمودار ہو کر چکا تو آپ کے قد و رخ کا ظہور ہوا۔

اسی طرح سفر معراج کے اختتام پر جب حضور نبی کریم ﷺ حق تعالیٰ کے روبرو ہوتے ہیں تو غالب کہتا ہے۔

نماند اندر احمد ز میمش اثر کہ آں حلقہ بود بیرون در
احد جلوہ گر با شیون و صفات بنی محو حق چوں صفت عین ذات

مگر اس طرح کے اشعار پر آج کل یہ اعتراض شدّت کے ساتھ وارد کیا جارہا ہے کہ میم کا پردہ اٹھا کر احد اور احمد کے امتیاز کو ختم کرنا کفر و شرک کا مرتکب ہونے کے برابر ہے۔ اب عسکری صاحب کے بقول محسن کاکوروی کی نظر میں تو آنحضرت ﷺ کی شان ہی یہ تھی کہ آپ با میم احد اور احمد بلا میم ہیں بلکہ ان کا کہنا تو یہ بھی ہے کہ سو پچاس سال پہلے (یعنی انکے مضمون کی تحریر کے وقت سے سو پچاس سال پہلے تک) عام مسلمانوں کا عقیدہ بھی یہی تھا۔ خیر عام مسلمانوں میں سے تو ہم آج اتنی مدّت بعد کس کس کو پکڑتے پھریں گے مگر جہاں تک غالب اور محسن کاکوروی کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ دونوں شاعر آج ہمارے نزدیک کفر و شرک کے مرتکب گردانے جائیں گے۔ بلکہ غالب اور محسن کاکوروی بے چارے تو پھر بھی شاعر ہیں یہ تو جو چاہیں کہہ دیں مگر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے پیرو مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے بارے میں ہم کیا کہیں گے جن کا قول بھی یہی ہے کہ محمد ﷺ احمد بلا میم ہیں

اب مجدد صاحب نے اپنے پیرو مرشد کے اس قول کا جو مطلب اپنے رسالہ "شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ میں لکھا ہے اس میں تو آپ نے یہی فرمایا ہے کہ اس قول سے اشارہ حقیقت محمدیہ کی طرف ہے۔ لیکن رشید وارثی صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اگرچہ تنزلات ستّہ یا مراتب وجود کے اعتبار سے احمد بلا میم کا کنایہ درست ہے لیکن یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ذات محمدی اور حقیقت محمدی دو مختلف حقائق ہیں۔ ان دو حقائق کو ایک قرار دینا ممکن کو واجب اور واجب کو ممکن قرار دینے کے مترادف ہے" (نعت رنگ کتابی سلسلہ نمبر2 ص59)

حقیقت محمدی اور ذات محمدی کی باہمی نسبت کے حوالے سے یہ ایک اہم اعترض ہے جس کی طرف ہماری توجہ رشید وارثی صاحب نے مبذول کرائی ہے۔ میں اس سلسلہ میں اپنی معروضات پیش کرنے سے پہلے یہ اعتراف کرتا چلوں تو بہتر ہے کہ آجکل نعت رنگ کے صفحات میں نعتیہ شاعری کی تنقید کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس میں سید ابوالخیر کشفی، رشید وارثی، عزیز احسن اور عاصی کرنالی جیسے صاحبان نقد و نظر جس وقّت نظر، تحقیق اور تدقیق کے ساتھ نعت کی تنقید کا حق ادا کر رہے ہیں وہ

یقیناً" قابل داد ہے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ نعت رسول کا موضوع ہے ہی ایسا نازک کہ ذرا سی بے احتیاطی سے بات بننے کی بجائے بگڑ بھی سکتی ہے اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ نعت لکھنا گویا تلوار کی دھار پر چلنا ہے مگر اس میں صرف شاعر ہی کی کوئی تخصیص نہیں شاعر ہو یا نقاد اور تبصرہ نگار لغزش تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ بہر حال جہاں تک رشید وارثی صاحب کی بات کا تعلق ہے تو میری گزارش ان کی خدمت میں یہ ہے کہ انہوں نے خود ہی حقیقت محمدیہ اور ذات محمدیہ دونوں کو حقائق قرار دے کر ایک ہی مرتبہ میں رکھ دیا۔ جبکہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے قول کی تشریح میں مجدد صاحب کی جو عبارت انہوں نے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت جس سے عبارت حقیقت محمدیہ ہے وحدت اور احدیت جامعہ کے نام سے موسوم ہے۔ احمد بلا میم کا اشارہ اسی احدیت جامعہ کی طرف ہے" (نعت رنگ۔ کتابی سلسلہ نمبر2۔ ص59)

اس سے ظاہر ہے کہ ذات محمدیہ اور حقیقت محمدیہ دونوں حقائق نہیں۔ ان دونوں میں حقیقت تو بس ایک ہی ہے۔ یعنی حقیقت محمدیہ۔ یہی ذات محمدیہ کی حقیقت ہے اور ذات محمدیہ اس حقیقت کی مظہر بلکہ مظہر اتم ہے۔ خود حقیقت نہیں۔ اور دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر بفرض محال رشید وارثی صاحب کے بقول یہ مان لیا جائے کہ ذات محمدیہ اور حقیقت محمدیہ دو مختلف حقائق ہیں تو پھر یہ سوال ضرور پیدا ہو گا کہ ان دونوں کے درمیان باہمی نسبت کیا ہے۔ دونوں کے مختلف حقائق ہونے کی صورت میں تو ذات محمدی کی مدح و ثنا کے سلسلہ میں حقیقت محمدیہ کے حوالے کا کوئی جواز فراہم نہ ہو سکے گا۔ یہ جواز صرف اس لئے فراہم ہوتا ہے کہ ذات محمدیہ حقیقت محمدیہ کی مظہر اتم ہے اور چونکہ کسی مظہر کی تعریف کا پورا پورا حق اس حقیقت سے قطع نظر کر کے ادا کرنا ممکن نہیں جس کا ظہور (یا تجلی) اس مظہر میں ہوتی ہے۔ اس لئے ذات محمدیہ کی تعریف کا حق بھی حقیقت محمدیہ کے حوالے کے بغیر کماحقہ، ادا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ نعت رسولؐ میں حقیقت محمدیہ کا حوالہ اسی اعتبار سے آتا ہے۔ ورنہ ذات محمدیہ اور حقیقت محمدیہ ان دونوں کو ایک تو کوئی بھی نہیں کہتا۔ اب یہ بات تو الگ ہے کہ جوش محبت اور عقیدت میں احتیاط کا دامن ہی شاعر کے ہاتھ سے چھوٹ جائے یا وہ خود اپنی ہی بے خبری کے سبب شان رسالت اور شان الوہیت میں حفظ مراتب کا خیال نہ رکھ سکے۔ سو ایسی لغزشوں کی نشاندہی نعتیہ شاعری کی تنقید میں ضرور ہونی چاہئے۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک غلط فہمی نعتیہ شاعری کے اس اسلوب کی وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے جو حقیقت کے نقطۂ نظر سے مظہر کی

تعریف کرنے میں خود مظہر ہی کو حقیقت کا قائم مقام بنا دیتا ہے۔ مثلاً" یہ اشعار دیکھئے۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عارف اطوار سرجزو کُل
خلق اول روح اعظم عقل کُل

اب اگرچہ اس قسم کے اشعار میں آپ ﷺ کی تعریف باعتبار آپ کی حقیقت کے بیان ہوتی ہے۔ مگر الفاظ میں براہ راست آپ ﷺ کی ذات گرامی سے خطاب یا آپ ﷺ کی طرف اشارہ ایسے لوگوں کے لئے غلط فہمی کا سبب بن سکتا ہے جو اردو اور فارسی نعت گوئی کے اس اسلوب کے ادا شناس نہیں۔ مگر یہ اسلوب صرف نعتیہ شاعری ہی تک محدود نہیں۔ اس لئے کہ اس کی متعدد مثالیں نثر سے بھی پیش کی جاسکتی ہیں بلکہ دور کیوں جائیے خود رشید وارثی صاحب ہی کے مضمون سے ایک مثال دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔

"یہ حقیقت نصوص صریحہ سے ثابت و معروف ہے کہ رسول اکرم ﷺ اصل کائنات اور خلاصۂ موجودات ہیں۔ آپ خلق اول تعین اول برزخ کبریٰ اور رابطۂ بین الظہور والبطون ہیں" (نعت رنگ کتابی سلسلہ نمبر2 ص 43)

اب اس بات سے تو یقیناً" وہ بھی بے خبر نہیں ہوں گے کہ خلق اول تعین اول برزخ کبریٰ اور رابطہ بین الظہور والبطون یہ سب کے سب حقیقت محمدیہ ہی کے دوسرے نام ہیں۔ لہٰذا ان کا اطلاق رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی پر کرکے ذات محمدیہ اور حقیقت محمدیہ کو ایک قرار دینا خود انہی کے بقول ممکن کو واجب اور واجب کو ممکن قرار دینے کے مترادف ہوا۔ لیکن حیرت انگیز بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ذات محمدیہ اور حقیقت محمدیہ کا ایک ہونا خود ان کے بقول نصوص صریحہ سے ثابت و معروف بھی ہے۔ اب یہ تو بالکل وہی بات ہوئی کہ

جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے' اور یوں بھی

بہرحال اگر ان کی دوسری بات صحیح ہے تو حقیقت محمدی اور ذات محمدی کو ایک کہنے پر اعتراض کا کوئی

قبل باقی نہیں رہتا۔ اور اگر اسکے برعکس پہلی بات درست ہے تو دوسری کو کس اعتبار سے درست مانا جائے گا

اب میں رشید وارثی صاحب کو کیا کہوں جبکہ خود بھی اس سے پہلے اسی مضمون میں آپ ﷺ کے لئے تعین اول برزخ کبریٰ اور رابطہ بین الظہور والبطون جیسی اصطلاحیں استعمال کر آیا ہوں۔ سو کم از کم میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ بہت سے دوسرے بزرگوں کی طرح میں نے بھی یہ بات آپ ﷺ کی حقیقت ہی کے اعتبار سے کہی ہے آپ کے تعین و تشخص ذاتی کے اعتبار سے نہیں۔ اور یہ طرز کلام ہمارے اکثر بزرگان دین کی نثر اور نعتیہ شاعری دونوں میں عام ہے لہٰذا میرے نزدیک تو رشید وارثی صاحب نے بھی اپنی عبارت میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی طرز کلام کو اپنایا ہے۔

شاعروں کے ذکر میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے قول کو لانے سے بات کہیں سے کہیں جا پہنچی ورنہ ہم تو شاعروں کی مدد سے اپنے سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھے۔ خیر یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ اس لئے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے قول اور مجدد صاحب کی شرح کی مدد سے جہاں غالب اور محسن جیسے شاعر کفر و شرک کے الزام سے بچ گئے وہاں ہمیں بھی اپنے سوال کے جواب کی طرف بڑھنے کی راہ سجھائی دی۔ یہ راہ اب ہمیں اقبال کے جاوید نامہ تک لے آئی ہے جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سیر افلاک کے دوران زندہ رود ہمارا یہی سوال حلاّج کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اب زندہ رود کا سوال اور حلاّج کا جواب دونوں ملاحظہ کیجئے:۔

از تو پرسم گرچہ پرسیدن خطاست   سر آں جوہر کہ نامش مصطفیٰؐ است
آدمے یا جوہرے اندر وجود   آں کہ آید گاہے گاہے در وجود

حلاّج اس کے جواب میں جو کچھ کہتا ہے اسی میں ہمارے سوال کا جواب بھی پورا پورا موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است   خویش را خود عبدہ فرمودہ است
عبدہ از فہم تو بالاتر است   زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است
جوہر او نے عرب نے اعجم است   آدم است و ہم ز آدم اقدم است
عبدہ صورت گر تقدیر ہا   اندر و ویرانہ ہا تعمیر ہا
عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر   ما سراپا انتظار او منتظر
عبدہ با ابتدا بے انتہا است   عبدہ را صبح و شام ما کجا است
کس ز سرّ عبدہ آگاہ نیست   عبدہ جز سر الا اللہ نیست

لا الہ تیغ و دم او
عبدہ چند و چگون کائنا

مدعا پیدا نگر
تانہ بینی ا

اچھا اگر مجدد صاحب کی شرح سے غا
ہو سکتا ہے تو اسے کسی ایسے صوفی یا شیخ طریق
جاری شریعت کا پاس ملحوظ نہیں رکھتا۔ اس
مقصود ہی شریعت کا تحفظ تھا۔ لہٰذا یہ کسی ایسے
ہے جس کی غیرت دینی اور حمیت ایمانی اپنے د
کی طرح جم کر کھڑی ہو گئی۔ جس نے شریعت
اسلام کو مختلف قسم کی بدعات اور مشرکانہ ر
تعبیر کے زیر اثر لوگوں پر شریعت کی ڈھیلی ہ
تجدیدی کارنامہ انجام دیا کہ شاہ ولی اللہ جیسا اما
اگر مجدد صاحب یہ کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ
حدیث اور دیگر علوم دینیہ کا درس ہوتا۔ چنانچ
احمد بلا میم کہنے میں اعتراض کا کوئی پہلو نہ دیکھا
کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح اقبال نے بھی اپنے مندرجہ
کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ہمارے سوال کا
نیست جیسی باتوں کی تفہیم کے لئے مقام ما
ہے کہ اقبال کے لئے یہ تو قطعاً" ضروری نہیں
لہٰذا ہمیں اگر ان کی بات کو سمجھنا ہے تو یہ شرط

بدہ فاش تر خواہی بگو ہو عبدہ
ت عبدہ راز درون کائنات

دو زیں دو بیت
ر مقام ما رمیت

لب اور محسن کاکوروی پر عائد ہونے والا اعتراض رفع
ت کی بات نہ سمجھی جائے جو طریقت کی راہ پر چلنے میں
لئے کہ مجدد صاحب کی طریقت اور معرفت کا تو تمامتر
ویسے آدمی کی نہیں بلکہ اس امام ربانی شیر یزدانی کی بات
ور کے کفرو شرک اور بدعت و ضلالت کے سامنے پہاڑ
ت اسلامی کو اکبری دور کے کفرو الحاد سے بچانے دین
وم سے پاک کرنے اور وجودی تصوف کی انتہاپسندانہ
وتی ہوئی گرفت کو از سر نو مضبوط کرنے کے لئے وہ
م عرب و عجم اس کے اعتراف میں یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ
سجدوں میں اذانیں ہوتیں نہ مدارس دینیہ میں قرآن و
ہ اگر مجدد صاحب ہی نے حضور نبی کریم ﷺ کو
تو پھر ہمارے آپ کے لئے ایسی باتوں پر گرفت کرنے کا

بالا شعر میں آپ ﷺ کی دونوں جہات کا بیان
جواب بری عمدگی سے دے دیا بلکہ عبدہ جز سر اللہ
ت سے دیکھنے کی شرط بھی عائد کردی ہے۔ اب ظاہر
تھا کہ وہ مقام مارمیت کی تفسیر بھی خود ہی بیان کرتے
میں خود ہی پوری کرنی پڑے گی۔

اردو نعت میں تلمیحات کا غیر محتاط استعمال

رشید وارثی

اسلامی ادب کے خصائص میں یہ بات شامل ہے کہ اس کے مضامین اور زبان و بیان کی اسناد کو کتاب و سنّت کے حوالے سے روایت و درایت' جرح و تعدیل اور بحث و تنقید کی چھلنیوں میں اس قدر چھانا گیا ہے کہ دنیا کے کسی بھی ادبی سرمائے میں اس کی مثال ملنا دشوار ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اردو زبان کے نقّادوں نے اسلامی فنِ انتقاد سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے ابتدا ہی سے تنقید کے میدان میں صرف مغربی افکار سے ہی استفادہ کیا' جس کے نتیجے میں آج اردو میں جتنے مکاتبِ تنقید مرّوج و متعارف ہیں ان کا شجرۂ نسب بالآخر مغربی اہل نقد و نظر کے افکار ہی سے جا ملتا ہے جبکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو شاعری کی دیگر اصناف سے قطع نظر نعت نگاری جیسی لطیف اور اعلیٰ مقاصد کی حامل صنف کسی روایتی مکتبۂ تنقید کے بجائے اس معنوی تنقید کی بازیافت کا تقاضا کرتی ہے' جس کی جانب خود ذات باری تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے وجوب کے حوالے سے امت مُسلمہ کی توجہ مبذول کرائی ہے (دیکھئے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۰۴ اور سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے نعتیہ شاعری میں متعدد بار معنوی سقم کی اصلاح فرما کر اہل ایمان کی رہنمائی کی ہے۔

یہ بات بھی ہمارے مشاہدے میں آئی ہے کہ تغیّر زمان و لسان کے زیراثر بعض ایسے الفاظ عوام تو عوام خواص میں بھی زبان زد عام ہو جاتے ہیں' جو اصل زبان اور اس کے قواعد کے اعتبار سے غلط ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان الفاظ کے استعمال کے لئے "غلط العوام فصیح" کا اصول وضع کر لیا گیا ہے۔ عام شاعری کے لئے تو اس میں قباحت نظر نہیں آتی۔ لیکن نعت گوئی کی لطافت اور وقار ایسے الفاظ کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا بارگاہ افصح العرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسے الفاظ کی آمیزش کے ساتھ نذرانۂ نعت پیش کرنے سے احتیاط لازم ہے۔

اردو کے نعتیہ ادب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر شعرائے کرام کے اشعار میں عشق صادق کی پاکیزہ اثر آفرینی تو پائی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ان کے بعض نعتیہ اشعار قرآن کریم اور سیرت طیبہ کے خاطر خواہ مطالعے سے تساہل برتنے کے غمّاز نظر آتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اور بہت سی باتوں کے علاوہ تلمیحات کا غیر محتاط استعمال بھی سامنے آتا ہے۔ اس بات پر توجہ دلانے کے لئے آئندہ سطور میں اردو کے بعض معروف اور قادرالکلام شعرائے کرام

کے ایسے اشعار کتاب و سنّت کی روشنی میں مختصر تبصرہ کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں جو تلمیحات کے بے محل اور غیر محتاط استعمال کی ترجمانی کرتے ہیں تاکہ نعت نگاری میں تلمیحات کے غیر محتاط استعمال کا سدّباب ہو سکے۔ اور نعتیہ اشعار میں تلمیحات کے استعمال کی ثقاہت کا ایسا معیار قائم کرنے کی راہیں ہموار ہوں کہ تاریخ اسلام کا طالب علم ان تلمیحات پر مبنی اشعار کو سند کے طور پر پیش کر سکے۔ جیسا کہ دورِ جاہلیت میں بھی زبان و بیان کی صحت و ثقاہت کا یہ عالم تھا کہ صحابہ کرام غرائبِ قرآن کے مفاہیم کے تعیّن کے لئے دورِ جاہلیت کے اشعار سے سند لاتے تھے۔ اس بارے میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر صحابہ و تابعین نے قرآن کریم کے غریب اور مشکل الفاظ پر عرب جاہلیت کے اشعار سے بکثرت دلیل پیش کی ہے (خلاصہ : الاتقان فی علوم القرآن۔ جلد اوّل) اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین کے عربی اشعار میں بیان کردہ واقعات کی ثقاہت کا یہ عالم ہے کہ آج بھی اسلامی تاریخ کے مختلف فیہ واقعات میں شعرائے اسلام کے اشعار سے دلیل پیش کی جاتی ہے۔

تلمیح کی تعریف

کلام میں کسی آیت قرآنی، حدیث، مشہور مسئلے، قصّے یا مثل یا کسی اصطلاح علمی و فنّی وغیرہ کی طرف اشارہ کرنا جس کو سمجھے بغیر مطلب واضح نہ ہو ایسا ہر اشارہ تلمیح کہلاتا ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی صاحب لکھتے ہیں "-----علم بدیع میں صنعت تلمیح کے دائرے میں تلمیحات کے علاوہ اصطلاحات بھی شامل سمجھی جاتی ہیں چنانچہ صنعت تلمیح کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ کلام میں کسی فرضی یا تاریخی واقعے، کسی آیت قرآنی یا کسی مشہور شعر کی طرف اشارہ کرنا یا نجوم، موسیقی، ریاضی وغیرہ علوم کی اصطلاحات استعمال کرنا صنعت تلمیح کہلاتا ہے۔" (کشاف تنقیدی اصطلاحات۔ مقتدرہ)

معروف اسکالر شبلی نعمانی صاحب فرماتے ہیں "صنائع شاعری میں ایک چیز تلمیح یعنی کسی قصّہ طلب واقعے سے مضمون پیدا کرنا ایک لطیف صنعت ہے۔" (شعرالعجم)

تلمیح کی شرعی اہمیت

قرآن کریم جوامع الکلم ہے۔ اس کی ایک ایک آیت میں معانی کا سمندر موجزن ہے۔ اسی طرح مجاز، استعارہ، کنایہ، تشبیہہ و تمثیل اور ایجاز و اطناب سمیت علم بیان کے سیکڑوں لطائف قرآنی آیات میں لمعہ فگن ہیں۔ اس کتاب مقدس میں اسلامی عقائد، ارکان اسلام،

احکامات الٰہیہ کے علاوہ اُمم سابقہ اور انبیاء علیہم السلام کے طویل حالات و واقعات کے بیان کے ساتھ محل بیان کی مناسبت سے اکثر مقامات پر خاص خاص الفاظ کے ذریعے واضح اشارات کئے گئے ہیں۔ جنہیں قرآنی تلمیحات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً "اصحاب الشمال' اصحاب الیمین' اصحاب الفیل' یوم الدّین' یوم الفصل' اہل الذکر' اہل القریٰ' اہل کتاب' اصحاب الجنتہ' مقام ابراہیمؑ" مقام محمود' احقاف' ارم' ازلام' صلوٰۃ الوسطیٰ' اسریٰ' لیلتہ القدر اور لیلتہ المبارک اور اس نوع کے سیکڑوں بلیغ اشارات وغیرہ۔ اسی طرح سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ مجھے جوامع الکلم دیا گیا اور میرے لئے بیان کو مختصر کیا گیا۔ (مسلم شریف) جوامع الکلم سے مراد وہ کلمات ہیں جو مختصر ہوں اور کثیر معانی کے حامل ہوں۔ چنانچہ لغات القرآن کے ساتھ لغات الحدیث میں بھی بلیغ تلمیحات کی مثالیں موجود ہیں۔ جو صنعت تلمیح کی شرعی اہمیت کی ترجمان ہیں اور اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ تلمیحات کا بلیغ اور برمحل استعمال ذات علمہ البیان جلّ جلالہ اور جناب افصح العرب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنّت ہے۔

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والےؐ نے بتلا دیا چند اشاروں میں
(مولانا ظفر علی خان)

اردو شاعری میں تلمیحات

اردو شاعری میں ابتدا سے ہی تلمیحات کے ذریعے بڑے لطیف مضامین پیدا کئے جاتے رہے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں :

ابنِ مریمؑ ہوا کرے کوئی   میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
(غالب)

اور لے آئیں گے بازار سے گر ٹوٹ گیا   جامِ جم سے تو مرا جامِ سفال اچھا ہے
(غالب)

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا   آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا
(اقبال)

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے   وہی فطرت اسدؓ اللّٰہی' وہی مرحبی' وہی عنتری
(اقبال)

عجیب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم   نہایت جس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ
(اقبال)

ذکر ہوا استراط کا جب بھی جب بھی چلی منصورؒ کی بات شہر کے سارے جھوٹے بولے ہم سے بڑھ کر سچا کون
(ڈاکٹر سعید وارثی)

ان تصریحات و توضیحات کے بعد اب اردو کی نعتیہ شاعری میں تلمیحات کے غیر محتاط استعمال کی مثالیں پیش خدمت ہیں :

اہل کتاب

"اہل کتاب" قرآنی اصطلاح ہے، جس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے باشندے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں ایک گروہ بت پرست تھا جسے قرآنی اصطلاح میں مشرکین کہا جاتا ہے اور دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو کسی سابق نبی کے امتیؑ ہونے کا دعویدار تھا۔ ان کے پاس آسمانی کتابیں (توریت اور انجیل) تھیں جو تحریف کی نذر ہو چکی تھیں۔ اور خود ساختہ مخترعات کو انہوں نے اپنا دین بنا لیا تھا۔ ان میں سے یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو فرزند خدا قرار دیا تو نصاریٰ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اس دوسرے گروہ کو قرآنی اصطلاح میں اہل کتاب کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے ان دونوں گروہوں (مشرکین اور اہل کتاب) کا ہمیشہ الگ الگ ناموں سے ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے سورۃ البیّنہ کی پہلی آیت)

اس مقالے میں چونکہ مشرکین زیر بحث نہیں لہٰذا اہل کتاب کے بارے میں چند آیات قرآن کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے :

۱۔ بہت سے اہل کتاب اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد کسی طرح تمہیں پھر کافر بنادیں۔ حالانکہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔ (البقرہ۔ آیت ۱۰۹)

۲۔ (اے رسولؐ) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اس کی طرف آؤ اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ (آل عمران۔ ۶۴)

۳۔ (اے ایمان والو) بعض اہل کتاب کی آرزو ہے کہ وہ کسی طرح تمہیں گمراہ کردیں اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور انھیں اس کا ادراک نہیں۔ (آل عمران۔ ۶۹)

۴۔ آپ فرمایئے اے اہل کتاب! کیوں روکتے ہو اسے اللہ کی راہ سے جو ایمان لا چکا۔ تم چاہتے ہو کہ اس راہ راست کو ٹیڑھا بنا دو۔ حالانکہ تم خود اس کے گواہ ہو۔ اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔ (آل عمران۔ ۹۹)

۵۔ آپ فرمایئے کہ اے اہل کتاب تمہیں کیا پرخاش ہے ہم سے' صرف یہی کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اور اس پر جو ہم پر نازل ہوا ہے اور جو ہم سے پہلے نازل ہو چکا۔ اور تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ (المائدہ ۵۹)

قرآن کریم کی مندرجہ بالا اور دیگر بہت سی آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی اہل کتاب کہا ہے وہاں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں ایک شاعر محترم کا یہ شعر ملاحظہ فرمایئے :

سمجھ میں آنے لگی سیرتِ رسولؐ کریم نئے سرے سے میں اہل کتاب ہونے لگا

اس شعر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر محترم نے اہل کتاب کے مفہوم سے بے خبر رہتے ہوئے یہ قرآنی اصطلاح بے محل استعمال کی ہے' جس کی وجہ سے شعر میں ذم کا پہلو آگیا ہے یعنی (نعوذباللہ) میری سمجھ میں رسولِ کریمؐ کی سیرت آنے لگی تو میں از سرِ نو اپنے پرانے دین پر لوٹنے لگا (اہلِ کتاب ہونے لگا)۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ بعض اردو لغات میں اہل کتاب کے معانی یہود' نصاریٰ اور مسلمان بتائے گئے ہیں۔ یہ صاحبانِ لغت کی بڑی فاش غلطی ہے جس کا تدارک ہونا چاہئے۔ تاہم نعت نگاروں کو محض اردو لغات پر انحصار نہیں کرنا چاہئے اور قرآن کریم کے الفاظ اور اصطلاحات کے معانی کی تفہیم کے لئے تفاسیر سے رجوع کرنا چاہئے یا کم از کم قرآن کریم کو ترجمے کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔

قرآن پاک میں مسلمانوں کو مسلمین' مومنین اور ایمان والوں کے الفاظ سے خطاب فرمایا گیا ہے اور احادیث میں اہل القرآن بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ نماز وتر کے وجوب میں جو احادیث بیان ہوئی ہیں ان میں کہا گیا ہے ان اللّٰہ وتر یحب الوتر فاوتروا یا اهل القرآن یعنی بیشک اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے۔ طاق کو پسند فرماتا ہے پس اے اہل قرآن (نماز) وتر پڑھا کرو (مشکوٰۃ شریف)

اہل کتاب کی اصطلاح کا صحیح استعمال اس شعر میں نظر آتا ہے :

ہم بھی مباہلہ کریں اہل کتاب سے کوئی جو پنجتنؑ کی جہاں میں مثال ہو

امّت گمراہ (ضالّین)

قرآنی اصطلاح میں "ضالّین" (گمراہ لوگ یا امّت گمراہ) سے مراد نصاریٰ ہیں۔ لفظ "ضالّین" کی تفسیر کےحوالے سے امام احمد بن حنبل حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت عدیؓ بن حاتم نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مغضوب علیھم" سے مراد یہود ہیں اور "ضالّین" (گمراہ لوگ) سے مراد نصاریٰ ہیں (تفسیر ابنِ کثیر) امام ابن جریر تحریر

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کئی اصحاب سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "الضالّین" (گمراہوں) سے مراد نصاریٰ ہیں (جامع البیان)۔ کیونکہ انہوں نے صراط مستقیم سے روگردانی کرتے ہوئے گمراہی اختیار کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھنے لگے۔ اسی طرح ابن مردویہ حضرت ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مغضوب علیہم کون لوگ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا "یہود" پھر میں نے عرض کیا "الضالّین" کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "نصاریٰ" (الاتقان فی علوم القرآن۔ سیوطی)

چنانچہ جمہور علماء و مفسّرین کے نزدیک ضالّین (گمراہ لوگوں) سے مراد نصاریٰ ہیں۔

قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کی اس روشنی میں ایک کہنہ مشق اور بزرگ شاعر محترم کی مشہور و معروف نعت کا یہ شعر ملاحظہ فرمایئے :

دعویٰ ہے تیری چاہ کا اس امّت گمراہ کا   تیرے سوا کوئی نہیں یا رحمۃ للعالمینؐ

مندرجہ بالا شعر میں افضل الانبیاء و مرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے آپ کی امّت مُسلمہ کو "امّت گمراہ" کہا گیا ہے۔ برسوں سے یہ الفاظ برقیاتی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ فضاؤں میں گونج رہے ہیں۔ عوام الناس تو کیا علمائے کرام اور محققین عظام بھی "امّت گمراہ" کے مفہوم پر توجہ نہ دیتے ہوئے اس پر داد تحسین پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔

قرآن حکیم میں گمراہی کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ (کی وحدانیت)، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز قیامت کا انکار کرے تو بیشک وہ گمراہ ہو گیا اور (صراط مستقیم سے) بہت دور جا پڑا۔" (سورۃ النساء۔ ۱۳۶)

نصاریٰ چونکہ عقیدۂ توحید کے بجائے تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور قرآن کریم کا بھی انکار کیا لہٰذا قرآنی آیات کی روشنی میں وہ گمراہ لوگوں کی تعریف میں آتے ہیں۔ اس کے برخلاف امّت مُسلمہ کا ہر فرد اسلام کے ان بنیادی عقائد پر ایمان رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر امّت مُسلمہ کا کوئی فرد یا گروہ کبائر کا مرتکب ہوتا ہے تو ایسے شخص یا گروہ کو ان کی بداعمالی کی بناء پر گنہگار، فاسق اور بے عمل تو کہا جا سکتا ہے لیکن گمراہ نہیں کہا جا سکتا اور مسلمانوں میں سے جن لوگوں سے گناہ سرزد ہو جائیں ان کے لئے بھی ذات ارحم الرّاحمین کی جانب سے یہ بشارت ہے "اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے اور بیشک وہ بڑا غفور الرّحیم ہے۔" (سورۃ الزمر۔

۵۳)۔ اسی طرح سورۂ ابراہیمؑ کی ۵۶ ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتے ہیں سوائے ان کے جو گمراہ ہیں۔ (شاہ ولی اللہ صاحب اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نڈر ہونا اور اس کے فضل سے ناامید ہونا دونوں کفر کی باتیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

امّت مُسلمہ کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور اسی طرح اے مسلمانو! ہم نے تمہیں بہترین امت (اُمّۃً وسطًا) بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو۔" (البقرہ۔ ۱۴۳) "یعنی ہم نے تم کو سب امّتوں سے افضل اور تمہارے پیغمبر کو سب پیغمبروں سے کامل اور برگزیدہ کیا تاکہ اس فضیلت اور کمال کی وجہ سے تم تمام امّتوں کے مقابلے میں گواہ اور مقبول الشّہادۃ قرار دیئے جاؤ اور حضرت شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری عدالت و صداقت کی گواہی دیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ جب پہلی امّتوں کے کافر اپنے پیغمبروں کے دعوے کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو کسی نے دنیا میں ہدایت نہیں کی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امّت انبیاء علیہم السلام کے دعوے کی صداقت پر گواہی دے گی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو اپنے امّتیوں کے حالات سے پوری طرح واقف ہیں' ان کی صداقت اور عدالت پر گواہ ہوں گے۔" وسط یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ امُّت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے۔ (ترجمہ و تفسیری حاشیہ مولانا محمودالحسن صاحب)

سورۂ آل عمران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امّت کے لئے فرمایا گیا ہے کنتم خیرالاُمّۃ یعنی اے مُسلمانو! تم سب امّتوں سے بہتر امّت ہو۔ (آیت ۱۱۰) اور سورۃ الحج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ھو اجتبٰکم (آیت ۷۸) اس نے تم کو پسند کیا۔ اس لئے امّت مُسلمہ کو "امّت مجتبیٰ" یعنی پسندیدہ امت بھی کہا جاتا ہے اور اسی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے تم پر دین میں کوئی مشکل نہیں رکھی۔ یعنی اُمم سابقہ کے مقابلے میں تمہارے لئے دین کے احکام میں ہر طرح کی رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس لئے امّت مُسلمہ کو "امّت مرحومہ" (جس پر رحم کیا گیا) بھی کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی امّت کے بارے میں فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ میری امّت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت جماعت پر ہے۔ جو شخص جماعت سے جدا ہوا وہ دوزخ میں گیا۔" (حاشیہ کنزالایمان بحوالہ ترمذی شریف)

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی ان نصوص کی روشنی میں ہمیں دیکھنا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امّت پورے روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ بیت اللہ شریف کے

طواف میں ہمہ وقت مشغول رہتی ہے۔ اس کے صاحب حال افراد پوری توجہ کے ساتھ اوامر و
نہی کی تبلیغ اور احکام دین کی ترویج کے لئے اپنی زندگیاں وقف کئے ہوئے ہیں۔ ان میں اولیاء
بھی ہیں، شہداء بھی ہیں اور صالحین بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ لہٰذا کسی ایک خصوص
زمانے میں کسی خاص علاقے میں مسلمان اگر اخلاقی پستی کا شکار ہیں تو پوری امّت مرحومہ پر اس
کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آپؐ کی امّت کو "امّت گمراہ" کہنا قرآن و حدیث کی روشنی میں
خلاف حقیقت ہے اور امّت مرحومہ کی تحقیر کے مترادف ہے۔

دور حاضر میں امّت مُسلمہ کی زبوں حالی اور اس کے افتراق و انتشار اور بعض مسلمانوں کی
اخلاقی پستی کے حوالے سے یہ اشعار مناسب نظر آتے ہیں :

خوار ہیں، بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں ۔۔۔ کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوب کی امت میں ہیں

امّتؐ میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن ۔۔۔ دلدادہ ترا ایک سے اِک ان میں سوا ہے

(حالی)

لاکھ عصیاں کار ہیں پھر بھی تری امّت تو ہیں ۔۔۔ اپنی امّت کی طرف آقاؐ عنایت کی نظر

(نیرؔ یزدانی)

وحی اور الہام

وحی اور الہام شریعت اسلامیہ کی دو مختلف المدارج اصطلاحیں ہیں۔ اگرچہ لغت کے اعتبار
سے یہ دونوں الفاظ قریب المعنٰی ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں وحی کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے
لئے خاص ہے۔ وحی سے مراد اللہ تعالٰی کا وہ پیغام ہے جو کسی نبی کی طرف القا کیا جائے۔ اس
طرح وحی شریعت کا ایک اصطلاحی عنوان ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والے
پیغام الٰہی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اگر اس لفظ کے بعض مشتقات غیر انبیاء کے لئے بھی اطلاق
کئے گئے ہیں مثلاً" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
حواریوں کے لئے بھی یہ لفظ قرآن حکیم میں آیا ہے بلکہ بعض غیر ذی العقول کے لئے بھی یہ لفظ
آیا ہے لیکن یہاں اس لفظ سے مراد القائے ربّانی ہے۔ وحی کے اصطلاحی معنی کا یہاں اطلاق نہ
ہوگا۔ (خلاصہ اصول تفسیر۔ مولانا عبدالمالک)

ارشاد باری تعالٰی ہے "وما ینطق عن الھویٰ○ ان ھو الّا وحی یّوحیٰ" (النجم ۳-۴)

ترجمہ : "اور وہ (رسول) اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے سوائے اس بات کے جو
ان پر وحی کی جاتی ہے۔"

ان آیات کی تفسیر میں مفسّرین کرام نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے جو بات بھی نکلتی ہے' وہ سب وحیٔ الٰہی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں یعنی جب معانی اور کلمات (دونوں) اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ ہوں تو اسے وحیٔ جلی یا وحیٔ متلو (جس کی تلاوت کی جاتی ہے) کہتے ہیں۔ جو قرآن حکیم ہے اور جب معانی کا نزول تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے ہو لیکن ان معانی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہو اسے وحیٔ خفی یا وحیٔ غیر متلو (جس کی تلاوت نہیں کی جاتی) کہا جاتا ہے۔ مثلاً" احادیث مبارکہ' اصطلاح شرع میں وحیٔ کا جو مفہوم ہے وہ نبی آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے۔

سلسلہ ختمِ نبوت کا ہوا تجھ پہ شہا ذاتِ اقدس ہے تری خاتمِ احکامِ وحی

(حضرت ستّار وارثی)

البتہ امّت کی رہنمائی کے لئے الہام اولیائے کرام کا سلسلہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر انبیاء کا الہام قطعی نہیں بلکہ ظنّی ہوتا ہے اور یہ معصوم عنِ الخطا نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کی وحی سے جو حکم ثابت ہو اس پر عمل واجب ہوتا ہے اس کے برعکس الہام اولیاء کسی حکم شرعی اور امر و نہی کے صادر و نافذ کرنے کا مجاز نہیں اور نہ امّت کے لئے حجّت و سند ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی ولی کے خواب یا بیداری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہو کر کوئی حکم فرمائیں۔ کیونکہ آپ کی شکل مبارک میں کوئی اور نہیں آسکتا۔

صاحب فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری تحریر فرماتے ہیں "لغت کے لحاظ سے وحی اور الہام میں کچھ فرق نہیں ہے۔ کیونکہ وحی کا اطلاق کتابت' اشارات' الہام' خفیہ کلام' اشارۂ سریعہ' دل میں کسی بات کا ڈالنا سبھی پر آتا ہے لیکن شرع میں وحیٔ نبوّت کے مترادف ہے اور الہام یا اشارہ یا القا جو نبی کو ہوتا ہے' اسی کو وحی کہتے ہیں اور جو الہام یا اشارہ غیر نبی کو ہوتا ہے اس کو الہام کہتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس طرح کسی مافوق الفطرت بات کا ظہور اگر منجانب اللہ تعالیٰ ہو تو وہ کرشمۂ قدرت کہلاتی ہے' کسی نبی کی جانب سے ہو تو معجزہ کہلاتی ہے' کسی ولی کی طرف سے ہو تو کرامت کہلاتی ہے اور کسی ساحر کی جانب سے ہو تو شعبدہ کہلاتی ہے۔ گویا ایک ہی بات کا تسمیہ حفظ مراتب یا محل ظہور کے اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نبی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی بات ڈالی جائے تو اصطلاح شرح میں اسے وحی کہا جاتا ہے اور ایسی کوئی

بات کسی غیر نبی کے دل میں ڈالی جائے تو اسے الہام کہا جاتا ہے۔

الہام کا لفظ قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا البتہ اس کے بعض مشتقات آئے ہیں مثلاً" ارشاد ربّانی ہے "فالھمھا فجورھا و تقوھا" (سورۃ الشمس۔ ۸) یعنی پھر اس (انسان) کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔ اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیک و بد' حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا شعور عطا فرمایا ہے اور وہ اچھی اور بری چیزوں میں پوری طرح امتیاز کر سکتا ہے۔" (تفسیر ضیاء القرآن) چنانچہ اصطلاح شریعت میں یہ لفظ عام ہے۔ اس لئے عام انسانوں کے لئے اس کے استعمال میں قباحت نہیں۔ دورِ جاہلیت سے لے کر دور حاضر تک شعرائے عرب و عجم نے کثرت سے اپنے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ مثلاً" جوش ملیح آبادی صاحب کے ایک شعری مجموعے کا نام "الہام و افکار" ہے۔ جناب اختر ہشیارپوری کے اس نعتیہ شعر میں الہام کا استعمال کتنا خوبصورت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

مجھ کو تو ترا نام بھی الہام ہوا ہے ہر شخص پہ ارزاں یہ سعادت نہیں ہوتی

یا

مجھ جیسے بھی عاصی کو ملا ہے یہ دفینہ الہام سے کچھ کم تو نہیں نعت نبیؐ کی

(اختر ہشیار پوری)

چونکہ لفظ "الہام" میں عمومیت ہے اور "وحی" میں انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے خصوصیت لہٰذا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی جانے والی وحی پر اس کا اطلاق شرعی اعتبار سے درست نہیں جیسا کہ اس شعر میں کہا گیا ہے:

الہام کبھی بن جاتے ہیں قرآن کبھی کہلاتے ہیں
ان لفظوں کی قسمت کیا کہنا جو آپ کے لب تک آتے ہیں

جیسا کہ بیان ہو چکا قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سوا کچھ نہیں فرماتے جو آپؐ پر وحی کیا جاتا ہے۔ لیکن محولہ بالا شعر میں یہ تصور پیش کیا جا رہا ہے کہ آپ کی زبان اقدس سے ادا ہونے والے الفاظ کبھی الہام بن جاتے ہیں اور کبھی قرآن' اگر لغوی اعتبار سے بھی الہام کے معنی وحی لئے جائیں تب بھی یہ سقم موجود رہتا ہے کہ کبھی الہام اور کبھی قرآن (وحی) یہ تصور قطعی طور پر غیر شرعی اور بے بنیاد ہے۔

آپؐ کے لبِ اقدس تک رسائی پانے والے الفاظ کی لطافت کے حوالے سے درج ذیل شعر کتنا حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے۔

کبھی قرآن بن جائے کبھی تفسیر ہو جائے لبِ صادق سے ان کے جو سخن تقریر ہو جائے

(عاصی کرنالی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہونے والے کلام الٰہی کو کبھی الہام اور کبھی قرآن کہنے کے حوالے سے ایک مشہور نعت کا یہ شعر بھی توجہ طلب ہے:

الہام جامہ ہے ترا قرآں عمامہ ہے ترا   منبر ترا عرشِ بریں یا رحمۃ للعلمیں

یعنی اے رحمۃ للعلمیں! الہام آپ کی زینت (جامہ) ہے اور قرآن آپ کا افتخار (عمامہ) ہے۔ اس طرح شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں یہ تصور پیش کیا گیا ہے کہ (نعوذباللہ) صاحب امّ الکتاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن (وحی) کا بھی نزول ہوتا ہے اور القائے ربانی کی اس سے مختلف صورت یعنی الہام کا بھی۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ شاعر محترم نعت کے اعتبار سے آپ پر نازل ہونے والی وحی کو الہام کہنا چاہتے ہیں تو یہ کہنا کافی ہے "الہام جامہ ہے ترا" اب اس سے آگے بڑھ کر "قرآن عمامہ ہے ترا" کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کیونکہ وحیٔ الٰہی کے مجموعے ہی کا نام قرآن ہے۔ شاعر محترم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والے کلام الٰہی کے لئے فرق مراتب کے ساتھ دو مختلف اصطلاحات استعمال کرتے ہوئے الہام کو آپؐ کا لباس اور قرآن (وحیٔ الٰہی) کو آپؐ کے افتخار سے تعبیر کیا ہے۔ یہ تصوّر غیر قرآنی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے قرآن کریم امّ الکتاب ہے اور آپؐ کا صاحب امّ الکتاب ہونا بھی دیگر انبیاء و رسل پر آپ کی فضیلت کی دلیل اور افتخار ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تاکہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔" (الاعراف۔ ۲۶) آپؐ سید المتقین ہونے کے منصب پر فائز ہیں اس لئے آپ کا تقویٰ آپ کی زینت ہے اور آپ کا اسوۂ حسنہ ساری انسانیت کے لئے واجب الاتباع ہے۔ آپ کی حیات پاک کا ہر گوشہ قرآنی تعلیمات کی عملی تفسیر ہے اور آپ کی شخصیت مبارک سراپا قرآن ہے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن   قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

(علامہ اقبال)

نعت نگاروں کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ الہام جیسا لفظ (جو غزل گو شاعروں اور دیگر انسانوں کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے) جو دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کے لئے بھی استعمال کرنا خلاف شریعت ہے تو پھر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والے کلام الٰہی یا پیغامِ الٰہی کے لئے الہام کا لفظ استعمال کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

تلامیذ الرحمٰن

عربی زبان کا مقولہ ہے کہ الشعراء تلامیذ الرحمٰن یعنی شاعر خدا کے شاگرد ہیں۔ اس مقولے میں تخلیق شعر کے عمل کو ایک الہامی کیفیت قرار دیا گیا ہے جو افلاطون کے نظریۂ شعر سے مطابقت رکھتا ہے جس کی رو سے شعر گوئی اکتسابی فن نہیں بلکہ مقدس دیویوں کا عطیہ ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ بعض انسانوں پر مسلّط جنّات (جن میں ملکۂ شعری موجود ہوتا ہے) ان کے دل میں شعر القا کرتے ہیں جسے الہام سے تعبیر کرتے ہوئے اس قسم کے تصوّرات عام ہو گئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تخلیق شعر کا الہام سے تعلق ضرور ہے۔

اسلامی شریعت کے اصطلاحی معنی میں الہام اور وحی کے درمیان معنوی فرق سے بے خبر رہتے ہوئے دور حاضر کے ایک شاعر نے اپنے نذرانۂ نعت میں جو مقطع کہا ہے ملاحظہ فرمایئے:

الہامی باتیں کرتے ہیں شاعر بھی پیغمبر بھی   لقب انہیں (تخلّص) ہے زیبا تلمیذ رحمانی کا

اس شعر میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر نازل ہونے والی وحی (جس پر ایمان لانا ضروری ہے) اور شاعروں کے الہام کو (جو اپنی اعلیٰ ترین صورت میں بھی ظنّی ہوتا ہے اور بعض اوقات القائے شیطانی بھی ہوتا ہے) الہامی باتیں قرار دیکر وحی کی حقّانیت کو مجروح کیا گیا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے دوش بدوش شاعروں کو تلمیذ الرحمٰن ہونے کا سزاوار قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اس باطل نظریہ کی بیخ کنی کی ہے۔ (دیکھئے سورۃ الشعراء' آیت ۲۱ تا ۲۴) اسی طرح قرآنی آیات میں فن شاعری کو انبیاء علیہم السلام کی شان کے منافی قرار دیا گیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی جانب وارد کی جانے والی وحیٔ الٰہی پر گزشتہ سطور میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی جا چکی ہے۔ لہٰذا یہاں شاعروں کے الہام کی حقیقت مختصر بیان کی جاتی ہے تاکہ نعت گو شعرائے کرام وحی اور الہام کے حوالے سے شعر کہتے ہوئے حقیقت پر مبنی مضامین بیان کر سکیں۔ اولیائے کرام کے الہام پر بھی گزشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی ہے اور قرآن کریم سے اس کی سند ملتی ہے۔ اس کے برخلاف شاعروں کے الہام کی حقیقت یہ ہے کہ اس مؤکل جن کو جو انسانوں کے قلوب پر اشعار القا کرتا ہے ہاجس (ملہم) کہا جاتا ہے جس کے بارے میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "جنّات بنی شیصبان میں سے میرا ایک رفیق ہے۔ سو کبھی میں شعر کہتا ہوں اور کبھی وہ۔" (حاشیہ فارقلیط۔ عبدالعزیز خالد)

اس اجمال کی تفصیل کو جریر بن عبداللہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ زمانۂ جاہلیت میں' میں سفر میں تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اسے پانی پلانے ایک تالاب پر لے گیا۔ جب میں تالاب کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پاس

کچھ آدمی جمع ہیں جو نہایت بدشکل ہیں۔ میں اپنے اونٹ کو پانی پلانے لگا۔ اسی اثنا میں ان کے پاس ایک اور شخص آیا جس کی شکل ان سب سے بُری تھی انہوں نے اسے دیکھ کر کہا کہ یہ شخص شاعر ہے۔ پھر اس سے کہا کہ اے ابو فلاں! اس شخص کو جو اپنے اونٹ کو پانی پلا رہا ہے اپنے کچھ اشعار سنا اس نے ایک قصیدہ پڑھنا شروع کیا جس کا مطلع یہ ہے:

ودع هريرة ان الركب مرتحل وهل تطيق وداعا ايها الرجل

(اے ہریرہ اب ہمیں رخصت کر کیونکہ قافلہ کوچ کرنے والا ہے اور اے شخص تو جو اس سے رخصت ہونا چاہتا ہے تو کیا تو اس سے رخصت ہونے کی طاقت رکھتا ہے۔)

جریر قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بخدا مجھے اس نے اس قصیدہ کی ہر ایک بیت پڑھ کر سنا دی۔ اور اس میں سے ایک بیت بھی کم نہ کی۔ جب میں اول سے آخر تک سارا قصیدہ اس کی زبان سے سن چکا تو میں نے اس سے کہا کہ یہ قصیدہ کس نے کہا ہے؟ اس نے کہا کہ اور کون کہتا میں نے ہی کہا ہے۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو جھوٹا بنے گا تو میں تجھے یہ خبر دیتا کہ یہ قصیدہ ہم کو اعشیٰ قیس بن ثعلبہ پچھلے سال نجران میں سنا چکا ہے۔ اس نے کہا کہ تو بالکل سچ کہتا ہے لیکن اس کی زبان پر میں نے ہی تو اس کو القاء کیا تھا میں اس کا ہاجس مسجل ہوں۔

اعشیٰ کا خود اپنا بیان ہے کہ میں نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ پھر میں اس سے ملنے اور اس کو اپنا قصیدہ سنانے کی غرض سے حضرموت کو روانہ ہوا۔ جب یمن کی سرحد میں پہنچا تو رستہ بھول گیا کیونکہ میں وہ رستہ اس سے پہلے کبھی نہیں چلا تھا۔ اس پر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ بارش ہونے لگی۔ میں نے اِدھر اُدھر اپنی نظر دوڑائی تاکہ کوئی پناہ کی جگہ نظر آئے۔ اسی تلاش میں میری نظر بالوں کے ایک خیمے پر پڑی میں سیدھا اس کی طرف چل دیا۔ جب میں خیمے کے پاس پہنچا تو میں نے اس کے دروازے پر ایک بڈھا بیٹھا دیکھا میں نے اس کو سلام کیا اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور میری اونٹنی کو ایک دوسرے خیمے میں داخل کر دیا جو اس خیمے کے ایک جانب لگا ہوا تھا۔ میں اپنا کجاوہ کھول کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں جانا چاہتا ہے؟ میں نے کہا کہ میں اعشیٰ ہوں اور قیس بن معدیکرب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ خدا تجھے سلامت رکھے تیری نسبت میرا گمان ایسا ہے کہ شاید تو نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں کوئی قصیدہ کہا ہے اور اسے پیش کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ہاں تمہارا گمان صحیح ہے میں نے اس کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ قصیدہ مجھے سنا۔ میں نے اس کو قصیدے کا یہ مطلع سنایا۔

رحلت سمیّۃ غدوۃ اجمالھا غضباً علیک فما تقول بدالھا
(سمیّۃ نے تجھ سے ناراض ہو کر صبح ہی صبح اونٹ کس لیے۔ اے دل اب تیری اس بارے میں کیا رائے ہے بھلا یہ اسے کیا سوجھی؟)

یہ مطلع سن کر اس نے مجھ سے کہا کہ بس کر اور اشعار سنانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ پھر مجھ سے کہا کہ کیا یہ قصیدہ تیرا ہے؟ میں نے کہا' ہاں! اس نے کہا سمیّۃ جس کے نام کے ساتھ تو نے تشبیب کی ہے کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں اسے نہیں جانتا یہ ایک نام ہے جو میرے دل میں القاء کیا گیا تھا اس پر اس نے آواز دی کہ اے سمیّۃ باہر نکل۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پانچ برس کی لڑکی نکلی اور ہمارے سامنے آکھڑی ہوئی اور کہا ابّا جان کیا حکم ہے؟ اس نے کہا کہ اپنے چچا کو میرا وہ قصیدہ سنا جو میں نے قیس بن معدیکرب کی مدح میں کہا ہے۔ اور اس کے اوّل میں' میں نے تیرے نام کے ساتھ تشبیب کی ہے۔ اس نے وہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور اول سے آخر تک سارا سنا دیا اس میں سے ایک حرف کی بھی کمی نہ کی جب وہ سارا قصیدہ سنا چکی تو اس نے اس سے کہا کہ اب چلی جا۔

اس کے چلے جانے کے بعد پھر وہ میری طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ اس قصیدے کے سوا تو نے کبھی اور کوئی قصیدہ کہا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ میرے اور میرے ایک چچا زاد بھائی کے درمیان جس کا نام یزید بن مسہر اور کنیت ابوثابت ہے نخ چخ تھی جیسے اکثر چچازاد بھائیوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ اس پر اس نے میری ہجو کی اور میں نے اس کی ہجو کی لیکن میں اس سے فوقیت لے گیا اور اس پر غالب آیا۔ چنانچہ میں نے اسے بالکل ساکت کردیا۔ اس نے کہا وہ قصیدہ مجھے بھی سنا میں نے اس کو قصیدہ سنانا شروع کیا: اور یہ مطلع پڑھا

ودع ھریرۃ ان الرکب مرتحل وھل تطیق وداعا ایھا الرجل؟

جب میں نے اسے یہ مطلع سنایا تو اس نے کہا کہ بس کر اور کچھ ضرورت نہیں۔ مجھے یہ بتلا کہ یہ ہریرہ کون ہے جس کے نام سے تو نے قصیدہ میں تشبیب کی ہے۔ میں نے کہا میں اسے بھی نہیں جانتا۔ جو سمیّۃ کا حال تھا وہی اس کا حال ہے اس پر اس نے آواز دی کہ اے ہریرہ باہر نکل۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی جس کی عمر پہلی ہی کے قریب تھی نکلی اور ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ بڈّھے نے اس سے کہا کہ اپنے چچا کو میرا وہ قصیدہ سنا جس میں میں نے ابو ثابت یزید بن مسہر کی ہجو کی ہے اور اس میں تیرے نام کے ساتھ تشبیب کی ہے۔ اس نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور اس کو اوّل سے آخر تک سارا سنا دیا۔ اس میں سے ایک حرف بھی کم نہ کیا۔ اس وقت مجھے سخت ندامت ہوئی۔ شرم سے میرا سر نیچے جھک گیا اور مجھ پر لرزہ چڑھ گیا۔ اس نے جب میری

یہ کیفیت دیکھی تو مجھے دلاسا دیا اور کہا کہ اے ابوبصیر! تو گھبرا نہیں۔ اپنا دل قوی رکھ میں تیرا ہاجس مسجل بن اثاثہ ہوں۔ میں ہی تیری زبان پر اشعار القاء کرتا ہوں۔ جب اس نے یہ کہا تو اس وقت میرے دل کو تسکین ہوئی اور اپنے آپے میں آیا۔ اس عرصے میں مینہ بند ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے راستہ بتلایا اور جس طرف میں جانا چاہتا تھا وہ سمت مجھے دکھلا کر کہا کہ داہنے بائیں نہ مڑنا سیدھا چلا جا۔ بلادِ قیس ہی میں جا پہنچے گا۔

(فارقلیط، لوح ۱۳۹۔ عبدالعزیز خالد، بحوالہ کتاب الاغانی)

ان باتوں کی تصدیق کے لئے عربی ادب سے کئی اور مثالیں پیش کی جا سکتی ہے۔ سورت شعرا کی تفسیر میں بیان کیا جاتا ہے کہ بعض کافر جنّات نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں مشرکین مکہ کی مدد کی جس پر اس سورت کی بعض آیات کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اشعار کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا اور بارگاہِ ربّ العزّت میں دعا فرمائی۔ "اے اللہ روح القدس کے ذریعہ اس کی مدد فرما۔" (مسلم شریف)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسان کی زبان پر بعض اشعار حضرت جبریل علیہ السلام کی مدد سے جاری ہوئے۔ مندرجہ بالا سطور سے الہام اولیاء یا القائے ربّانی اور کافر شاعروں کے الہام یا القائے شیطانی کی ضروری حد تک وضاحت ہو جاتی ہے۔ (وحی کی وضاحت پہلے ہی کی جا چکی ہے۔)

امید ہے کہ نعت گو شعرائے کرام میں سے جو حضرات وحی اور الہام کے شرعی فرق سے صرف نظر فرماتے ہیں وہ اس جانب ضرور توجہ دیں گے تاکہ نعتیہ اشعار میں قرآن کریم اور شرعی نصوص کے خلاف مضمون آفرینی کا سدّباب ہو سکے۔

حضورؐ کی سنّت گلّہ بانی

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اور آپؐ نے؟ ارشاد فرمایا کنت ادعاها علی قراریط اهل مکہ یعنی مکہ کے قراریط پر میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔ اس حدیث کی تفہیم میں بعض سیرت نگاروں سے بڑی لغزش ہوئی ہے جس کی بناء پر انہوں نے لکھ دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچپن میں چند قراریط اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ چنانچہ بعض شعرائے کرام نے اپنے نعتیہ اشعار میں اس قسم کے مضامین بیان کئے ہیں مثلاً":

اجرت پہ گلّہ بانی بھی سنّت ہے آپ کی   مزدور اس لئے تو خدا کا حبیب ہے

مکّے میں گلّہ بانی قراریط کے عوض   بچپن میں بار کاندھوں پہ فکر معاش کا

وغیرہ۔ اس قسم کے مضامین خلاف حقیقت ہیں کیونکہ فخر موجودات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ نے امّ ایمن نامی ایک کنیز، پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ ترکہ میں چھوڑا تھا۔ (محمد رسول اللہ۔ تاج کمپنی) اور اہل سیر کا بیان ہے کہ آپؐ نے دس اور بارہ سال کی عمر مبارک کے دوران گلّہ بانی کی ہے۔ لہٰذا دس بارہ سال میں آپ کے والد ماجد کے ترکے کی بکریاں کم از کم دس بارہ گنا ہو چکی ہوں گی۔ کیونکہ ایک تو دس بارہ سال کا عرصہ، مزید یہ کہ بکریاں عموماً" ایک وقت میں کئی بچے جنم دیتی ہیں لہٰذا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے جن بکریوں کی گلّہ بانی فرمائی ہے وہ آپ کی ملکیت تھیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر آپؐ نے اہل مکّہ کی گلّہ بانی کی ہوتی تو زبان دراز مشرکین مکّہ اپنے حماسوں میں اپنے قبائل کی فضیلت کے ساتھ بنی ہاشم اور آپ کو اس کا طعنہ دیتے۔ جبکہ مشرکین مکّہ کے حماسوں اور رجزیہ اشعار میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ لہٰذا اجرت پر اہل مکّہ کی بکریاں چرانے کی بات غلط ثابت ہوتی ہے۔ آئندہ سطور میں اس پر مزید اسناد سے گفتگو کی جائے گی۔

اس بارے میں معروف سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمتہ رقم طراز ہیں "لفظ قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ یعنی سعید بن سوید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اس بناء پر ان کے نزدیک حدیث کے معنی یہ ہیں کہ سید عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجرت پر اہل مکّہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اسی بناء پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ میں نقل کیا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم حربیؒ کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ اور علّامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں بحث تفصیل سے کی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے۔ (سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل)

ابو اسحاق سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وہ بکریاں چرایا کرتے تھے وانا ادعی غنم اھلی باجیاد (اور میں نے بھی اجیاد (مقام) پر اپنے گھر کی بکریاں چرائی ہیں۔) (طبقات ابن سعد)

اکثر محدّثین عظام کی تحقیقی رائے یہ ہے کہ قراریط سے دینار کا بیسواں حصہ مراد لینا غلط

ہے۔ کیونکہ سرزمین عرب میں اس نام کا کوئی سکّہ کبھی رائج نہیں رہا۔ جبکہ مکّہ معظمہ کے نشیبی علاقے موضع اجیاد کے قریب واقع ایک جگہ کو قراریط کہا جاتا تھا۔ جہاں نشیب کی وجہ سے بارش کا پانی جمع رہنے کی وجہ سے خودرو جھاڑیاں اور گھاس اُگ آتی تھی جو مویشیوں کو چرانے کے کام آتی تھی۔ چنانچہ حدیث میں وہی جگہ مراد ہے۔ اور احادیث میں اجیاد اور قراریط کا نام واضح طور پر موجود ہے۔ اس طرح حدیث بخاری کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا کہ اہل مکّہ کی چراگاہ (قراریط) پر میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

علاّمہ بدرالدین عینی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب عمدة القاری میں ایک واضح نکتہ یہ بیان کیا ہے "حدیث پاک میں علیٰ قراریط آیا ہے اور لفظ "علیٰ" اصل وضع کے اعتبار سے استعلاء کے لئے آتا ہے اور استعلاء کا معنی بصورت حقیقت اسی وقت متعین ہو سکتا ہے کہ جب اس سے جگہ مراد لیں۔ اور اگر اس سے سکّہ مراد لیں تو یہ مجازی معنی بن جاتا ہے۔ اور مجازی معنی اس وقت مراد لیتے ہیں جب حقیقت معتذر ہو اور یہاں کوئی تعذر نہیں ہے۔" (سیرت الرّسول۔ ڈاکٹر طاہرالقادری)

دوسری بات یہ کہ طبقات ابن سعد کی نقل کردہ حدیث میں غنم اھلی یعنی اپنے گھر والوں کی بکریاں چرانے کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اس طرح اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرانے کی بات بالکل غلط ثابت ہو جاتی ہے۔

(معاذاللہ) اگر آپؐ نے اجرت پر اہل مکّہ کی شبانی کی ہوتی تو منافقین آپؐ کو مخاطب کر کے راعنا (ہماری رعایت فرمایئے) کو بگاڑ کر "راعینا" (ہمارے گلّہ بان) کہنے کا جواز پیش کرنے کی کوشش کرتے۔ جس کی بیخ کنی کے لئے قرآن کریم میں راعنا کہنے کے بجائے انظرنا (ہماری جانب التفات فرمایئے) کہنے کا حکم نازل ہوا۔ (دیکھئے سورۃ البقرۃ، آیت ۱۰۴)

غار حرا میں خلوت نشینی

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان حضرت عبدالمطلب وہ پہلے شخص تھے جو غارِ حرا میں جا کر عبادت کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ رمضان کے مہینے میں جبلِ حرا پر چڑھتے اور وہاں مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ ان کے دسترخوان سے پرندوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر رہنے والے درندوں تک کو غذا پہنچائی جاتی تھی۔ اسی بناء پر قوم کی طرف سے انہیں منعم الطّیر اور فیاض کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ (محمدؐ رسول اللہ۔ تاج کمپنی)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعثت سے ۷ سال پہلے ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی تھی جس میں کوئی صورت یا آواز نہیں ہوتی تھی۔ بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا

آپؐ کے مزاج مبارک میں علائق دنیا سے کنارہ کشی اور خلوت گزینی کی رغبت بڑھتی جاتی تھی۔ پھر آپ مکّہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع غارِ حرا میں وقفے وقفے سے خلوت نشین ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت فرمانے لگے۔ اسی حالت میں ۱۷ رمضان المبارک ۴۱ میلاد بروز دو شنبہ مطابق ۶/ اگست ۶۱۰ء غارِ حرا میں آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ اس طرح غارِ حرا میں آپؐ نے کل سات برسوں کے دوران وقفے وقفے کے ساتھ خلوت نشینی فرمائی ہے۔ اس حوالے سے ایک شاعر محترم کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے:

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

اس شعر کے مصرعۂ اولیٰ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ چالیس برس تک غاروں میں جلوہ فگن رہے جبکہ حیات طیبہ کے ابتدائی ۴۳ سال کے دوران آپؐ نے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق رہنے کے باوجود انسانی سوسائٹی میں اپنی تمام معاشرتی ذمہ داریاں بحسن و خوبی پوری کیں۔ جس میں گھریلو ذمہ داریاں، کاروباری ذمہ داریاں، تعلقاتِ عامّہ، خاندانی امور اور انسانی فلاح و بہبود کے سارے امور شامل رہے۔ لہٰذا چالیس برس تک "غاروں" میں اجالا کرنے کی بات خلاف حقیقت ہے۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل اشعار میں حقیقت بیانی نظر آتی ہے:

وہ شمع جو کبھی غارِ حرا میں روشن تھی — وہ شمع وسعت کون و مکاں میں روشن ہے
(غنی دہلوی)

اسی کے اجالے ہیں کون و مکاں میں — کرن اک جو پھوٹی تھی غارِ حرا سے

آپ کی غار حرا میں خلوت نشینی کے حوالے سے ایک اور غیر محتاط تلمیح ملاحظہ ہو:

صدیق کو معراج ہوئی غار حرا سے — دیکھے جو کوئی زاویۂ چشم وفا سے

یہاں شاعر محترم سہواً" یا قافیہ پیمائی کرتے ہوئے غار ثور کے بجائے غار حرا بیان فرما گئے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر غار حرا میں کبھی تشریف نہ لائے۔ مکّہ معظمہ سے ہجرت کے موقع پر آپ تین رات تک حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں رہے اور ابتلا و آزمائش کے ان مراحل میں وفا و جاں نثاری کا ایک درخشاں باب رقم کیا۔ اسی پس منظر میں آپ کو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یارِ غار کہا جاتا ہے۔

واقعۂ معراج

واقعۂ معراج انسان کی عظمت اور نیابت الٰہیہ کے حوالے سے تاریخ انسانی کا ایک عظیم الشان اور منفرد واقعہ ہے۔ جس کی تفصیلات قرآن حکیم کی سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ طٰہٰ اور سورۃ

النجم اور ان سورۂ قرآنیہ کی تفاسیر کے علاوہ کتب احادیث و سیر میں صراحت کے ساتھ منقول ہیں۔ اس واقعے کے حوالے سے اردو کی نعتیہ شاعری میں بڑے ثقہ اور اعلیٰ درجے کے اشعار کے ساتھ ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں جن میں اس قرآنی تلمیح کے غیر محتاط استعمال کے شواہد موجود ہیں۔ مثلاً :

رسولِ پاکؐ جو لوٹے خدا کی محفل سے   قدم قدم پہ ہوا معجزہ مدینے میں

معراج میں کس پیار سے فرماتا تھا اللہ   مشتاق ہوں صورت مرے محبوب دکھا دے

نہ جانے کیا دلِ یزداں پہ حادثے گزرے   قبائے نور میں جب آپ آسماں سے چلے

وغیرہ۔ یہ مثالیں تو اپنی جگہ ہیں لیکن یہاں قارئین کرام کی توجہ ایک بزرگ شاعر اور معروف اسکالر کے اس شعر پر مبذول کرانی مقصود ہے جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہو تو یہ واقعہ (سیر افلاک) دوبارہ رونما ہو سکتا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیے :

سیرتِ پیغمبرؐ اعظم پہ عامل ہو اگر   آسماں کو روند سکتا ہے دوبارہ آدمی

اگر مصرع ثانی میں یہ بات کہی جاتی کہ آدمی آسماں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے تو شاید اس کی تاویل کی جا سکتی تھی۔ لیکن "دوبارہ" کہنے سے واقعۂ معراج کی طرف یہ اشارہ یقینی ہو جاتا ہے اور علم دین کا ہر طالب یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ معجزات انبیاءؑ انسانی کسب و ریاضت کا ثمرہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا تعلق مواہب الٰہیہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ معجزات کا سبب اور علّت براہ راست اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور ارادہ ہے اور حکمت ربّانی کے مطابق ان کا ظہور ہوتا ہے۔ واقعۂ معراج سرور دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقامِ قرب، عبدیتِ کاملہ، خلافتِ کبریٰ، شانِ محبوبیت اور عظمتِ رسالت کا اثبات ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے گروہ جنّ و انس اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے دائروں سے باہر نکلنے کی استطاعت ہے تو ان سرحدوں سے باہر نکل جاؤ لیکن تم (میری جانب سے عطا کردہ) قوت کے بغیر (اس دائرے سے) باہر نہیں نکل سکتے۔ (سورۃ الرحمٰن، آیت ۳۳) قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں۔ "بسلطٰن" (قوت) سے مراد "بسلطانی" (یعنی میری قوت) سے ہے۔ یعنی ویسے تو زمین و آسمان کے دائرے کو توڑ کر اس سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔ البتہ میری قوت کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ ان حدبندیوں سے باہر نکل سکتا ہے یعنی جس طرح نبی

پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ ساتوں آسمانوں سے پار تشریف لے گئے۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

اس آیت کریمہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے انسان کو عطا کردہ قوت تسخیر زمین و آسمان کے دائرہ بسیط تک محدود ہے۔ انسان خواہ چاند کو تسخیر کرلے یا نظام شمسی کے دوسرے سیاروں تک خلائی راکٹوں کے ذریعہ رسائی حاصل کرلے لیکن وہ زمین و آسمان کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی اپنی قوت تسخیر کو بروئے کار لا سکتا ہے۔ اس سے باہر نہیں

نقش پا گرچہ ہمارے چاند کے گنبد پہ ہیں ہم زمین و آسماں کے دائرے میں قید ہیں

(رئیس وارثی)

سورۂ رحمان کی محولہ بالا آیت میں ذات باری تعالیٰ نے "الاّبسلطٰن" فرما کر اس قانون قدرت میں استثنیٰ کی گنجائش رکھی تاکہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج جسمانی کا اثبات ہو اور کوئی یہ کہہ کر آپ کی معراج جسمانی کا انکار نہ کرسکے کہ زمین و آسمان کے دائرے سے تو کوئی انسان یا جنّ باہر جا ہی نہیں سکتا۔ واقعی یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب پاک کی سیرت طیبہ پر کاربند ہو کر اگر انسان دوبارہ جسمانی طور پر آسمان کی سیر کر سکتا تو آپؐ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ سے زیادہ آپ کی سیرت اطہر پر اور کون عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو آسمان کی سیر کا اعزاز حاصل نہ ہوا بلکہ واقعۂ معراج کے اسرار کے بارے میں اسی حد تک ان کے علم و فہم کی رسائی رہی جس حد تک آپؐ نے ان اسرار کو خود بیان فرمایا ہو۔ لہٰذا محولہ بالا شعر میں واقعۂ معراج کی تلمیح بے محل اور قانون قدرت کے منافی ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہونے کے حوالے سے یہ شعر حقیقت پسندانہ ہے۔

مل جائے گی مُسلم کو زمانے کی قیادت کردار میں ڈھل جائے اگر عشقِ محمدؐ

(ڈاکٹر خالد عباس)

حضرت ابوبکرؓ صدّیق کی اقتدا میں نماز

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفر ااھ کے دوسرے عشرے میں مرض میں مبتلا ہوئے۔ جب تک آپؐ میں آمدورفت کی قوت رہی آپؐ نمازوں کی امامت فرماتے رہے۔ پردہ فرمانے سے تین روز پیشتر مرض کی شدّت کی وجہ سے آپؐ کے حکم پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نمازوں کی امامت فرمائی۔ مرض کے ان ایام میں (نماز ظہر کے وقت) آپ کی طبیعت مبارک کچھ بہتر

ہوئی تو آپ نے غسل فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ چونکہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ سن کر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے لیکن آپؐ نے اشارے سے ان کو روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ یعنی آپؐ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر دوسرے لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔ (سیرت النبیؐ۔ شبلی نعمانی)

اس واقعے کی تفصیلات سے ناواقفیت کی بناء پر ایک صاحب کا یہ شعر ملاحظہ فرمایئے:

صدّیق کے عقب میں پڑھی آپؐ نے نماز　　رتبہ بڑھایا آپؐ نے اپنے وزیر کا

اس شعر پر کئی احباب سے گفتگو کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ اس دور میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو بے خبری کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور امام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔ ان احباب میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جو مساجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا حقیقت سے آگاہی کے لئے اس واقعہ سے متعلق پوری حدیث شریف ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے :

امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ "جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض شدید ہوگیا تو ارشاد فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کیا نہیں۔ حضورؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا طشت میں پانی رکھو۔ ہم نے تعمیل کی۔ حضورؐ نے غسل فرمایا اور جونہی اٹھنے کا ارادہ فرمایا ضعف آگیا۔ تھوڑی دیر بعد افاقہ ہوا۔ فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کیا نہیں۔ حضورؐ کے منتظر ہیں۔ فرمایا طشت میں میرے لئے پانی رکھو۔ ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ حضورؐ نے غسل فرمایا اور جونہی اٹھنا چاہا فوراً" بیہوشی طاری ہو گئی۔ پھر کچھ دیر کے بعد ہوش آیا۔ فرمایا کیاں لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا ابھی نہیں۔ حضورؐ کے انتظار میں ہیں۔ فرمایا طشت میں میرے لئے پانی رکھو۔ ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ حضورؐ نے غسل فرمایا اور اٹھنے کا ارادہ کیا تو ضعف (غش) آگیا۔ کچھ دیر بعد پھر ہوش آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کیا نہیں۔ حضورؐ کے منتظر ہیں اور واقعی لوگ مسجد میں بھرے ہوئے تھے اور حضورؐ کے انتظار میں تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز پڑھا دیں۔ بالآخر آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو تم نماز پڑھا دو۔ ایک صاحب نے جا کر آپؐ کا پیغام پہنچا دیا۔ حضرت ابوبکرؓ چونکہ رقیق القلب آدمی تھے اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ نماز پڑھا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ بالآخر ان دنوں میں حضرت ابوبکر نماز پڑھاتے رہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو مرض میں کچھ کمی محسوس ہوئی ایک اور دو آدمیوں کے سہارے جن میں ایک حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ظہر کی نماز کے وقت (کاشانۂ اقدس سے) باہر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو حضورؐ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو۔ اور ساتھ والے دونوں اصحاب سے فرمایا کہ مجھے ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھادو۔ حسب حکم انہوں نے آپؐ کو حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دیا۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کرتے رہے اور باقی مقتدی ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کھڑے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسرے صاحب جن کا حضرت عائشہؓ نے نام نہیں لیا وہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم تھے۔"

(صحیح مسلم۔ باب استخلاف امام)

اسی طرح امام بخاری نے باب انّما جعل الامام میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کے پہلو میں بیٹھ کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امامت فرمانے کے واقعے کو "صدّیق کے عقب میں پڑھی آپ نے نماز" کہہ کر شاعر محترم سے بڑی لغزش ہوئی ہے۔ اردو نعت میں تلمیحات کے غیر محتاط اور غیر ذمّہ دارانہ استعمال کی یہ ایک بڑی مثال ہے۔

حضرت عمرؓ کے لئے قبول اسلام کی دعا

حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوجہل اور حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں سے کسی ایک کے لئے قبول اسلام کی دعا فرمانا تاریخ اسلام کا ایک مشہور و معروف واقعہ ہے۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی دشمنی میں قریش کے بااثر افراد میں عمر بن ہشام (ابوجہل) اور عمرؓ بن خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ چنانچہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ کبریائی میں دعا فرمائی۔ اللّٰھم اعزّالاسلام باحد الرجلین اما ابن ھشام و اما عمر بن الخطاب یعنی بار الٰہا! تو اسلام کو ابن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کے ذریعہ عزت عطا فرما۔ (ترمذی شریف۔ ابواب المناقب) اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب عمرؓ تھے۔ امام ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس واقعے کی حقیقت کو مجروح کر کے کس طرح شعری قالب میں ڈھالا گیا ہے ملاحظہ

فرمایئے:

بحالِ کفر تھا وہ مرتبہ فاروق اعظمؓ کا | تمنّا بن کے جو آیا رسولِ پاک کے لب پر

قرآن حکیم میں یہ بات واضح طور پر بتائی گئی ہے کہ اللہ تبارک و تعالٰی کے انبیاء و رسل کو ایذا دینے کی پاداش میں اُمم سابقہ کے کافروں پر عذاب الٰہی نازل ہوتا رہا ہے اور قرآن مجید سمیت تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے "بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کو ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور اللہ نے ان کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (الاحزاب۔ ۵۸)

اگرچہ محبوب کردگار صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا رسانی کے حوالے سے عمر بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن خطاب ایک ہی مقام پر تھے لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مستجاب حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی جس کے زیر اثر حضرت عمر بن خطاب کفر کی ظلمت سے نکل کر ایمان کے اجالوں میں آگئے اور دامنِ رسالتؐ سے وابستہ ہو کر فاروق کے لقب سے نوازے گئے۔ غزوۂ بدر میں شریک ہونے کے حوالے سے ان لوگوں میں شمار کئے گئے جن کے گذشتہ اور آئندہ گناہ اللہ تعالٰی نے معاف فرما دیئے ہیں۔ وہ جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفۂ ثانی اور امیرالمومنین کے منصب پر فائز ہوئے اور ابوجہل غزوہ بدر میں قتل ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالٰی کی لعنت اور ذلّت کے عذاب کا مستحق ٹھہرا۔

اس حوالے سے بھارت کے معروف شاعر جناب بیکل اُتساہی کا یہ شعر حقیقت کا ترجمان ہے:

ان کی نظر پڑی تو مقدّر بدل گیا | پوچھو عمرؓ سے رحمتِ عالم کی وسعتیں

پسینہ مبارک کی نکہت

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر کو استراحت فرماتے تھے۔ آپؐ کے لئے وہ چمڑے کا بستر کرتیں اور آپؐ اس پر قیلولہ فرماتے۔ آپؐ کو پسینہ بہت زیادہ آتا تھا۔ آپؐ کے پسینہ مبارک کو وہ جمع کرتیں اور اپنے عطر میں ملا لیتیں۔ ایک روز نور مجسّم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پسینہ مبارک جمع کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کرتی ہو اُمّ سلیم! انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آپ کا پسینہ ہے ہم اس پسینہ مبارک کو اپنی خوشبو میں ملا لیتے ہیں اور آپؐ کا پسنہ بہترین خوشبو ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اُمّ سلیمؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اس پسینہ مبارک کو اپنے بچوں کے لئے باعث برکت خیال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور اچھا کیا۔

(مشکواۃ شریف)

اس موضوع پر اور بہت سی روایتیں کتب حدیث و شمائل میں موجود ہیں۔ جن سے استفادہ کی کوشش میں ایک شاعر محترم فرماتے ہیں۔

اہل دل نے کشید کی ہیں (تخلص) نکہتیں آپؐ کے پسینے سے

لیکن اس شعر میں آپؐ کے پسینہ مبارک سے نکہتیں کشید کرنے کا بیان خلاف حقیقت اور غیر مؤدّب ہے۔ کشید کے معنی کھینچنا اور عرق نکالنا آتے ہیں۔ جس سے آپؐ کے جسم اقدس کے پسینے کی بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے۔ کیونکہ اصل چیز تو آپ کا پسینہ مبارک ہے۔ خوشبو ایک اضافی بات ہے۔ اگر پسینہ مبارک سے خوشبو جدا کی جائے تو یہ عرق مبارک کی بے ادبی ہے اور کشید کرنے کی بات زیادہ خلاف ادب ہے۔

پسینہ مبارک کی لطافت ان اشعار میں پورے سلیقے سے بیان کی گئی ہے:

قرباں نہ ہوں کیوں گلشن جنّت کی بہاریں ہے مشک سے بہتر مرے آقاؐ کا پسینہ
(حضرت ستّار وارثی)

آپ کی لطافت کے رازداں صحابہؓ تھے عطر جو بناتے تھے آپؐ کے پسینے سے
(لاشیءِ)

فیض نقش پا

اللہ تعالیٰ نے حضرت بلیابن ملکان علیہ السلام کے قدم مبارک کی یہ برکت ظاہر فرمائی تھی کہ وہ جہاں تشریف لے جاتے تھے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ اس لئے آپ کا لقب خضر ہو گیا اور وہ اسی لقب (خضر علیہ السلام) سے مشہور ہیں۔ (ضیاء القرآن) جب بنی اسرائیل کے ایک ولی یا نبی کے فیض نقش قدم کی یہ برکات ہیں تو اس ذات اقدس کے فیض نقش پا کی برکات کیا ہوں گی جسے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل کے کمالات کا جامع بنایا ہے۔ کتب خصائص و شمائل میں ان برکات کا تذکرہ قدرے صراحت کے ساتھ ملتا ہے۔ لہٰذا آپؐ کے نقش قدم کی برکات سے خواص تو کیا عوام بھی کسی حد تک واقف ہیں۔ البتہ ان برکات کے بیان میں محض قیاس آرائی یا تصوّرات کی بنیاد پر مضمون آفرینی واقعیت اور ثقاہت کو مجروح کرتی ہے۔ مثلاً" یہ شعر ملاحظہ فرمائیے:

ہیں فیضیاب نقش کف پائے مصطفیؐ ورنہ تھی آب و تاب کہاں مہر و ماہ میں

حقیقت یہ ہے کہ اول تو آفتاب و ماہتاب حضور اکرم صلّی اللہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک کا بوسہ لینے کی سعادت سے بہرہ مند نہیں۔ دوسری بات یہ کہ نقش کف پا کا تصور اس عالم رنگ و بو میں

آپؐ کے جلوہ افروز ہونے کے بعد قائم ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس جلوہ سرائے عالم کی تزئین و آرائش کی تکمیل، باعث تخلیق کائنات، صدر نشیں محفل امکان صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہونا آپ کی عظمت شان کا تقاضا تھی۔ لہٰذا تخلیق آدمؑ سے پہلے تمام ثوابت و سیّار اپنی موجودہ ہیئت پر آراستہ ہو چکے تھے اور چاند میں وہی چمک تھی جو آج ہے اور سورج بھی اسی طرح منبع روشنی و حرارت تھا۔

جہاں تک مہر و ماہ کی آب و تاب کا تعلق ہے تو اس کی اصل نور محمّدی (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان کا تخلیق ہونا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ واقف اسرار کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے جابر! بیشک اللہ تعالیٰ نے جملہ اشیاء سے پہلے اپنے نور سے تمہارے نبیؐ کے نور کو پیدا کیا...... اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ کوئی فرشتہ تھا اور نہ کوئی آسمان، نہ کوئی زمین تھی اور نہ کوئی سورج تھا اور نہ چاند، نہ کوئی جن تھا اور نہ کوئی انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور (نور محمّدیؐ) کو چار اجزاء میں تقسیم کیا۔ اس نور کے پہلے جز سے قلم پیدا کیا اور دوسرے جز سے لوح پیدا کی۔ اور اس کے تیسرے حصّے سے عرش پیدا کیا۔ پھر چوتھے حصّے کو چار حصّوں میں تقسیم کیا اوّل جز سے حاملان عرش پیدا کئے (وہ آٹھ فرشتے ہیں) اور دوسرے جز سے کرسی پیدا کی۔ تیسرے جز سے کل ملائکہ پیدا کئے۔ پھر چوتھے حصّے کو چار اجزاء میں تقسیم کیا۔ پہلے جز سے سات آسمان پیدا کئے اور دوسرے جز سے سات زمینیں پیدا کیں۔ تیسرے جز سے جنت اور دوزخ کو تخلیق کیا۔ پھر چوتھے جز کو مزید چار حصّوں میں تقسیم کیا...... (مواہب لدنیہ۔ قسطلانی)۔ اس حدیث شریف کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ان تمام حقائق کا تعلق نور محمّدیؐ سے ہے۔ آپؐ کے ظہور پاک سے نہیں اور وہ جو مسلم شریف اور ترمذی میں آیا ہے اوّل ما خلق اللّٰہ العقل یا اول ماخلق القلم وغیرہ تو اس کی اصل نور محمّدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مراحل تقسیم کے اعتبار سے اولیت ہے۔ واللہ اعلم

محولہ بالا حدیث پاک کی روشنی میں علامہ اقبال نے نور محمّدیؐ کی قدامت اور اصل موجودات ہونے کا بیان کس جامعیت اور کمال بلاغت کے ساتھ فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے :

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینہ رنگ ترے محیط میں حباب

آپؐ کے فیض نقش پائے مبارک کے حوالے سے آپ کے ظہور قدسی اور واقعۂ معراج کے پس منظر میں یہ شعر خوبصورت کنایہ کا مظہر ہے :

اللہ اللہ آب و تاب نقش پائے مصطفیٰ ہے بہ ہر منزل چراغاں' کیا زمیں کیا آسماں
(قمر وارثی)

شکم اقدس پر پتھّر باندھنا

اردو نعت میں بعض شعرائے کرام نے فقر و فاقہ کی وجہ سے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شکم اقدس پر پتھر باندھنے کے واقعے کو جس مبالغہ آمیز انداز میں پیش کیا ہے اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ آپؐ ہمیشہ بڑے مفلوک الحال اور نادار رہے۔ مثلاً" یہ شعر دیکھئے:

سیر ہو کر نہ کبھی آپ نے کھانا کھایا شکم پاک سے اک دن بھی نہ پتھر نکلا

تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ کے اجداد کرام نے مثالی ناز و نعم کے ساتھ آپ کی پرورش فرمائی۔ دس سال کی عمر میں آپ نے انبیائے سابقین کی سنّت گلّہ بانی پوری کی (سیرت النبیؐ) یہ بکریاں آپ کی ملکیت تھیں جو والد محترم سے آپ کو ترکہ میں ملی تھیں۔ ۱۲ سال کی عمر مبارک میں آپ نے حضرت ابو طالب کے ساتھ شام کا تجارتی سفر کیا۔ اس کے بعد آپ نے ان کے ساتھ شام' عراق اور یمن کے متعدد تجارتی سفر کئے اور آپ کے حسن معاملہ کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ ۲۵ سال کی عمر مبارک میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ (سلام اللہ علیہا) کا تجارتی سامان لیکر ملک شام گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکت عطا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے آپ کی شادی ہوئی۔ وہ اس قدر دولت مند تھیں کہ مکّے کے تمام تاجروں کا مال ان کے مال جتنا ہوتا تھا (تاریخ مکّہ' محمد عبدالمعبود) شادی کے بعد انہوں نے اپنا تمام مال آپ کے قدموں میں پیش کر دیا کہ جس طرح چاہیں اس میں تصرّف فرمائیں۔ آغاز نبوت تک آپ تجارت سے وابستہ رہے۔ اعلان نبوّت کے بعد آپ کو تبلیغی مشکلات پیش آئیں' معاشی نہیں۔ نبوّت کے ساتویں سال اہل مکّہ کے مقاطعہ کے نتیجے میں آپ شعب ابی طالب میں تین سال تک رہے۔ مقاطعے کے آخری دنوں میں فقر و فاقہ کی نوبت آئی لیکن اہل مکّہ میں پیٹ پر پتھر باندھنے کا رواج نہ تھا۔ اس لئے اس مرحلے پر بھی آپ نے پیٹ پر پتھر نہیں باندھا۔ اور پوری مدنی زندگی میں صرف غزوۂ احزاب کے دنوں میں شکم اقدس پر پتھر باندھنے کے واقعات ملتے ہیں جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ خندق کے دن آپؐ کے شکم اقدس پر فاقہ کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا (بخاری) (اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ شدّت بھوک کے وقت جب عاجز ہو جاتے تھے تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے تاکہ اس سختی کی وجہ سے چلنے پھرنے میں ضعف میں کمی رہے۔) (شمائل ترمذی)۔ اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھوک کی شدّت کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے

دکھائے کہ ہر شخص کے پیٹ پر شدّت بھوک کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضورؐ نے اپنے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھائے کیونکہ آپؐ کو شدّت بھوک ہم سے زیادہ تھی۔ اور ہم سے زیادہ وقت بغیر کھائے گزر چکا تھا۔ (شمائل ترمذی)۔ یہ تمام احادیث غزوۂ احزاب کے دنوں کی ہیں۔

ان احادیث سے قطع نظر آپ کے فقر کا یہ عالم تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی آپ کے اہلبیت وہ ہیں کہ ایک ایک ماہ تک ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی صرف کھجوروں اور پانی پر گزارا ہوتا تھا۔ (شمائل ترمذی)

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا "شکم پاک سے اک دن بھی نہ پتھر نکلا" خلاف واقعہ ہے اور آپ کی حیات پاک کے واقعات کو مسخ کر کے بیان کرنے کے مترادف ہے۔

بلدالامین میں آپ کا دور ابتلاء

اعلان نبوّت کے بعد فخر موجودات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشرکین مکّہ کے ظلم و ستم کے پس منظر میں ایک معروف اور کہنہ مشق شاعر محترم فرماتے ہیں:

وہ آج شہر سکوں ہے جہاں پہ آقاؐ نے　　کبھی سکون کا ایک لمحہ بھی گزارا نہ ہو

اس شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں "وہ آج شہر سکوں ہے" کہنے سے مکّہ مکرمہ کے بارے میں یہ تاثّر پیدا ہوتا ہے کہ پہلے یہ شہر سکوں نہیں تھا۔ اس شہر کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ڈالی۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ ربّ العزّت میں دعا فرمائی کہ "اے میرے رب! اس کو امن والا شہر بنا دے" (سورۃ البقرہ۔ ۱۲۶) سورۃ التّین کی تیسری آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں "اس دعا کی برکت تھی کہ عرب میں ہر طرف پھیلی ہوئی بدامنی کے درمیان صرف یہی ایک شہر ڈھائی ہزار سال سے امن کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ (تفہیم القرآن)۔ مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورۃ التّین کی ابتدائی آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے "بلدالامین" (شہراماں) کہہ کر اس مبارک شہر کی قسم کھائی ہے۔ لہٰذا محولہ بالا شعر کے پہلے مصرعے میں شہر سکوں (بلدالامین) کی تلمیح خلاف حقیقت نظر آتی ہے۔

دوسری بات کہ مذکورہ شعر کے دوسرے مصرعے میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ معظمہ میں سکون کا ایک لمحہ بھی نہیں گزارا۔ یہ تاثر بھی اس تاریخی حقیقت کے منافی ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد سے اعلان نبوّت تک (تقریباً ۴۲ سال سے زائد عرصہ تک) اہل مکّہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا چین رہے۔ آپؐ کی پُرکشش شخصیت اور ستودہ عظمتوں کی بناء پر بچپن ہی سے آپ اہل مکّہ کی

نظروں میں محبوب تھے اور آپ کو تمام ہم عصروں میں برتر و ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ اہل مکہ آپ کو انتہائی عزت و احترام سے ابن عبدالمطلب (سردار مکہ کا فرزند)' اور صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے اور اپنے متنازع امور طے کرانے کے لئے آپ کو ثالث (منصف) بناتے تھے۔ البتہ اعلان نبوّت کے بعد گیارہ بارہ سال پر محیط مکی دور میں آپ کو بتدریج آلام و مصائب کا سامنا رہا۔ پھر فتح مکہ کے بعد آپ عدل و احسان کے باعث اہل مکہ کی جان و مال کے ساتھ ان کے دلوں پر بھی حکمرانی فرمانے لگے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا خلاف واقعہ ہے کہ آپ نے شہر امن و سکون (مکہ مکرمہ) میں حیات طیّبہ کا ایک لمحہ بھی سکون کے ساتھ نہیں فرمایا۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشرکین مکہ کے ظلم و ستم اور آپ کے روز ابتلا کے حوالے سے یہ شعر حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے:

جس کی ثنا رقم ہے خدا کے کلام میں   مامون رہ سکا نہ وہ شہر حرام میں

(ڈاکٹر سعید وارثی)

سفرنامہ حج "می رقصم" سے ماخوذ

نبوّت خاص ۔ نبوت عام

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ علم ہوتا ہے کہ نبیٔ انام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے وہ مخصوص قوموں' مخصوص علاقوں اور مخصوص مدّت کے لئے منبع رشد و ہدایت بنکر دنیا میں تشریف لائے تھے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے "بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا" (آیت ۵۹) "اور قوم عاد کی طرف بھیجا ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو" (آیت ۶۵) "اور قوم ثمود کی طرف بھیجا ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو" (آیت ۷۳)' "اور (اہل) مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو" (آیت ۸۵)۔ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں قرآن حکیم بتاتا ہے کہ وہ کسی مخصوص قوم یا زمانے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ لیکن رسولِ انام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فرمایا گیا "(اے رسول) آپ فرما دیجئے کہ اے بنی نوع انسان! میں تم سب کی جانب اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" (الاعراف ۱۵۸) سورۃ الفرقان کی پہلی آیت میں فرمایا گیا "بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل کی فیصلہ کی کتاب اپنے بندے پر تاکہ وہ تمام جہان والوں کو (اعمال بد کے عواقب سے) ڈرائے"۔ اور سورۃ السبا میں ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور (برے اعمال

کے عواقب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ (آیت ۲۸)۔

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "ہر نبی اپنی خاص قوم کی جانب مبعوث کیا گیا اور میں ہر سرخ و سفید کی جانب مبعوث کیا گیا ہوں (مسلم شریف۔ کتاب المساجد)۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا "وارسلت الی الخلق کافۃ" یعنی میں کُل مخلوق کی جانب (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہوں۔ (ترمذی شریف۔ باب السیر)۔ یہاں کُل مخلوق کے الفاظ میں ازل سے ابد تک کی مخلوق شامل ہے۔ اس میں کسی زمانے، کسی مقام، کسی نوع یا کسی قوم کی تخصیص نہیں بلکہ آپ کی نبوّت سب کو عام ہے۔

قرآن و حدیث کے ان نصوص کی روشنی میں یہ شعر ملاحظہ فرمائیے:

نبوّت ہے خاص اور رحمت ہے عام
تری دلنوازی کی کیا بات ہے

محولہ بالا شعر کے مصرعۂ ثانی میں حضور سیدالانام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کو خاص کہنا محل نظر ہے۔ کیونکہ جس طرح آپ رحمۃ للعالمین ہیں اسی طرح تمام عالمین کے لئے بشیر و نذیر بھی ہیں۔ "للعٰلمین نذیرا" کی تشریح فرماتے ہوئے مفتی احمد یار خاں نعیمی صاحب لکھتے ہیں...... یہاں حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت عامّہ کا ذکر ہے...... آپ نذیر للعٰلمین یعنی تمام مخلوقات کے رسول ہیں۔ اس (لفظ) "عالمین" میں ملائکہ، جنّ، انسان، حیوانات اور نباتات غرضیکہ عرشی و فرشی سب ہی داخل ہیں۔

(شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن)

اسی کتاب میں ایک مقام پر مفتی صاحب کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے سب ہی ہیں مسلمان بھی اور کافر بھی۔ مسلمان تو اطاعت گزار بندے ہیں اور کافر نافرمان بندے۔ مگر بندگی سے کوئی علیحدہ نہیں۔ اسی طرح چاہے کوئی آپ کی رسالت کا اقرار کرے یا نہ کرے، آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کل موجودات کے نبی ہیں اور آپ کی اطاعت سب پر فرض ہے۔

مواہب لدنیہ میں امام قسطلانی تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت آدم علیہ السلام کی ابوّت (باپ ہونا) اور حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت سب کو عام ہے" آپ کی سیرت طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے لئے مکارم اخلاق کا ابدی اور دائمی معیار بنایا ہے اور آپ کا اسوۂ حسنہ کسی مخصوص قوم یا زمانے کے لئے نہیں بلکہ تاابد پوری انسانیت کے لئے نمونۂ کمال ہے اور واجب الاتباع ہے۔

جناب افضل الرّسل صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت و رسالت کی آفاقیت، وسعت، عمومیت اور دائمیت کے حوالے سے یہ شعر کس قدر جامع اور فصیح نظر آتا ہے:

کب ترا عہدِ نبوت کف ایام میں ہے　　ازل آغاز میں ہے اور ابد انجام میں ہے
(پروفیسر عاصی کرنالی)

اور آپ کی رحمت للعالمینی کے حوالے سے یہ شعر بھی لائق تحسین ہے:

بجز ان کے رحمت ہر زماں کوئی اور ہو تو بتایئے
نہیں ان سے پہلے کوئی نہ تھا' نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
(حنیف اسعدی)

سابقہ انبیائے کرام کے صحائف

قرآن کریم کی متعدد آیات میں انبیائے سابقین پر نازل ہونے والے صحائف کا ذکر ان کی مدح و توصیف کے ساتھ فرمایا ہے اور قرآن کریم کو ان مقدس کتب سماویہ کا مصدق (تصدیق کرنے والا) بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "(اے رسول) ہم نے آپ پر یہ کتاب (قرآن کریم) حق کے ساتھ نازل کی ہے' جو تصدیق کرتی ہے گذشتہ کتب سماویہ کی۔" (آل عمران۔ ۳)۔ اسی طرح سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اور (اے رسولؐ) ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) نازل کی ہے سچائی کے ساتھ۔ جو تصدیق کرنے والی ہے اس سے پہلے نازل ہونے والی کتاب کی اور یہ (قرآن) اس پر مہیمن (محافظ) ہے۔" (آیت ۴۸)

قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کے برعکس بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم گذشتہ تمام کتب سماویہ کا ناسخ ہے۔ جیسا کہ ایک بڑے وسیع المطالعہ صف اول کے نعت گو شاعر فرماتے ہیں:

رسولان پیشیں کے سارے صحیفے　کلام مبیں　مسترد کر چکا ہے

یہاں آسمانی صحیفوں کے مسترد کیے جانے کی بات بے محل ہے۔ کیونکہ ہر آسمانی صحیفہ کلام الٰہی ہے۔ اس نسبت سے تمام انبیاء علیہم السلام پر نازل کی جانے والی کتابوں پر ایمان لانا بھی شرط ایمان ہے۔ اور جس طرح حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کے کمالات کا مجموعہ ہے اسی طرح آپ کو عطا کی جانے والی کتاب (قرآن حکیم) بھی تمام سابقہ کتب سماویہ کی تعلیمات اور حقائق و معارف کا جامع ہے اور انہیں معنی میں قرآن کریم تمام کتب سماویہ کا مصدق اور امین ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ قرآن حکیم خود کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی کی ہی توثیق و تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا سابقہ کتب سماویہ میں یہود و نصاریٰ وغیرہ نے جو تحریف کی ہے وہ قرآن کی تصدیق کا مصداق نہیں بلکہ سورۃ البقرہ کی آیت ۷۵ اور ۷۹ وغیرہ میں اس تحریف کے ذکر کے ساتھ اس پر وعید بھی آئی ہے۔

سورۃ البقرہ آیت ۴۱ کی تفسیر میں مولانا محمود الحسن صاحب فرماتے ہیں "جاننا چاہئے احکام قرآنی دوبارہ اعتقادات اور اخبار انبیاء و احوال آخرت و امر و نواہی توریت وغیرہ کتب سابقہ کے موافق ہیں۔ ہاں بعض اوامر و نواہی میں نسخ بھی کیا گیا ہے مگر وہ تصدیق کی مخالفت نہیں۔ تصدیق کی مخالفت تکذیب ہے اور تکذیب کسی کتاب الٰہی کی ہو بالکل کفر ہے۔" (حاشیہ ترجمہ قرآن)

لہذا یہ بات اسلامی عقائد کے منافی ہے کہ قرآن مبین رسولان پیشیں کے سارے صحائف کو مسترد کر چکا ہے۔

لیلائے حجاز

لیلیٰ و مجنوں عشقیہ داستانوں کا مشہور کردار ہیں۔ عربی، فارسی، اردو اور دیگر مشرقی زبانوں کی نظم و نثر میں یہ تلمیح کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ لیلیٰ کا رنگ چونکہ کالا یا سانولا تھا اس لئے رات کی سیاہی سے تشبیہ اس کی وجہ تسمیہ ہے۔ اردو شاعری میں اضافت تشبیہی کے ساتھ لیلائے شب یا لیلائے ظلمت جیسی اور کئی تراکیب مستعمل ہیں۔ اسی طرح لیلا کی محبوبیت کی مناسبت سے ایک مشہور اردو نعت کا مطلع ملاحظہ فرمائیے:

کس نے پھر چھیڑ دیا قصۂ لیلائے حجاز   دل کے پردوں میں مچلتی ہے تمنائے حجاز

الفاظ کی بندش اور حسن بیان کے لحاظ سے اسے ایک خوبصورت شعر تو کہا جا سکتا ہے لیکن مظہر جمالِ کبریا ذاتِ محبوب کردگار صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حجاز کی اضافت کے ساتھ لیلیٰ کا استعارہ نعت کے تقدس کے نہ صرف منافی ہے بلکہ اس میں سوء ادب کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ علم بیان کا اصطلاح میں استعارہ اس لفظ کو کہا جاتا ہے جو مجازی معنی میں استعمال کیا جائے اور اس کے حقیقی اور مجازی معنی میں تشبیہہ کا تعلق ہو۔

استعاروں میں رمز و کنایہ کی جو وسیع گنجائش ہوتی ہے علم بیان میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں۔ قرآن کریم میں سیکڑوں بلیغ استعارے موجود ہیں اور اسمائے رسولؐ میں بدرالدجیٰ، مصباح اور سراجاً منیرًا جیسے خوبصورت استعارے مستعمل ہیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ توصیف محبوب کردگار صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نعت گو شعرائے کرام اپنی مومنانہ فراست سے اس بات کا یقین حاصل کرلیں کہ خدانخواستہ اس استعارے میں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسرشان کا تو کوئی پہلو مضمر نہیں۔ جیسے حضرت کعب بن زہیرؓ کا معروف قصیدہ (بانت سُعاد) سماعت فرماتے ہوئے رسل اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سیوف الہند" (ہند کی تلوار) کا لفظ "سیوف اللہ" سے تبدیل فرمانے کا حکم دیا کیونکہ سیوف الہند کا لفظ آپ کی عظمت شان کی منافی تھا۔ اس طرح استعاروں کے استعمال کے ساتھ نعت نگاری میں محتاط روش اختیار کرنے

کا درس ملتا ہے۔

تلمیحات کی تشریح چونکہ تفصیل طلب بات ہوتی ہے لہٰذا یہ مقالہ قدرے طویل ہو گیا ہے۔ اردو نعت میں تلمیحات کے غیر محتاط استعمال کی مزید سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ طوالت کے خوف سے چند ہی مثالیں بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ نعتیہ ادب کے قارئین کرام کو اس جانب متوجہ کیا جا سکے اور آئندہ تلمیحات استعمال کرتے ہوئے نعت گو شعرائے کرام ذمہ دارانہ رویّہ اختیار فرمائیں اور نعت گوئی خصوصاً" تلمیحات کے استعمال کے لئے وسعت مطالعہ کی ضرورت و اہمیت کو محسوس فرمائیں۔ اگرچہ اس مقالے پر اعتراضات کا بھی احتمال ہے۔ لیکن اس بندۂ ناتواں نے اللہ تبارک و تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہوئے پوری حق گوئی اور خلوص نیت کے ساتھ حقائق کا جُرات مندانہ اظہار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سب کا حامی و ناصر ہے۔ وکفیٰ باللہ وکیلا۔

آپ بھی توجہ فرمائیے

مجھے آئی تری توصیف تلمیذ خدا ہو کر
سکھایا آپ استاد ازل نے ڈھب خوشامد کا

وہ ایک ذات دو عالم میں خسروی جس کی
خود اپنے پاس مگر جس کے بوریا بھی نہیں

طائرِ گنبدِ خضریٰ کے پروں میں آ کر
اپنی قسمت بھی اندھیروں میں اجالی جائے

ادھر کفر کے تیغ و تیر و تفنگ
ادھر چل گیا بس تبسّم سے کام

کبھی وحی کے جو انوار سے چمکتے تھے
سلام نوع بشر کا ہو ان مناروں پر

عرش سے صاحب معراج اسے لائے تھے
آپ کا تحفۂ رحمت ہے ریاض الجنّۃ

خاک پہ سویا ہوا پیٹ پہ پتھر باندھے
سیر کرتا ہے سر عرش معلّی دیکھو

اثاثہ بوریا اور کالی کملی
مگر رتبہ شہ ارض و سما ہے

مجھے قسم ہے تری سیرت منزّہ کی
کہ تاج و تخت پہ اک طنز تھی چٹائی تری

میں بھی حسان بنوں نعت پیمبرؐ لکھوں
مجھ کو حاصل جو قبائے شہِ بطحا ہو جائے

اگر بوجہل بہر امتحاں آئے تو آنے دو
رسول اللہ ان باتوں سے گھبرایا نہیں کرتے

دھوپ میں ڈھوئے تھے پتھر اس لئے سرکار نے
حشر کے دن رحمتوں کا سائباں درکار تھا

ہر ایک نبی نے تو سہے ناز خدا کے
خالق نے اٹھائے ہیں مگر ناز محمدؐ

کس شان کا ہو احمد مرسل کا قصیدہ
(تخلّص) یہ اللہ کے دیوان سے پوچھو

جسے خدا نے لکھا ہے بڑی محبت سے
قرآن پاک تری ذات پر مقالہ ہے

کتاب حق تو انہیں مشرکین کہتی ہے
جو اور شغل میں مشغول ہوں بجائے نماز

آدمی کو لباسِ تمدّن دیا
اس نے بابِ جہالت میں تحریف کی

توصیف بیاں کیجئے کیا کج حرا کی
افلاک سے اتری ہیں آوازِ خدا کی

ہے عجز میں بھی بلندی ہے فقر میں بھی شکوہ
کہاں یہ وصف کسی اور کج کلاہ میں ہے

قصاص غیر بھی خود اپنی ذات سے لیتے
عبور کر گئے حدِ عدل کی مرے آقا

جو انہیں چاہیں سرِ طور وہ غش کھاتے ہیں
وہ جنہیں چاہیں انہیں عرش پہ بلواتے ہیں

قصیدۂ بردہ کا ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

ازمنۂ قدیم سے مسلمانوں کو حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ جو وابستگی رہی ہے، اس کے نتیجے میں ان کے شعری ادب میں نعت رسولؐ کا معتدبہ اور گراں قدر ذخیرہ جمع ہوگیا ہے۔ قریب قریب ہر اسلامی زبان کے شعری مجموعے کا ایک بڑا حصہ نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ عربی زبان، جو اسلامی خیالات کا سرچشمہ اور قرآن مجید کی زبان ہونے کے باعث ایک مقدس زبان ہے، نعتیہ اشعار کا ایک ایسا بحرِ ذخّار اپنے جلو میں رکھتی ہے، جس کی روانی کے آگے دوسری زبانوں کے نعتیہ کلام کیفیت و کمیت کے لحاظ سے جوئے کم آب سے زیادہ نہیں۔ آغاز اسلام سے تاحال عربی شعراء نعت رسول اکرمؐ کے درہائے شاہوار سے اس زبان کے دامن کو مالا مال کرتے رہے ہیں۔ عربی نعت گو شعراء میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ شہرت عام اور بقائے دوام جس شاعر کو ملا وہ امام محمد بن سعید بوصیری المتوفی ۶۹۴ھ ہیں۔ بوصیری نے متعدد نعتیہ قصائد لکھے۔ ان کے مجموعۂ اشعار کا عنصر غالب یہی صنف سخن ہے۔ مگر جس قصیدہ نے انہیں روشناس خاص و عام کیا وہ ان کا مشہور "قصیدۂ بردہ" ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ امام بوصیری بڑے جامع الصفات بزرگ تھے، ان کے اس وصف خاص کی ان کے زمانہ میں قدر بھی ہوئی، لیکن ان کے محراب شہرت کا کلیدی پتھر یہی "قصیدۂ بردہ" ہے۔ آج اسلامی دنیا میں امام بوصیری ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں، کیونکہ ان کے شہرۂ عالم قصیدے نے انہیں متعارف کرانے میں بڑا فعال کردار ادا کیا ہے۔ آج دنیا میں جہاں بھی "محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے موجود ہیں۔ وہاں پروانۂ شمع رسالتؐ بوصیری کا ہدیۂ عقیدت بھی موجود ہے، اور یوں بوصیری کے اس تاریخ ساز قصیدے نے اپنے ناظم کو نہ صرف یہ کہ اجر اخروی سے نوازے جانے کا سامان بہم پہنچایا بلکہ نفع عاجل یعنی حسن قبول عام سے بھی ان کی سرفرازی کے مواقع فراہم کیے۔

حالات زندگی

الامام محمد بن سعید یکم شوال ۶۰۸ھ مطابق ۷ مارچ ۱۲۱۳ء کو مصر کے ایک قصبہ دُلاص میں پیدا ہوئے۔ (۱) ان کا نسلی سلسلہ مشہور بربر قبیلہ صنہاجہ تک پہنچتا ہے۔ پورا نسب یہ ہے محمد بن سعید بن حماد بن حسن بن عبداللہ بن صنہاج بن ہلال۔ کنیت ان کی ابوعبداللہ تھی اور

عرب کے تذکرہ نگار آپ کو خاندان کی نسبت سے صنہاجی' مقام ولادت کی نسبت سے دُلاصی اور مقام سکونت کی مناسبت سے بوصیری لکھتے ہیں۔

اس عہد کے رواج کے مطابق بوصیری نے علوم دینیہ کی تحصیل کی جانب توجہ کی اور اپنی ذہانت و مستعدی سے صرف تیرہ سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے دیگر علوم متداولہ کی طرف بھی توجہ مبذول کی اور ان میں یک گونہ کمال پیدا کیا۔ مگر ان کے اشعار کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے علم حدیث' سیر و مغازی کے علاوہ علم کلام میں بھی فی الجملہ منتہیانہ صلاحیت بہم پہنچائی تھی۔ ان علوم کے سوا علم ادب' بدیع' بیان اور صرف و نحو میں انہیں مہارت حاصل تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ فن خطاطی میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ ان کے قریب تر عہد کے فضلاء نے بھی اور بعد کے نقادوں نے بھی ان کے اس فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ شیخ الاسلام جلال الدین سیوطی' علامہ ابن العیاد حنبلی' ابن شاکر کتبی' پطرس بستانی' اور امام بوصیری---------- کے شاگرد علامہ ابن سیدالناس نے ان کی اعلیٰ شاعرانہ حیثیت کا بڑی فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ مستشرقین میں نکلسن کو بھی بوصیری کی جلالت شان کا قائل ہونا پڑا ہے۔ حصول علم کی جدوجہد میں اور اس عہد کے عام انداز فکر کے مطابق بوصیری نے کوچۂ تصوف کی بھی خاک چھانی ہے۔ وہ اس عہد کے مشہور مصری صوفی ابوالعباس احمد المرسی متوفی ۶۸۶ھ کے مرید تھے۔ ان کے کلام میں جو سوز و گداز ملتا ہے وہ اسی آستانہ فیض کے طفیل انہیں ملا۔ خود بوصیری کے تلامذہ میں ابوحیان معری غرناطی متوفی ۷۴۵ھ اور ابن سیدالناس اشبیلی متوفی ۷۳۴ھ جیسے فاضل روزگار حضرات شامل ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ بوصیری کی علمی حیثیت خاصی بلند تھی اور ساتویں صدی ہجری کے علماء میں انہیں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

حصول علم کے بعد فکر معاش میں بوصیری نے امراء کا توسّل اختیار کیا اور مختلف ارباب اقتدار کے ہاں خطاط اور بعد ازاں کاتب کی حیثیت سے ملازم رہے۔ ان امراء میں انہیں سب سے زیادہ خصوصیت جس امیر سے تھی وہ وزیر زین العابدین یعقوب بن زبیر تھا۔ بوصیری اس کی ملازمت میں کئی سال رہے اور اس کی شان میں متعدد قصائد لکھے۔ اس کے بعد وہ مختلف درباروں سے منسلک رہے اور جیساکہ خود ان کا بیان ہے۔ انہوں نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ دربار داری میں گزارا۔ وہ کہتے ہیں۔

خدمته بمديح استقيل به ذنوب عمر مضى في الشعر والخدم

یعنی (میں نے قصیدہ مدحیہ لکھ کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک عمر کے گناہوں کی عذر خواہی کے بطور پیش کیا ہے' جو شعر گوئی اور دربار داری میں بسر ہوئی۔)

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بوصیری کے دربار سے تعلقات کی اصل وجہ ان کی نعت خوانی تھی اور اسی وصف خاص میں امتیاز کے باعث ان کی امراء کے ہاں قدردانی بھی ہوتی تھی۔ مگر اس عہد کے سیاسی حالات اس حد تک خراب ہوچکے تھے کہ دربار سے تعلق رکھنے والوں کو نفع دنیوی کی بھی چنداں توقع نہ ہوسکتی تھی۔

شاعرانہ کمال

امام بوصیری کی شاعری اور ان کے شاعرانہ کمال سے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے ہمیں اس عہد کے اس ابتلائے عظیم کو ذہن میں رکھنا ہوگا جو بقول پروفیسر نکلسن ایک شاندار تاریخ کا المناک اختتامیہ تھا۔ اس کے بعد مغلوں' ترکوں اور ایرانیوں نے یقیناً "عظیم ترین حکومتیں قائم کیں مگر فوج اسلام کا ہراول دستہ کہاں گیا؟ عرب کے جیالے جوان کدھر گئے؟ اور وہ برق پاش' شعلہ بداماں اور آتش زیر پر تلواریں کیا ہوئیں؟ جنہوں نے اسلام کے پرچم کو صحرائے عرب سے نکل کر اس عہد کے متمدن ترین خطوں پر لہرایا۔ دنیا کے مزاج کو بدلا' سوچنے سمجھنے کے انداز بدلے اور ذہن انسانی کو نئے افکار دیئے۔ عہد زیر نظر میں عرب کے صحراؤں میں' غرناطہ کے سبزہ زاروں میں اور نیل کی وادیوں میں اس عظمت رفتہ کے بکھرے ہوئے لعل پارے اور ٹوٹے ہوئے گوہر شب چراغ روشن دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی مدھم روشنیوں میں علم و ادب کا کارواں' لٹا پٹا کارواں' شکست و یاس کے احساس سے بوجھل سرگرم سفر ہے۔ اور سفر بھی کیسا؟ بے میل و سنگ' بے مرحلہ و منزل اور بے مقصد و مرام۔ یہ عربی ادب ایک شکست خوردہ قوم کے ٹوٹے ہوئے دل کا ترجمان' ایک مایوس قوم کی یاس و قنوطیت کا عکاس اور ایک لٹی ہوئی تہذیب کا جسد بے جان ہے۔ فکر و نظر کا جمود' علم و عمل کا رکود اور آتش اختراع و تجدّد کا خمود' اس دور کے ادب عربی کی خصوصیات ہیں۔ سیاسی انحطاط معاشی انحطاط اور ثقافتی انحطاط عرب کے ادب کے سانچے میں ڈھل گئے اور ادب کا پیکر بن گئے۔

تمام دنیائے اسلام میں سے صرف مصر و شام میں بعض ایسے نام ملتے ہیں جنہیں شاعر کہا جاسکتا ہے اور ان میں سے سب سے بہتر شاعر کی حیثیت بھی ایک معمولی فن کار سے زیادہ نہیں۔ اس کی بہترین مثال صفی الدین حلّی ہے جسے اپنے عہد کا ترجمان شاعر سمجھا جاتا ہے۔

متنبی، سعدی اور ابن الفارض کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے اشعار صنائع بدائع کی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ ان میں اپنے پیش رو کی خوبیاں مفقود ہیں۔ ان عہد میں شعر صنعت لفظی کا دوسرا نام بن گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ زبان کی فصاحت و سلاست پر بھی برا اثر پڑا اور اس میں بھی خرابیاں پیدا ہوئیں۔ شعراء نے تاریخی واقعات کو نظم کرنے کا طریقہ بھی اختیار کیا مگر ایسے اشعار بھی جذبات اور زور بیان سے عاری رہے۔ اس عہد کے یہ نقائص بوصیری کی شاعری میں بھی نظر آتے ہیں۔ انہوں نے صنائع لفظی و معنوی کی جانب ضرورت سے زیادہ توجہ دی ہے اور عموماً" ان کے یہاں اسی کی گرم بازاری ہے۔ ان کے اشعار زیادہ تر پھیکے ہیں، ان میں نہ تو زبان کا مزہ ہے اور نہ ہی بیان کا چٹخارہ۔ مگر اس کے باوجود جو اشعار صاف نکل گئے ہیں ان میں تاثیر بھی ہے اور جذبات کی شدّت بھی۔ ان کے اسلوب میں سادگی ہے مگر آمد نہیں۔ بوصیری کے اشعار میں صنائع و بدائع کے جلوے دیکھئے اور آمد بھی۔

قصیدۂ بردہ کا یہ شعر ہے۔

قلا ترم بالمعاصی کسر شهوتها ان الطعام یقوی شهوة النهم

ترجمہ : یعنی نفس سرکش کے زور کو کثرت عصیاں سے توڑا نہیں جاسکتا بلکہ اس سے وہ اور قوی ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی جیسے کہ بسیار خوار کی اشتہاء میں بسیار خواری سے کمی نہیں بلکہ اور اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اس شعر میں تمثیل نگاری کی اچھی مثال ملتی ہے۔

ذیل کے شعر میں کتمت میں "کتم" "کتم" میں تجنیس ہے اور "سرا" و "بدا" میں صنعت تضاد ہے اور شاید ان کے سوا اس شعر میں کوئی اور خاص بات بھی نہیں ہے۔

لو کنت اعلم انی ماأوقره کتمت سرا بدالی منه بالکتم

بردہ کا ایک اور شعر ہے----

فاصرف هوا هاوحاذر ان تولیه ان الهوی ماتولی یصم او یصم

یہاں استعارۂ تخیلّہ ہے کیونکہ شاعر نے خواہشات نفسانی کو ایسے انسان سے تشبیہہ دی ہے جو حکومت کا طالب ہے اور لفظ مشبہ بہ کو محذوف کرکے اس کے لوازم سے اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔

اسی طرح "من حیث لم یدران السم فی الدسم" میں "سم" اور "دسم" میں تجنیس ناقص ہے۔ نہ صرف قصیدۂ بردہ بلکہ بوصیری کی شاعری اس دور کے مذاق عام کی تقلید میں ان صنائع بدائع سے بھری پڑی ہے۔

مگر نعتیہ اشعار میں شدّت جذبات اور اثر انگیزی کی کمی نہیں۔ ان اشعار کا تاثر ان کی روانی میں بھی مضمر ہے اور خلوص میں بھی----

فھو الذی تم معناہ وصورتہ — ثم اصطفاہ حبیبا بارئ النسم
فکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ — قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم
فمبلغ العلم فیہ انہ بشر — وانہ خیر خلق اللّٰہ کلّھم

اور اس شعر میں تو نعت گوئی اپنے نقطۂ کمال پر پہنچتی نظر آتی ہے۔

کالزھر فی ترف والبدر فی شرف — والبحر فی کرم والدّھر فی ھمم

مگر نعتیہ اشعار میں یہ کمال ہر مقام پر دکھائی نہیں دیتا۔ مثلاً" مندرجہ ذیل شعر میں قافیہ "فم" بالکل بدنما معلوم ہوتا ہے۔

فان فضل رسول اللّٰہ لیس لہ — حد فیعرب عنہ ناطق بفم

امام بوصیری نے معجزات اور غزوات نبویؐ کے بیان میں بعض مقامات پر بڑی پرکاری سے کام لیا ہے مثلاً" ۔

اقسمت بالقمر المنشق ان لہ — من قلبہ نسبۃ مبرورۃ القسم

اختصار سے واقعات کو پوری جزئیات کے ساتھ قلم بند کرنے میں بھی بوصیری کو کمال حاصل ہے مثلاً" واقعۂ ہجرت کا بیان ملاحظہ ہو:

فالصدق فی الغار والصدیق لم یرما — وھم یقولون مابالغار من ارم
ظنوا الحمام وظنوا العنکبوت علی — خیر البریۃ لم تنسج ولم تحم
وقایۃ اللّٰہ اغنت عن مضاعفۃ — من الدروع و عن حال من الاطم

مختصر یہ کہ اپنے عہد کے شعراء میں بوصیری کو ایک مقام خاص حاصل ہے اور ان نقائص سے قطع نظر جو اس دور کی خصوصیت بن گئے ہیں وہ نہ صرف اپنے عہد کے بلکہ حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ کے سوا عربی زبان کے سب سے بڑے نعت گو شاعر نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہیں ہر دور میں پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا گیا اور ان کے اشعار کو قبول عام نصیب ہوا۔

قصیدے کی تلخیص و تجزیہ

"قصیدۂ بردہ" دس فصلوں پر مشتمل ہے۔ کل اشعار کی تعداد متداول نسخوں کے مطابق ایک سو پینسٹھ ہے۔ مگر شعبۂ علوم اسلامی کے ایک سابق استاد پروفیسر علی محسن صدیقی کے نزدیک ان میں سے بعض اشعار الحاقی ہیں مثال کے طور پر۔

ثم الرضا عن ابی بکر و عمر — و عن علی و عن عثمان ذی الکرم

والآل والصحب ثم التابعین لھم — اھل التقی والنقی والحلم والکرم

فاغفرلنا شلھا واغفر لقارئھا — سالتک الخیر یاذالجود والکرم

ان الحاقی اشعار کے علاوہ بھی مندرجہ ذیل دو شعر قدیم نسخوں میں منقول نہیں ہیں:

حتیٰ اذا طلعت فی الکون عم ھدا — ما العالمین واحیت سائر الامم

ایاتہ الغر لایخفی علی احد — بدونھا العدل بین الناس لم یقسم

اس اعتبار سے قصیدے کے کل اشعار ایک سو ساٹھ قرار پاتے ہیں۔ اس کی تصدیق اس الحاقی شعر سے بھی ہوتی ہے جسے باجوری وغیرہ شارحین بردہ نے الحاقی اشعار کے ضمن میں نقل کیا ہے:

ابیاتھا قدانت ستین مع مائۃ — فرج بھا کربنا یا واسع الکرم

اگرچہ یہ شعر الحاقی ہے اور بوصیری کی جانب اس کی نسبت مشکوک ہے مگر اس سے کم از کم یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ بردہ کے اشعار کی تسلیم شدہ تعداد ایک سو ساٹھ ہی ہے۔ ان اشعار کے علاوہ بھی بعض مورخین کے نزدیک یہ اشعار اس قصیدے میں شامل کرلئے گئے ہیں۔

یارب بالمصطفیٰ بلّغ مقاصدنا — واغفرلنا مامضی یا واسع الکرم

واغفرالہی کل المسلمین بما — یتلوہ فی المسجد الاقصیٰ وفی الحرم

بجاہ من بیتہ فی طیبۃ حرم — واسمہ قسم من اعظم القسم

وھذہ بردۃ المختار قدختمت — والحمد للّٰہ فی بدء وفی ختم

اسی طرح قصیدے کے آغاز میں مندرجہ ذیل دو اشعار بڑھا دیئے گئے ہیں۔

الحمد للّٰہ منشی الخلق من عدم — ثم الصلوٰۃ علی المختار فی القدم

مولای صلّ وسلم دائما ابدا — علی حبیبک خیرالخلق کلّھم

اگر ان تمام اشعار کو شامل کرلیا جائے تو قصیدہ بردہ کے اشعار کی مجموعی تعداد ایک سو بہتر قرار پاتی ہے۔ اور یہ بات ابھی تک تحقیق طلب ہے۔

قصیدے کی دس فصلیں بہ تفصیل ذیل ان عنوانات پر مشتمل ہیں۔

(۱) فصل اول

عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں ہے۔ شاعر اپنی ذات کو شخص غیر فرض کرکے اس کی مہجوری، رنجوری اور زار نالی کا سبب دریافت کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی

کہتا ہے کہ اشک رواں اور روئے زرد جس بات کی غمازی کر رہے ہوں اس سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اس کے بعد شاعر اس فرضی شخص کی زبان سے راز محبت فاش کرتا ہے۔ عشق میں اپنی بے بسی اور ناصح مشفق کی پند بے سود کا ذکر کرتا ہے اور اس کے خلوص کا اقرار کرتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی جتا دیتا ہے کہ اے نصیحت گر! ہم نے یہ عشق جوانی کی خام خیالی میں نہیں بلکہ پیری کی پختہ کاری میں اختیار کیا ہے اور پیری کی جذبات سے عاری عمر بھی جب اس جنون کو کم نہ کر سکی تو تمہاری نصیحت اس پر کیا کارگر ہوگی؟

(۲) فصل دوم

خواہش نفسانی سے رک جانے کے بیان میں ہے۔ شاعر اس فصل میں اپنے نفس امّارہ کی سرکشی، گناہوں پر اصرار عمل صالح سے کوتاہی اور عمر کے یوں ہی منہیات میں بسر ہونے پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ پھر نفس امّارہ کو مغلوب کرنے کے طریقے بھی بتاتا ہے۔ کہ اس کی خواہش کبھی پوری نہ کی جائے، بلکہ وہ جس بات کی تمنا کرے اسے اس سے دور رکھا جائے۔ اس کی رضا جوئی انسان کے لئے زہر قاتل ہے۔ اس کے بعد وہ مشورہ دیتا ہے۔ نفس و شیطان کی مخالفت کرو، ان کی کوئی بات نہ مانو، وہ دشمن ہوں یا ثالث ان کے مکر سے غافل نہ ہو۔ کوئی ایسی بات نہ کہو جس پر تمہارا عمل نہ ہو۔

(۳) فصل سوم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں۔ آنحضرت کی نعت میں بوصیری نے بڑا زور باندھا ہے۔ آپ کی شب زندہ داری، فاقہ کشی اور بے طمعی کا بڑے دل آویز انداز میں ذکر کیا ہے۔ آپ سید کونین، سردار ثقلین اور آقائے عرب و عجم ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہیں۔ آپ اللہ کے محبوب اور شافع روز جزا ہیں۔ تمام انبیائے کرام علم و کرم میں آپ سے کم ہیں اور آپ کے بحر کرم سے جرعہ کش اور آپکے خوان علم کے زلہ ربا ہیں۔ آپ معنوی اور صوری اعتبار سے مکمل و مصفیٰ ہیں۔ آپ کے فضل و شرف کی حد نہیں مگر اس کے باوجود مسلمان انہیں عیسائیوں کی طرح، جو حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے ہیں، خدا نہیں کہتے۔ مختصر یہ کہ آپ بشر ہیں اور اللہ کی مخلوقات میں علی الاطلاق سب سے افضل ہیں۔ اس شعر میں بوصیری کی نعت گوئی اپنے نقطۂ کمال پر نظر آتی ہے۔

كالزهر في ترف والبدر في شرف   والبحر في كرم والدهر في همم

(آپ تر و تازگی میں شگوفہ صورت، شرف و علو میں ماہ تمام، جود و کرم میں بحر مواج اور

ہمت و عزم میں دھر گردار ہیں)۔

(۴) فصل چہارم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں بوصیری نے آنحضرت کی ولادت کے وقت باطل کی قوتوں کی شکست و ریخت کا ذکر کیا ہے۔ ولادت سے متعلق عام روایات کو شاعر نے بڑے دلکش اور جامع و واضح انداز میں بیان کیا ہے' کہ اہل فارس کو اپنی ہلاکت و تباہی کا علم ہوا' ایوان کسریٰ کے کنگرے گر پڑے' آتش کدۂ ایران بجھ گیا اور بحیرۂ ساوہ سوکھ گیا۔ جنّ آپ کی ولادت کی خبر دے رہے تھے۔ آسمان پر نور حق بلند ہورہا تھا۔ کاہن آپ کے ظہور اور اپنے دین باطل کی ہلاکت کا اعلان کررہے تھے۔ انہیں آسمان پر شہاب ثاقب اور زمین پر اصنام ٹوٹتے پھوٹتے دکھائی دے رہے تھے۔ اور دور وحی شروع ہورہا تھا۔ شیاطین سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے۔ الغرض آنحضرتؐ کی ولادت سے متعلق روایات کو بڑے حسن سے قلم بند کیا گیا ہے۔

(۵) فصل پنجم

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے برکات کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں آنحضرتؐ کے معجزات میں سے چند مشہور معجزوں کا ذکر کیا گیا ہے اور معجزات نبویؐ میں سے اہم معجزوں کو بڑی خوبی سے نظم کیا گیا ہے۔ یعنی جب آپ چلتے تھے تو درخت آپ کے سامنے سرنگوں ہوجاتے تھے' بادل آپ کے فوق مبارک پر سایہ فگن رہتا تھا۔ آپ کے اشارۂ انگشت سے چاند دو ٹکڑے ہوگیا' بچپن میں آپ کا سینہ چاک کرکے دنیوی آلائشوں سے اسے پاک کیا گیا' ہجرت کے موقع پر غار میں' اس کے دھانے پر پہنچ کر بھی کفّار کو آپ کی اطلاع نہ ہوئی کیونکہ اس کے گرد مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور کبوتری نے انڈے دے دیئے تھے اور کفّار یہی سمجھتے رہے کہ اس میں کوئی نہیں ہے حالانکہ اس غار میں صدق (ذات رسالت مآبؐ) اور صدیق (ذات ابوبکر صدیقؓ) دونوں ہی موجود تھے۔ معجزات کے ذکر کے بعد بوصیری نے نبوت کی حقیقت پر یوں روشنی ڈالی ہے کہ نبوت ایک عطیۂ الٰہی اور نعمت موہوبہ ہے وہ کوئی اکتسابی چیز نہیں ہے۔ انبیاء کو اللہ غیب کی تمام باتوں کا علم نہیں دیتا اسی طرح انبیاء کے خواب سچے اور ایک طرح کی وحی ہوتے ہیں کیونکہ اگرچہ عالم خواب میں اس کی آنکھیں بند رہتی ہیں مگر ان کا دل ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔

(۶) فصل ششم

قرآن کے شرف و علو کے بیان میں آنحضرت کے معجزات میں قرآن مجید کو سب پر تفوق حاصل ہے۔ اسکے ذریعے آپ نے کفار پر تحدّی کی اور اس کے جواب سے معارفین عاجز رہے۔ قرآن حکیم کی اسی جلالت شان کے پیش نظر بوصیری نے اس کے شرف کے بیان میں ایک خاص فصل باندھی ہے اور بتایا ہے کہ قرآن کسی خاص زمانہ سے وابستہ نہیں ہے بلکہ ہر دور اور ہر عہد کے لئے ایسا معجزہ ہے جو دیگر انبیاء کے تمام معجزوں پر سبقت لے گیا۔ اس کی آیتیں محکمات واضح ہیں ان میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔ قرآن کی بلاغت کے سامنے اس کے معارضین کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ اس کے عجائب و محاسن حد و شمار سے زائد ہیں۔ اس کی تلاوت سے سکون قلب اور نار دوزخ سے نجات حاصل ہوتی ہے وہ گویا حوض کے مانند ہے جس سے گناہ دھلتے ہیں۔ اگر کوئی قرآن کے فضائل کا انکار کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جس کی آنکھیں آشوب کر آئی ہوں اور وہ آفتاب تاباں کی انکاری ہوں۔

(۷) فصل ہفتم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے بیان میں اس فصل میں واقعات معراج کا بیان اختصار سے کیا گیا ہے مگر جامعیت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ شب معراج آپ حرم کعبہ سے بیت المقدس شریف لے گئے۔ قرب الٰہی کی اس منزل پر پہنچے کہ ذات الٰہی سے کمان کے دونوں سروں جتنا فاصلہ رہ گیا۔ تمام انبیاء و رسل کی امامت آپ کو تفویض ہوئی۔ آپ نے قرب و رفعت کے ایسے مدارج طے کئے جہاں تک کوئی نہ پہنچ سکا اور یہ امر معشر اسلام کے لئے باعث افتخار و سرمایۂ عزّ و شرف ہے۔

(۸) فصل ہشتم

رسول مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد کے بیان میں۔ بوصیری نے اس فصل میں آنحضرت کے جہاد، صحابہ کرام کے جذبۂ ایمانی اور شجاعت کا ذکر کیا ہے کہ غازیان دین کے حملہ ہائے جری سے دشمن کے پتّے پانی ہوتے تھے، پے در پے شکستوں سے کفار کا یہ حال تھا کہ وہ حواس باختہ ہوگئے تھے، انہیں دن رات اور ماہ و سال کی تمیز بھی نہ رہی تھی۔ دوسری جانب اسلام کی قوت کا یہ عالم تھا کہ گویا وہ مہمان عزیز تھا اور صحابہ کرام ان کے میزبان گرامی تھے۔ وہ انصار و اعوان کی کمی کے بعد اپنے حماۃ و کماۃ حلقے میں آگیا تھا۔ صحابہ کرام استقامت کے کوہ گراں تھے ان سے جس نے ٹکر لی پاش پاش ہوگیا۔ حنین، بدر و احد، میں ان کی سرفروشی نے کفّار کی صفوں میں موت کی ارزانی کردی۔ وہ تلوار کے دھنی، نیزہ بازی کے ماہر

اور سورماؤں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ یہی جہاد تھا جس نے ملت اسلامیہ کو مصئون و محفوظ کیا اور مشرکین کے نرغے سے باہر نکل آیا۔

(۹) فصل نہم

اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت اور رسول اکرم سے التجائے شفاعت کے بیان میں۔ اس فصل میں شاعر نے اپنی سابقہ زندگی کی زیاں کاریوں کا نہایت حسرت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ عمر عزیز کا بڑا حصہ دربار داری اور شعرو شاعری میں بسر ہوگیا۔ ان دونوں نے مجھے قربانی کا بکرا بنادیا اور ہلاکت سے قریب تر کردیا۔ میں نے بچپن کی سرکشی کے آگے سر تسلیم خم کردیا جس سے ندامت و گناہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ میں نے زندگی کی تجارت میں بڑا نقصان اٹھایا' نفع عاجل کے عوض نفع آجل کو ترک کیا اور دنیوی فائدے کو جو وقتی تھا' اخروی فائدے پر' جو دائمی تھا' ترجیح دی۔ اس یاس و محرومی میں بھی امید کی ایک کرن ہے جو دل کو ڈھارس بندھاتی ہے اور وہ یہ گناہ کار ہونے کے باوجود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یک گونہ تعلق ہے آپ کی شان کریمی اس پر نظر رکھتے ہوئے میری مغفرت کا سامان کرے گی اور آپ میری نجات کا ذریعہ بنیں گے۔ میں نے یہ قصیدہ مدت العمر کی غلط کاریوں کی تلافی مافات کے بطور لکھا ہے اور یہی میری نجات کا باعث ہوگا۔

(۱۰) فصل دھم

مناجات اور عرض حاجات کے بیان میں اس فصل کے اشعار میں الحاقی شعروں کی تعداد زیادہ ہے۔ آخر میں بوصیری نے گناہوں سے مغفرت اور عفو تقصیر کی التجا کی ہے اور بجا طور پر یہ امید ظاہر کی ہے کہ گو گناہ بڑے ہیں مگر نگاہ کریم میں وہ نہایت چھوٹے ہیں اور عفو تقصیر گناہوں کے بقدر ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ قصیدہ ختم ہوجاتا ہے۔

قصیدے کے خواص کے حوالے سے بعض علماء نے بڑی مفید آراء کا اظہار کیا ہے یہاں انکا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

قصیدے کے خواص

قصیدہ بردہ کو سب سے زیادہ مقبولیت جس حلقے میں حاصل ہوئی وہ طبقۂ مشائخ تھا۔ اس طبقہ میں قصیدۂ بردہ کو جو تقدس نصیب ہوا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اوراد و وظائف میں اس کے ورد کو بڑی اہمیت دی گئی اور مختلف طریقوں سے اس کی قرأت کو حل

مشکلات و دافع شدائد قرار دیا گیا۔ مثال کے طور پر :

(۱) قصیدۂ بردہ کو ایک ہزار بار پڑھنے سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔

(۲) اگر کوئی بلا نازل ہوجائے تو اس کے دفعیہ کی غرض کی سے اس قصیدہ کو اکہتّر بار پڑھا جائے۔

(۳) اگر کہیں قحط پڑجائے تو اسے تین سو مرتبہ پڑھنے سے قحط کی مصیبت دور ہوجاتی ہے۔

(۴) مالی پریشانیوں سے حصول نجات کے لئے اسے سات سو مرتبہ پڑھنا مفید ہے۔

(۵) اگر کسی کے اولاد نرینہ نہ ہوتی ہو تو اس قصیدہ کو ایک سو سولہ بار پڑھے۔

(۶) جب کبھی کوئی مشکل آن پڑے تو سات سو اکہتّر بار قصیدہ بردہ کے ورد سے وہ مشکل آسان ہوجاتی ہے۔

(۷) اگر کوئی شخص روزانہ ایک بار اسے پڑھے یا کوئی دوسرا اسے پڑھ کر اس شخص پر دم کرے تو ایسا شخص ہر بلا سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

(۸) اگر کوئی شخص مسلسل سات جمعہ اس قصیدے کو سترّ بار پڑھے اس کی مالی دشواریاں دور ہوجائیں۔

(۹) اگر سوتے وقت کسی خاص مقصد سے اسے پڑھا جائے تو خواب میں اسے متعلق مکمل معلومات حاصل ہوجائیں گی۔

(۱۰) اگر کسی شخص کو گلاب سے لکھ کر سات روز تک یہ پلایا جائے تو اس کا حافظہ قوی ہوجائے گا۔

(۱۱) اگر کوئی سخت آفت آن پڑے تو تین روزے رکھنے اور ہر روز اکیسّ بار پڑھنے سے وہ آفت دور ہوجائے گی۔

(۱۲) اگر کسی گھر میں اس قصیدے کا ورد ہر روز کیا جائے تو وہ گھر بلا سے محفوظ رہے گا۔

(۱۳) مسافر اگر قصیدۂ بردہ ہر روز ایک بار پڑھے وہ شدائد سفر سے مصئون و مامون رہے گا۔

(۱۴) مقروض اگر اس قصیدہ کو ہزار بار پڑھے تو قرض سے اسے نجات مل جائے گی۔

(۱۵) اگر قیدی اس کا ورد کرے تو اسے رہائی نصیب ہوجائے گی۔

(۱۶) کھیتی میں برکت کی غرض سے بیج بوتے وقت بیجوں پر قصیدۂ بردہ پڑھ کر دم کیا جائے۔

اسی طرح قصیدے کے مختلف اشعار کے خواص فرداً" فرداً" بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان

فوائد و خصائص میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں دعاء و تعویذ قسم کی چیز کہا جا سکتا ہے اور اس کا یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں۔

قصیدے کی مقبولیت

نعتیہ قصائد میں قصیدۂ بردہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی شرحیں تضمینیں سب سے زیادہ لکھی گئی ہیں۔ مشہور ترکی عالم اور ماہر کتابیات مصطفیٰ بن عبداللہ المعروف بہ حاجی خلیفہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب میں بیان کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) ابن ادریس مراکشی نے جن کا انتقال ۶۶۰ھ میں ہوا "خواۃ البردہ فی برء الداء" کے نام سے قصیدہ بردہ کی شرح لکھی۔

(۲) محمد بن احمد مرزوق التلمسانی متوفی ۷۹۱ھ۔ اس شرح کے نام "اظہار مقدق المودۃ" دیباجہ اور "طیب الحبیب" ہیں۔

(۳) جلال الدین محمد بن احمد المحلی الشافعی متوفی ۸۶۴ھ۔ اس شرح کا نام "الانوار القصیدہ فی مدح خیر البریّہ" ہے۔

(۴) زین الدین خالد بن عبداللہ ازہری متوفی ۹۰۵ھ۔ ان کی دو شرحیں ہیں۔

(۵) زکریا بن محمد احمد الانصاری القاہری متوفی ۹۲۶ھ۔ ان کی شرح کا نام "الزبدۃ الرائقہ فی شرح البردۃ الفائقہ" ہے۔

(۶) محی الدین محمد بن مصطفیٰ شیخ زادہ متوفی ۹۵۱ھ ان کی شرح کا نام "راحۃ الارواح" ہے۔

(۷) علی بن محمد ہروی المعروف ملّا علی القاری متوفی ۱۰۱۴ھ۔ ان کی شرح کا نام "الزبدۃ" ہے۔

(۸) عبدالواحد بن احمد الانصاری متوفی ۱۰۴۰ھ اس شرح کا نام "شفاء القلب الجریح" رکھا۔

(۹) محمد بن ابی بکر الکروی الحنفی۔ ان کی شرح کا نام "الدرۃ المضیئہ فی شرح الکواکب الدریّہ" ہے۔

(۱۰) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے اپنی شرح کا نام "عطر الوردہ" رکھا۔

(۱۱) مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری' لاہور۔ نے اس کا نام "طیب الوردہ" رکھا۔

(۱۲) فضل احمد عارف' لاہور۔ ان کی شرح کا نام "انوار بردہ" ہے۔

قصیدہ بردہ کی ان شروح کی مختلف زبانیں عربی' فارسی' اردو میں ہیں۔ اس طرح سے تمام

اسلامی زبانوں میں اس کی شروح کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

ذیل میں ایسے بعض تراجم کی نشان دہی کی جاتی ہے اور ان معلومات کے لئے ''انوار بردہ'' کے مؤلف فضل احمد عارف کے لائق مشکور ہیں۔

(۱) لاطینی

۱۷۶۱ء میں لیڈن سے بردہ کا متن لاطینی ترجمہ کے ساتھ چھپا۔

(۲) جرمن

پہلا جرمن ترجمہ ۱۸۲۴ء میں' دوسرا ۱۸۴۷ء میں اور تیسرا اوشاہی سے ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا۔

(۳) فرانسیسی

۱۸۵۲ء میں یروشلم سے' ۱۸۹۴ء میں پیرس سے اور اسی دوران میں ایک اور ترجمہ فرانسیسی زبان میں طبع ہوا۔

(۴) انگریزی

بمبئی سے ۱۸۹۳ء میں شیخ فیض اللہ بھائی لقمان جی نے اور کلاوسٹن نے بردہ کے انگریزی تراجم کئے۔

(۵) فارسی

بردہ کے فارسی ترجموں کی تعداد کثیر ہے' لطف اللہ مہندس کا ترجمہ فارسی نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ خان بہادر محمد حسین خان اور مولانا عزیز الدین بھاولپوری نے بھی قصیدے کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

۱۸۶۰ء میں جرمن اور ترکی ترجمے کے ساتھ فارسی ترجمہ بھی شا میں طبع ہوا۔

(۶) ترکی

ترکی تراجم میں سے ایک ترجمہ ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا تاتاری زبان میں بردہ کا ترجمہ ۱۳۰۰ھ میں دوسری بار چھپا۔

(۷) اردو

اردو میں بردہ کے تراجم میں مطبع مجددی کانپور' تاج کمپنی لاہور اور اصح المطابع کراچی کے

ترجمے بکثرت پائے جاتے ہیں۔

ان ترجموں کے علاوہ سرائیکی میں اس کا ترجمہ شائع ہوا۔ اسی طرح لاہور سے بردہ کا پنجابی منظوم ترجمہ بھی اشاعت پذیر ہوا۔ جاوا (انڈونیشیا) کی جاوی زبان میں بردہ کی شرح اور جاوی ترجمہ ۱۳۱۲ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

عربی زبان کے سب سے مشہور اور سب سے زیادہ متداول قصیدے کے متعلق یہ چند سطور حرف آخر نہیں، بلکہ ایک بحث کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس تمام بحث کو مندرجہ ذیل کتابوں کی مدد سے ترتیب دیا گیا ہے، جس کے لئے ہم ان کے مؤلفین کے شکر گزار ہیں۔

(۱) محمد بن شاکر کتبی، وفیا الوفیات جلد دوم، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۴ء

(۲) ابن المعاد حنبلی، شذرات الذہب، مطبوعہ مصر

(۳) شیخ الاسلام جلال الدین سیوطی، حسن المحاضرۃ فی مصر و القاہرہ، مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ

(۴) حاجی خلیفہ کاتب چلپی، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، جلد دوم، مطبوعہ استنبول ۱۹۴۳ء

(۵) تقی الدین المقریزی، المتواعظ والاعتبار فی ذکر الخطاط والآثار، مطبوعہ بولاق ۱۲۷۰ھ

(۶) فرید وجدی، دائرۃ معارف القرآن العشرین، مطبوعہ مصر ۱۳۴۳ھ

(۷) مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۵۱۴ء

(۸) مولانا ذوالفقار علی، عطر الوردہ، مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی ۱۳۴۶ھ

(۹) خالد بن عبداللہ ازہری، شرح البردہ، مطبوعہ مصر ۱۹۵۱ء

(۱۰) آر۔ اے۔ نکلسن، لٹریری ہسٹری آف دی عربس، مطبوعہ کیمبرج ۱۹۵۳ء

(۱۱) فضل احمد عارف، انوار بردہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء

(۱۲) مولانا ابوالحسنات قادری، طیب الوردۃ، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء

اردو نعت میں آفاقی قدروں کی تلاش

عزیز احسن

لغت میں الفاظ انگھڑ اور ناتراشیدہ ہیروں کے مانند ہوتے ہیں لیکن کسی ادبی تحریر میں وہی الفاظ بڑی خوبصورتی اور مہارت سے تراشے ہوئے ہیرے کی مثال بن جاتے ہیں۔ لغت میں لفظ چاہے کتنا ہی کثیر المعنی کیوں نہ ہو اپنے مفاہیم مترادف الفاظ کے حجابوں میں رکھتا ہے جبکہ ادبی تحریر بالخصوص شاعری میں وہی لفظ دوسرے الفاظ کی رفاقت میں قاری کے سامنے سے اپنے تعینات کے حجابات اٹھادیتا ہے۔ قاری ادبی متن یا شعر کی قرأت جتنی بار بھی کرتا ہے لفظ کے معنیاتی رشتوں سے اس کی آگاہی بڑھتی جاتی ہے اور متن یا شعر کے بہت سے رخ اور گونا گوں رنگ (SHADES) اس پر کھلتے جاتے ہیں۔

اسی طرح ناموزوں یا غیر مناسب الفاظ کی بدصورتی بھی کچھ زیادہ ہی انلارج (ENLARGE) ہوکر قاری کے سامنے آنے لگتی ہے۔

ہر تحریر یا متن (TEXT) کثیر المعانی ہوتا ہے کیونکہ اس میں استعمال ہونے والے لفظوں کا معنیاتی رشتہ مصنّف کے منشاء سے بھی قائم ہوتا ہے، تاریخی تناظر یا سیاق سے بھی معانی کے عکس بدلتے ہیں اور متن کی عہد بہ عہد قرأت سے بھی لفظوں کے مختلف ابعاد سامنے آتے ہیں۔ اسی لئے آسمانی کتب کے معانی کی حفاظت اور تعیین کے لئے خالق کائنات نے محض کتب و صحائف کی تنزیل کو کافی نہیں سمجھا بلکہ ان کے متن کی علمی تعبیر و تفسیر اور عملی تشریح کے لئے انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث فرمائے۔

انسان کے دل و دماغ پر ازل ہی سے لفظ کی حکمرانی ہے اس لئے رب الناس نے خود اپنے آپ سے مخاطب ہونے کے لئے انسان کو موزوں الفاظ تعلیم فرمائے۔ قرآن کریم میں بے شمار دعائیں انسانوں کو ان کے رب کے حضور سلیقۂ لب کشائی سکھانے کی غرض ہی سے مذکور ہیں۔ اسی طرح اللہ نے انسان کو اپنے والدین سے بات چیت کرنے کے آداب بھی سکھائے ہیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہونے کے موزوں اسلوب سے بھی اسے آگاہ فرمایا۔

لفظ کی اہمیت کے پیش نظر ہی انسانی معاشرے میں بیان و بلاغت اور لسانی فصاحت کو معیار کمال قرار دیا گیا۔ حضرت عباسؓ کے استفسار پر آقائے نامدار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حسن زبان میں ہے۔" (1)

ادب انسانی دل و دماغ پر حکمرانی کرتا ہے۔ ادب تخلیق کرنے والا طبقہ عام انسانوں سے

اسی لئے ممتاز ہوتا ہے کہ وہ لفظوں کو برتنا اور ان کے پوشیدہ معانی کو اپنی تحریروں کے ذریعے اجاگر کرنا جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنقید بھی ادبی سطح پر سب سے زیادہ ہوتی ہے اور اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ادب کے علاوہ دوسرے علمی شعبوں میں تنقید کی کوئی علیحدہ حیثیت ہے ہی نہیں۔ صرف اور صرف ادب و شعر کی پرکھ۔ اس کے معانی کی توضیح، ادبی مرتبے کی تعیین اور مختلف انداز سے ادبی تحریروں کے معنوی حسن کی پردہ کشائی کرنے کے عمل ہی کو تنقید کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنقیدی تحریروں کا ذخیرہ صرف شعر و ادب کے حوالے ہی سے اپنا ایک الگ وجود رکھتا اور خاص اہمیت کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ نفس امّارہ سے ابھرنے والی خواہشات اور تمناؤں کی تصعید یا ترفع (SUBLIMATION) ادبی اظہار میں آئے تو ادب پاروں میں استعمال ہونے والے لفظ لفظ کی تفہیم اور ان الفاظ کے معانی جاننے کے لئے تو مصنّف کی تحلیل نفسی بھی کی جاتی ہے۔ معاشرے کے اجتماعی لاشعور کو بھی کھنگالا جاتا ہے اور لغات کی ضخیم مجلّدات کی ورق گردانی بھی بڑے شوق سے کی جاتی ہے پھر لفظ و خیال کی جانچ پڑتال کے لئے بڑی ذمہ داری سے تنقید کی جاتی ہے لیکن جب نعت میں استعمال ہونے والے الفاظ کی تہہ تک جانے اور خیال کو پرکھنے کی سعی کی جاتی ہے تو خود ادبی تنقیدی سرگرمیوں میں حصہ لینے والے حضرات ناک بھنوں چڑھانے لگتے ہیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست (حافظ)

(حیرت سے عقل جل گئی کہ یہ کیا بوالعجبی ہے؟)

ایک مکتبۂ فکر کے لوگوں کا خیال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے جن الفاظ و خیالات کو نسبت ہوجائے وہ تنقید مروّجہ سے بلند و بالا ہوجاتے ہیں۔

اس موضوع پر تو بعد میں گفتگو ہوگی کہ آیا ہر وہ لفظ یا خیال جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے منسوب ہوجاتا ہے یا کردیا جاتا ہے واقعتاً" اتنا ہی مقدس ہوجاتا ہے کہ اسے ایمانی سطح پر قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار ہے ہی نہیں؟ یا صورت حال اس کے برعکس ہے؟ ___ فی الحال دل چاہتا ہے کہ اپنے موقف کی تائید میں خالص دنیاوی بلکہ نفس امّارہ کی تصعید (SUBLIMATION) سے پیدا ہونے والے ادب پر تنقید کی چند مثالیں پیش کروں۔

ایذرا پاؤنڈ (1885ء تا 1972ء) خالص دنیاوی اور انتہائی غیر مقدس ادبی سرگرمیوں کے بارے میں کہتا ہے:۔

"فنکار اپنی قوم کی ذہنی زندگی میں STEAM GUAGES یا VOLTO METERS کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ وہ ایسے آلے ہیں جن سے ہر خاصیت اور حرکت کا پتا چلتا ہے

اور وہ اپنے بیان میں صحت سے کام نہ لیں تو بے اندازہ نقصان پہنچاسکتے ہیں۔ اگر آپ دیکھیں کہ کوئی شخص شفاخانے میں ناقص تھرمامیٹر پہنچا رہا ہے تو آپ اسے پرلے درجے کا کمینہ اور دھوکے باز تصور کریں گے۔ مگر عجب ستم ظریفی ہے کہ پچھلے پچاس برسوں سے امریکہ میں "خیالات" کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کیا جارہا ہے اور خیالات کے ان بازی گروں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ تمہارے منہ میں کے دانت ہیں۔" (2)

اور اب مشرقی ادبی سرمائے سے ایک تنقیدی بحث کی مثال دیکھیے۔ حمید نسیم صاحب نے ن۔ م۔ راشد کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ..... "راشد صاحب کی ساری شاعری کے پیچھے محبت کی خواہش یا REFINED SEX DESIRE کی ناکامی کا احساس کارفرما نظر آتا ہے۔ ایک ہلکی سی مسلسل کسک کی طرح۔ یہ ان کی شاعری کے پیچھے BACK CURTAIN ہے۔"

اس بیان سے ن۔ م۔ راشد کی شاعری کے مافیہ (CONTENT) تک نقّاد کی تنقیدی بصیرت کی رسائی کا اندازہ تو ہوگیا۔ اب ذرا راشد کے کلام پر کی جانے والی عملی تنقید کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

"راشد صاحب نے جب "ماوراء" میں شامل پہلی نظم "سوچتا ہوں کہ اسے واقف الفت نہ کروں" کہی تھی، ان کی ساری فکر روحانی، معاشرتی، سیاسی، تخلیقی اور جمالیاتی بہت کچّی تھی، اور انہوں نے اپنی نہایت کچّی فکر اور سراسر سطحی جذبات کو نہایت کچّے اسلوب میں بیان کیا ہے۔

اس نظم کے چوتھے مصرعے میں "رسوا" اور دوسرے بند کے تیسرے مصرعے میں "عیش" کا لفظ، دونوں بے جواز اور بے محل ہیں۔ نظم کے تسلسل سے یہ لفظ کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ اور پھر جس معاشرتی سطح کی ان کی محبوبہ ہے وہ اس نوخیزی کے زمانے میں "عیش" کے مفاہیم سے کاملا" بے خبر ہوگی۔ اس کی صبح ابھی "سحر عیش" نہیں ہے۔ اسی طرح تیسرے بند میں "نکہت و نور" کی ترکیب میں "نور" عام روشنی کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ ہماری ادبی روحانی اور ثقافتی روایت میں "نور" کے اساسی تلازمات کچھ اور ہیں۔ یہ بیان غلط نہیں کچّا ہے۔ اگلے بند میں ایک لغوی غلطی بھی ہے۔ ظاہر کرنے یا عیاں کرنے یا افشا کرنے کی جگہ لفظ "عریاں" استعمال کیا ہے۔ یہ بند اگر وہ ذرا سی زیادہ توجہ دیتے تو یوں لکھا جاسکتا تھا۔

سامنے اس کے ابھی راز کو افشاء نہ کروں خلش دل سے ابھی اس کو شناسا نہ کروں

(یہاں "دست و گریباں" محض الفاظ کا ضیاع ہے) "اس کے جذبات کو میں شعلہ بداماں نہ کروں" یہاں خطابت اور HYPERBOLE قاری کے لئے خاصی الجھن پیدا کرتا ہے۔ کہ موقع

محل کے اعتبار سے الفاظ بہت زیادہ شدت رکھتے ہیں۔ یہ مصرعہ یوں بدلا جاسکتا تھا۔ "اس کو آگاہ غم و رنج تمنا نہ کروں" کرب میں غلو محسوس نہ ہو تو رنج کی جگہ کرب بھی آسکتا ہے۔

آخری بند میں راشد صاحب اپنی لیلیٰ کو یا ہیر کو کہہ لیجئے' خود کشی کرتے ہوئے تصور میں دیکھتے ہیں۔ جس کے انجام پر دنیا تڑپ اٹھے گی۔ یہ ADOLESCENT عمر کی نہایت عامیانہ سطح کی تک بندی ہے۔

اس کے بعد نظم "رخصت" آتی ہے۔ اس کا پہلا مصرعہ ہی عامیانہ ہے۔ تکنیکی سطح پر ناقص ہے۔ "ہے بھیگ چلی رات" میں نے اگر غلط کہا ہے تو آپ بتایئے آپ "ہے بھیگ چلی رات" کو نظم کے "مکھڑے" کے مقام پر دیکھ کر کیا محسوس کررہے ہیں۔ یہ سترھویں صدی کا جنوبی بھارت کا شاعر نہیں کہہ رہا ہے۔ اچھا خاصا بائیس تیئیس برس کا جواں سال شاعر ہے جس کے چاروں طرف اچھی خاصی سطح پر شعر کہنے والے موجود ہیں۔ جو ایسے صریح معایب سخن سے بچنے میں تو بہرحال رہنمائی کرسکتے ہیں۔ اسے یوں بدل دیتے تو کیا مشکل تھی "شب بھیگ چلی اور پُر افشاں ہے قمر بھی" لہجہ تو فارسی آمیز ہے ہی۔ "پُر افشاں ہے قمر بھی" اس لئے شب کو رات کی جگہ لانے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ چھٹے مصرعے سے جو پُر تصنّع آہنگ Hyperbole کا چلا ہے وہ اصوات کا علم رکھنے والے قاری پر بڑا بوجھ بن کر آتا ہے۔ میرے خیال میں راشد صاحب اس وقت تک شیکسپیئر کا یہ قول تو یقیناً" سن چکے ہوں گے کہ "Brevity is the soul of wit" اچھی شاعری کے لئے لفظوں کی کفایت اور خطابت سے اجتناب دو سب سے اہم شرائط ہیں۔" (3)

اقتباس ذرا طویل ہوگیا' لیکن اپنی بات کی وضاحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ لفظوں کے در و بست اور شعروں کی بُنت میں معانی کے عکس (SHADES) دیکھنے اور ان کی تفہیم کے حوالے سے عمومی شاعری میں کی جانے والی کاوشوں کا کچھ احوال جان کر شاید یہ بات سمجھنا آسان ہوجائے کہ ہمہ جہتی شعری کاوشوں کو تنقید کی جتنی ضرورت ہے مقدس حوالوں سے مزیّن شاعری کو بیان کی صداقت' خیال کی پاکیزگی اور لفظیاتی اصابت قائم رکھنے کے لئے اس سے کہیں زیادہ تنقید کی ضرورت ہے۔

حمد و نعت کے علاوہ کوئی صنف شاعری بھی مقدس نہیں ہے۔ اس لئے ان تمام اصناف سخن میں مبالغہ' جھوٹ' فرضی قصّے اور حدیث نفس کا بیان معیوب نہیں ٹھہرتا بلکہ لسانیاتی حوالوں سے معیاری اور پیش آمدہ صورت حال (Situation) کے اعتبار اور فطرت سے قریب تر ہو تو لائق تحسین بھی ٹھہرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شاعری کو صداقت بیان' پاکیزگیٔ خیال' طہارتِ معانی

اور اصابتِ لفظ کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی نعت کی تخلیق اور اس کی قرأت (Reading) کے وقت ہوتی ہے۔ محولہ بالا اقتباس پر نظر ڈالئے اگر "ہے بھیگ چلی رات" کی تعقید لفظی ختم کرنے کے لئے "شب بھیگ چلی اور پُر افشاں ہے قمر بھی" کہہ دیا جائے گا تو خیال کو کونسی رفعت میسر آجائے گی اور مصرعے میں کونسی معنیاتی روشنی پیدا ہوجائے گی ____ لیکن بات رفعت خیال اور معنیاتی چکا چوند پیدا کرنے کی نہیں ہے۔ عیب تعقید دور کرنے کی ہے۔ نقاد نہیں چاہتا کہ نفس امّارہ کے سرچشمے سے پھوٹنے والی شاعری میں بھی زبان و بیان کا کوئی عیب رہے سو وہ اس میں اصلاح تجویز کردیتا ہے۔

عمومی شاعری میں الفاظ و خیالات اور گفتگو کے سارے رنگ، مجازی محبوب، شاعر کے آدرش یا کسی خوں شدہ آرزو کے حوالے سے اپنی چھب دکھلاتے ہیں۔ یہاں تمام حروف کی نسبت مجازی محبوب کی ذات سے ہوتی ہے۔ اس شاعری میں لفظی اور معنیاتی عدم مطابقت یا خیال کی کجی سے ایمانیات کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ پھر بھی دنیا بھر کے نقاد اس کی اتنی جانچ پڑتال کرتے رہتے ہیں--- جبکہ نعت میں خیال اور لفظ کا تعلق دین کے مکمل نظام فکر، وحی ربّانی کی تفہیم، مرسل آخر کی قولی، عملی اور کنایاتی (تقریری) تعبیر و تشریح اور حبّ رسالتؐ کی ایمان سے مشروط حد بندیوں سے ہوتا ہے ____ اس کے باوجود یہ صنفِ سخن تنقید سے بالا سمجھی جاتی ہے۔ محض اس لئے کہ خیال کے تمام دھارے، لفظوں کے تمام عکس اور معانی کی تمام لمعات کا رخ سوئے حجاز ہوتا ہے اور نعت کے متن کی نسبت حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوجاتی ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نعت کے لفظ لفظ کو ایمانیاتی سطح پر قبول کرنا کوئی دینی شرط ہے یا یہ محض ہماری عقیدت بے بصر کا پیدا کردہ التباس ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خود ربّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنی طرف مبذول کروانے کی غرض سے لفظ "راعنا" کے ترک کا حکم فرمادیا تھا۔ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین، رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے اس لفظ کا انتساب پوری عقیدت، کامل احترام، انتہائی درجہ کی محبت اور جذبۂ جاں نثاری کے ساتھ کرتے تھے۔ اس لفظ کو بگاڑ کے اس میں ذم پیدا کرنے کی کوشش تو یہودی کرتے تھے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کو ان کی بدنیتی اور شرارت سے آگاہ کردینا شاید کافی ہوتا۔ لیکن حکم کیا آیا؟ یہ کہ جس لفظ کے ذریعے یہودی اپنے باطن کی خباثت ظاہر کرتے ہیں اس لفظ ہی کو ترک کردو۔ اللہ رب العزت کو یہ بات سخت ناپسند ہوئی کہ اس کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ایسا لفظ بولا

جائے جس میں کچھ برے معانی بھی پوشیدہ ہوں یا جس کے اندر ذرا سی صوتی تبدیلی سے ذم پیدا کیا جا سکے۔ (4)

یہ بات بھی مشہور ہے کہ حضرت کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی نے قصیدۂ بانت سعاد میں جب "من سیوف الھند" کی ترکیب استعمال کی تو آقائے نامدار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "من سیوف اللہ" فرماکر اس شعر کی اصلاح فرمادی۔ (5)

لفظوں پر انتقاد کے علاوہ خیال کی اصلاح کا بھی حضور نبی کریم علیہ السلام نے ہمیشہ خیال رکھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک جگہ کچھ لڑکیاں دف بجاکر بدر کے کچھ شہداء کی شجاعت بیان کررہی تھیں۔ ایک لڑکی نے کہا "ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ بات مت کہہ اور جو تو پہلے کہتی تھی وہی کہہ۔" (تفصیل کے لئے نعت رنگ شمارہ 1 میں راقم کا مضمون ملاحظہ فرمائیے) (6)

اسی طرح عہد جاہلیت کے ایک شاعر امیہ بن ابی الصلت کے اشعار میں توحید اور حکمت کے مضامین ملاحظہ فرماکر اس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کے اشعار مومن کے سے اشعار ہیں مگر دل کافر کا سا۔" (7)

ان نظائر کی روشنی میں اس خیال کا تو ابطال از خود ہوجاتا ہے کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے جن الفاظ و خیالات کو نسبت ہوجائے وہ تنقید مروّجہ سے بلند و بالا ہوجاتے ہیں۔"

پھر انہی حقائق کی روشنی میں نعت پر تنقید کا نہ صرف جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ اس کی فرضیت کی طرف بھی واضح اشارے ملتے ہیں۔ اگر اس کو فرض عین نہ بھی سمجھا جائے تو کم از کم فرض کفایہ تو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ سو خاکسار اور نعت رنگ کے دیگر قلمی معاونین آج کل یہی فرض کفایہ ادا کررہے ہیں۔

نعتیہ شاعری کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے کا خیال مجھے خود بہت دیر سے آیا لیکن جب سے یہ خیال مجھے آیا میں خود کو اس کام کے آغاز کے لئے بے چین پاتا تھا۔ سو اب اللہ رب العزت نے "نعت رنگ" کے ذریعے میری یہ دیرینہ آرزو بھی پوری فرمادی۔

ہوا یوں کہ اپنے کالج کے اردو کے استاد محترم وسیم فاضلی صاحب کے سامنے میں نے ایک نعت کا شعر پڑھ دیا۔ لیکن میری توقع کے برعکس استاد محترم نے اس شعر کی تحسین فرمانے کے بجائے شعر کو مبتذل قرار دیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں مذکورہ شعر کے الفاظ و معانی پر عقیدت کا غلط اطلاق کرتا رہا ہوں لیکن اس مبنی بر جہل عقیدت کا بیج تو میرے دل میں اہل مدرسہ

نے بویا تھا۔ سیکنڈری اسکول میں محفل میلاد کا انعقاد ہوا تو ایک طالب علم نے نعت پڑھی اور انعام پایا تھا یہ شعر اسی نعت میں تھا۔

محمد عرش پر بیٹھے ہیں چپ خالق یہ کہتا ہے   تمہارا گھر ہے اپنے گھر میں شرمایا نہیں کرتے

کتنے افسوس کی بات ہے کہ میرے اسکول کے اساتذہ کے سامنے وہ نعت پڑھی گئی اور منصفین نے ایسے مبتذل شعر کی موجودگی کے باوجود اس نعت خواں لڑکے کو انعام کا مستحق قرار دیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میں برسوں یہ شعر پڑھ پڑھ کر داد وصول کرتا رہا اور سوائے وسیم فاضلی صاحب کے مجھے کسی نے بھی نہ ٹوکا۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ شاعر نے کیا گُل افشانی فرمائی ہے؟

شاعر نے شب معراج کو اپنی چشم تصور سے دیکھا اور ایسا سماں باندھا ہے کہ استغفراللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو شاعر نے عرش پر بٹھادیا لیکن خالق کے بارے میں واضح نہیں بتایا کہ وہ عرش پر متمکن ہے یا (نعوذباللہ) تعظیماً" عرش چھوڑ کر کھڑا ہوگیا ہے ____ شعر کا سیاق تو مؤخر الذکر صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (اللہ شاعر کے جہل کو معاف فرمائے ___ آمین)

دوسرے مصرعے میں تو شاعر نے شب اول کے مکالمات نقل کر کے معاملہ بندی کے جوہر دکھائے ہیں۔ (عیاذاً" باللہ)

اب ذرا مناسبات لفظی پر توجہ فرمایئے۔ چپ بیٹھنا اور شرمانا میں جو نسبت ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا گھر اور اپنے گھر میں گھر کی تکرار سے ملکیت غیر کی نفی کا تصور کتنا زور دار ہے۔ اگر یہ شعر غزل میں ہوتا تو شاید روایتی شعر کہنے والے اس پر داد کے ڈونگرے بھی برسادیتے لیکن نعت میں ہونے کی وجہ سے رکیک بھی ہے۔ تصور رسالت اور تصور توحید کے منافی بھی ہے اور واقعاتِ معراج کے خلاف تو ہے ہی۔ دوسرا مصرعہ پورا پورا شاعر نے اللہ رب العزت کی ذات سے منسوب کردیا ہے۔ گویا یہ Reported speech ہے اور یہ سراسر غلط ہے۔ ان الفاظ کا اللہ تعالٰی کی ذات پاک سے کوئی علاقہ نہیں۔ یہ مصرعہ مرزا شوق لکھنوی سے تو منسوب کیا جاسکتا ہے۔ خالق کائنات سے قطعاً" منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

اس شعر میں بیان کی صداقت' خیال کی نظافت' فکر کی اصابت اور موضوع (یعنی نعت) کی حرمت کچھ بھی تو موجود نہیں ہے۔ پھر بھی بے بصر عقیدت مندوں کے نزدیک یہ نعت ہے۔ اس تنقیدی فقدان' شعور دین کی عدم موجودگی اور شعری ذوق کی پستی پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔

میرے مضامین ایسی نعتیہ شاعری کے خلاف احتجاج کا درجہ رکھتے ہیں جو نہ تو شعری معیارات پر پوری اترتی ہے اور نہ ہی شرعی نزاکتوں کا پاس و لحاظ رکھ کر تخلیق کی گئی ہوتی ہے۔

پچھلے دنوں میرے بزرگ، معروف شاعر اور بلند پایہ نقّاد قمر جمیل صاحب نے اپنے ایک اخباری کالم میں "نعت رنگ" کے پانچویں شمارے پر تبصرہ کرتے ہوئے میرے مضمون "اردو نعت اور شاعرانہ رویّہ" پر کچھ اعتراضات فرمائے ہیں دل چاہتا ہے کہ میں ان کی تحریر کا متعلقہ حصہ من و عن یہاں نقل کردوں:-

"میں اپنے اس کالم کے آخری حصہ میں یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ عزیز احسن کے دو مضامین اس نعت رنگ میں شائع ہوئے ہیں ایک تو نسیم سحر صاحب کی نعت گوئی کے بارے میں ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نسیم سحر صاحب بذات خود کوئی ممتاز شاعر نہیں ہیں لیکن بہرحال نعتیں بہت اچھی لکھی ہیں جن کی بنیاد پر عزیز احسن صاحب نے یہ مضمون لکھا ہے عزیز احسن صاحب کو خدا اس کی جزائے خیر دے۔ عزیز احسن صاحب میرے قابل قدر دوست ہیں نعت رنگ میں ان کے مضامین چھپ رہے ہیں اس سے بڑی خوشی ہوئی نعت رنگ میں ان کا مضمون اردو نعت اور شاعرانہ رویّہ پڑھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ اس میں انہوں نے اس طرح کی باتیں لکھی ہیں۔

1- اردو کی نعتیہ شاعری میں شاعرانہ رویّے کا شروع ہی سے فقدان ہے۔ اس میدان میں بڑی شاعری اب تک صرف ایک خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر ہونے کے لئے شعرا کو مسلسل دعوت دے رہی ہے۔

2- ایسی شاعری جو نعت کے بھی جملہ تقاضے پوری کرتی ہو اردو میں بہت کم ہے۔

3- شکوہ جواب شکوہ اپنی مقبولیت کے باوجود شاعری کے اعلیٰ نمونوں میں شامل کئے جانے کے قابل نہیں ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ عزیز احسن صاحب نے لکھا ہے کہ "مسجد قرطبہ" شاعرانہ رویّہ کے باعث ایک تخلیقی شاہکار کا درجہ حاصل کر چکی ہے Thank God

آگے چل کر عزیز احسن صاحب لکھتے ہیں۔

میرے نزدیک سلیم گیلانی کی یہ نظم شاعرانہ رویّہ کے اظہار اور تمثال آفرینی Imagery کی عمدہ مثال ہے یہ کیس بھی نسیم سحر والا کیس ہے یعنی سلیم گیلانی بھی بہت کمزور شاعر ہیں۔ انہیں اس مضمون میں شاید اس لئے شامل کیا گیا کہ وہ بھی ایک کمزور شاعر ہیں۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جناب عزیز احسن صاحب کیا نسیم سحر اور سلیم گیلانی کے ساتھ گوئٹے کا نام آنا چاہئے اور اس کی نعت کا ذکر ہونا چاہئے جس کا شمار دنیا کے عظیم

ترین شاعروں میں ہوتا ہے' نہیں صاحب ہر گز نہیں ہونا چاہئے بہرحال گوئٹے دنیا کا اور خاص طور پر مغرب کا بہت بڑا شاعر ہے۔ اس کی نظم Mahomet's Song آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی ہوئی بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔

بہرحال بعد میں مجھے عزیز احسن صاحب نے بتایا کہ ان کا یہ مضمون ان مضامین کے تسلسل میں ہے جو وہ نعت رنگ نمبر1 سے نعت رنگ نمبر4 تک لکھ چکے ہیں نعت رنگ نمبر 2 میں عزیز احسن صاحب نے لکھا تھا "یہ بات ابتدا ہی میں واضح کردوں کہ میرے مخاطب وہ نعت گو شعرا ہیں جو محض اپنے جذبہ کے بل بوتے پر نعت گوئی کے میدان میں آگئے ہیں جنہیں شعر کے معیارات جانچنے اور نعتیہ شاعری کے لئے بنیادی معلومات حاصل کرنے کا نہ تو خود موقعہ ملا ہے اور نہ ان کے Audience نے انہیں کبھی اس ضرورت کا احساس دلایا ہے (Audience سے عزیز احسن کی مراد سامعین ہیں) دراصل اعلیٰ شاعری کا کوئی نہ کوئی تصور رکھنے والے لوگ ہی اعلیٰ شاعری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش میں کامیابی تو نصیب کی بات ہے لیکن یہ طے ہے کہ خود اپنی تحریریں پڑھ پڑھ کے خوش ہونے کے عادی شعرا کبھی اعلیٰ شاعری کرہی نہیں سکتے۔ (نعت رنگ نمبر2 صفحہ 64 " نعت رنگ اور شعریت")

کاش یہ نوٹ نعت رنگ نمبر5 میں عزیز احسن صاحب کے مضمون کے ساتھ شائع ہوتا۔ (8)

قمر بھائی سے میری ارادت مندی اور ان کی مجھ پر شفقت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ان کے حوالے سے کوئی اختلافی بحث چھیڑوں۔ لیکن نعت کا علمی و تاریخی تناظر بالکل معروضی (Objective) انداز کی وضاحتوں کا متقاضی ہے اس لئے عرض کرتا ہوں کہ :
قمر بھائی نہ تو نعت کے شاعر ہیں اور نہ ہی ان کی توجہ کبھی اس موضوع پر مبذول کروائی جاسکی ہے۔ پھر جیساکہ ان کے مضمون کے آخری حصے سے واضح ہوا انہوں نے میرے مضامین بھی پورے نہیں پڑھے ہیں۔ اس لئے بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے میری تحریر کو نعتیہ شاعری کے پس منظر و پیش منظر میں نہیں بلکہ جذباتیت کے حوالے سے پڑھا ہے۔
قمر بھائی خود بہت اچھے شاعر اور اعلیٰ درجے کے نقّاد ہیں۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دنیا کی ہر زبان میں موزوں طبع ناظم (Versifier) تو بہت ہوتے ہیں لیکن حقیقی شعرا ہر زمانے میں قلیل رہے ہیں۔ یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ دینی شاعری کی

طرف عموماً" حقیقی شاعر کم متوجہ ہوتے ہیں اور جو شعرا مذہبی شاعری کرتے ہیں ان میں بیشتر مذہبی تعلیمات سے کماحقہ، آگاہ نہیں ہوتے ہیں۔ اسی لئے میں نے اردو نعتیہ شاعری کے سرمائے میں بڑی شاعری کی کمی کا احساس دلایا تھا۔

( ) اقبال ایک عظیم شاعر ہیں۔ میں تو ان کے حوالے کے بغیر لقمہ نہیں توڑتا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی عظیم شاعر کی ہر تخلیق عظیم نہیں ہوتی۔ شاہکار نظموں کی تعداد ہر شاعر کے ہاں کم ہوتی ہے۔ "مسجد قرطبہ" اقبال کی شاہکار نظم ہے جبکہ شکوہ جواب شکوہ پنچائتی خیالات پر مبنی نظمیں ہیں۔ عوامی مقبولیت کے حوالے سے چاہے ان دونوں نظموں کا گراف کسی قدر بلند ہو، شعری تقاضے "مسجد قرطبہ" ہی میں پورے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اول الذکر نظموں کے مقابلے میں مسجد قرطبہ کی شاعری کو اعلیٰ شاعری لکھا تھا۔ کسی شاعر کے کلام کی درجہ بندی خود اسی شاعر کے شاعرانہ رویّے، شعری جمالیات اور فکری و ادبی اسلوب اظہار کی روشنی میں کرنا کبھی بھی قابل اعتراض نہیں ٹھہرا ہے۔ یہ بات قمر بھائی مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔

قمر بھائی نے گوئٹے کے نام کے ساتھ کمزور شاعروں کے ذکر پر اعتراض فرمایا ہے۔ اعتراض بجا ہے۔ لیکن اس وضاحت کے بعد شاید اس اعتراض کی بنیاد بھی متزلزل ہوجائے کہ نسیم سحر کا ذکر تو اس مضمون میں تھا ہی نہیں جس میں گوئٹے کی نعتیہ نظم کا حوالہ تھا۔ سلیم گیلانی کا نام بھی گوئٹے کی شاعری سے موازنہ کرنے کی غرض سے نہیں آیا تھا بلکہ ایک جداگانہ مثال کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ ان کی نظم کو معروضی انداز سے ملاحظہ فرمانے کی ضرورت تھی۔

پھر عمومی یا ہمہ جہتی شاعری (General Poetry) کے معیارات، عصری تقاضوں، مجموعی شاعرانہ رویّوں اور بین الاقوامی شعریات (Poetics) کے تناظر میں میں نے نسیم سحر اور سلیم گیلانی کی شاعری کو نہیں سراہا تھا بلکہ اردو نعت کے پس منظر اور پیش منظر کی روشنی میں اپنی معروضات پیش کی تھیں۔ دراصل میرا مضمون قاری اساس تنقیدی نقطۂ نظر کی نذر ہوگیا۔ قمر بھائی نے ساختیاتی فکری رو میں میرا مضمون پڑھا لیکن اس کا تاریخی تناظر یکسر نظرانداز کردیا۔ میری خواہش ہے کہ قمر بھائی نعتیہ شاعری کو بھی اپنی تنقیدی بصیرت سے پرکھنے پر آمادہ ہوجائیں۔

مضمون کے آخر میں یہ بات بھی واضح کرتا چلوں کہ قمر جمیل صاحب کا تعلق نعت کے حوالے سے کسی بھی مکتبۂ فکر سے نہیں ہے، اس لئے میرے مضمون کے مندرجات کا محرک ان کا مضمون نہیں۔ بلکہ دنیائے نعت کے بعض علماء کا وہ نقطۂ نظر ہے جو نعت کے لفظ لفظ کو مقدس جان کر قبول کرلینے کا مشورہ دیتا ہے۔

حوالہ جات

1- نعت نبی میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں' عزیز احسن' نعت رنگ نمبر1'
صفحات 205 تا 246

2- دریافت کراچی۔ شمارہ 2-3 جلد 2 اپریل مئی 1991ء مدیر قمر جمیل۔ صفحہ نمبر 28۔
(ایذرا پاؤنڈ کا ایک مضمون "استاد کا مشن" ترجمہ اعجاز احمد)

3- ن۔ م۔ راشد۔ ایک عالمی سطح کا شاعر۔ حمید نسیم۔ مشمولہ سوغات شمارہ 7۔ بنگلور' بھارت۔
مدیر محمود ایاز۔
(صفحات نمبر 238' 239 ____ 248 سے 249 تک)

4- نعت نبی میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں۔ عزیز احسن۔ نعت رنگ نمبر 1۔
صفحات 205 تا 246۔

5- ____ ایضاً ____

6- ____ ایضاً ____

7- بلوغ الارب' تالیف محمود شکری آلوسی۔ ترجمہ پیر محمد حسن۔ جلد چہارم۔
مرکزی اردو بورڈ۔ لاہور۔ صفحہ نمبر 62

8- روزنامہ جسارت۔ ادبی صفحہ۔ کالم۔ دروازے۔ قمر جمیل

شعرائے میرٹھ کی نعت نگاری

نور احمد میرٹھی

اردو زبان و ادب کے فروغ و استحکام میں میرٹھ سے متعلق شعرا و ادباء نے تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔ متحدہ ہندوستان کے جغرافیہ کا میرٹھ ایک ایسا مشہور شہر ہے جس کے باشندوں نے تصنیف و تالیف، تاریخ و تہذیب، زبان و ثقافت، تعلیم و تمدن اور مذہبی و سیاسی حوالے سے یادگار خدمات انجام دی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ میرٹھ کا نام میراشٹر تھا۔ ڈاکٹر راجیندر کمار نے بتایا ہے کہ ایک روایت کے مطابق دیتی کے لڑکے، ہیما کے شوہر مندوری کے والد اور راون کے خسر "میے" نامی نے اس بستی کی بنیاد رکھی تھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مہابھارت نامی دور میں "میے" نے مہاراشٹرنامی شہر اس زمین پر بسایا تھا جو یودھیشنر نے "میے" کی خدمات سے خوش ہو کر اس کو دی تھی۔ آج میرٹھ بھارتی صوبے "اترپردیش" کے اُتر پچھمّی حصہ میں واقع ہے۔ اس کے پورب میں مراد آباد اور بجنور، شمال میں مظفر نگر اور سہارنپور، دکھن میں دہلی اور بلند شہر اور پچھم میں پنجاب کا علاقہ ہے۔ یہ تاریخی شہر دوآبہ کا حصہ ہے۔ میرٹھ کمشنری میں ہے جس میں کئی ضلع شامل ہیں اور خود ضلع میرٹھ میں عبداللہ پور، بجرول، باغپت، غازی آباد، ہاپوڑ، ہستناپور، جلال آباد، مراد نگر، پریشت گڑھ، پھلاودہ، سردھنہ، ملھوڑا، موانہ، گڑھ مکتیشر، ایکڑی، بام نولی، شیخوپورہ، داسنا، کھرکھودہ، بھوما، الدن، کٹھور، مودی نگر اور پابلی وغیرہ شامل ہیں۔ چند سال پہلے غازی آباد کو ضلع بنا دیا گیا ہے۔

جغرافیائی نقطۂ نظر سے میرٹھ کی اہمیت ہر دور میں تسلیم کی گئی ہے۔ یہ بات ہر عہد میں دیکھی گئی ہے کہ یہاں کے مشاہیر نے مختلف شعبوں میں تاریخ ساز خدمات انجام دی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ابتدا یعنی انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں پہلی بغاوت میرٹھ سے شروع ہوئی جسے انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔ اس پر مسلمانوں نے ہراول دستہ کا کردار ادا کیا۔ اس بغاوت کا سبب بنیادی طور پر اسلامی تعلیمات سے ہی تھا۔

میرٹھ نے نامور مسلم رہنما، اسکالرز اور ادیب و شاعر پیدا کئے۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ، بھیّا الٰہی بخش، نواب محمد اسحاق خاں، نواب محمد اسماعیل خاں، حکیم فصیح الدین رنج، مولانا احمد حسن شوکت، نواب رشید خاں، مولوی اسماعیل میرٹھی، غلام مولیٰ قلق، بابائے اردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر شوکت سبزواری، عثمان فارقلیط، حقی حزیں، فرقانی و شاکی، کفایت علی

تنہا‘ شاہ عبدالعلیم صدیقی‘ بیاں یزدانی‘ ساغر نظامی‘ ندرت میرٹھی‘ صوفی اکبر وارثی‘ اطہر ہاپوڑی‘ پروفیسر حبیب الرحمان صدیقی‘ روش صدیقی‘ عبدالباری آسی اور صوفی وارثی کے ناموں سے کون واقف نہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی‘ شاہ احمد نورانی‘ پروفیسر کرار حسین‘ احسان دانش‘ نواب زادہ اکرام احمد خاں‘ جی۔ اے مدنی‘ سلیم احمد‘ پروفیسر حسن عسکری‘ یحییٰ تنہا‘ افتخار احمد عدنی‘ انتظار حسین‘ ڈاکٹر نجم الاسلام‘ احمد ہمدانی‘ بشیر بدر‘ زیڈ۔ اے۔ نظامی‘ عبدالوحید خاں‘ ڈاکٹر سعدیہ حسیم‘ ڈاکٹر زہب اکرام‘ حشمت نجمی‘ حفیظ میرٹھی‘ مظفر احمد ضیاء‘ عالمتاب تشنہ‘ ڈاکٹر مہر نگار‘ رابعہ نہاں‘ رزمی صدیقی‘ ڈاکٹر مقصود زاہدی‘ مظفر وارثی‘ جمیل زبیری‘ پاپولر میرٹھی‘ مظہر یوسف‘ اختر بیگانہ‘ فہمیدہ ریاض وغیرہ بھی کب محتاج تعارف ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ باشندگان میرٹھ نے مسلمانوں کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ علم و ادب میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

یہ امر باعث اعزاز ہے کہ شعرائے میرٹھ نے نعت کی طرف خصوصی توجہ مرکوز رکھی۔ اکبر وارثی اور مظفر وارثی کی نعت پہچان بنی۔ میرٹھ کے بہت سے شعرا کے نعتیہ مجموعے اہتمام سے شائع ہوئے ہیں۔ غیر مسلم شعرا نے بھی خوبصورت نعتیں کہی ہیں۔ شاعرات نے بھی حرف و لفظ کے نذرانے پیش کئے ہیں۔ زیر نظر تحریر میں میرٹھ سے متعلق کچھ شعرا کا حسن عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اسماعیل‘ مولوی محمد اسمٰعیل (۱۸۴۴ء - ۱۹۱۷ء)

عالم میں غلغلہ ہے محمدؐ کے نام کا — آوازہ ہے بلند صلوٰۃ و سلام کا
ہے آب و گلِ میں غایت مقصود تیری ذات — ہے جان و دل میں تو ہی خلاصہ مرام کا
ہے نور حق جبین مبارک سے آشکار — تجھ سے مقابلہ نہیں ماہ تمام کا
عقبیٰ ہے بزم گاہ ترے لطف خاص کی — دنیا ہے مدرسہ ترے ارشاد عام کا
لائی نسیم نکہت گیسوئے مصطفےٰؐ — ہے عرش پر دماغ ہمارے مشام کا

(مولوی محمد اسماعیل: ایک مطالعہ)

شیفتہ‘ نواب مصطفےٰ خاں (۱۸۰۶ء - ۱۸۶۹ء)

کیا تھا نور جب اللہ نے پیدا محمدؐ کا — اسی دن سے ہوا ہے عاشق شیدا محمدؐ کا
فرشتے قبر میں پوچھیں گے گر مجھ سے تو کہہ دونگا — کہ ہوں بندہ خدا کا اور ہوں شیدا محمدؐ کا
بشر کی تاب و طاقت کیا جو لکھے نعت احمدؐ کی — خدا ہی جانتا ہے خوب بس رتبہ محمدؐ کا

خدا بھی حشر میں پوچھے گا گر عاشق تو کس کا ہے ۔ تو کہہ دوں گا محمدؐ کا، محمدؐ کا، محمدؐ کا

تمنا ہے کہ فوراً جاں بحق تسلیم ہو جاؤں

نظر آئے جو مجھ کو شیفتہ روضہ محمدؐ کا

ساغر نظامی، صمد یار خاں (۱۹۰۵ء۔ ۱۹۸۴ء)

حسن سراپا، عشق مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ روئے منور، گیسوئے پُرخم صلی اللہ علیہ وسلم

صاحب قرآں، فخر رسولاں، خسرو دیں، رحمت یزداں ۔ بادۂ عرفاں، ساقیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

انس کا مرکز، خیر کا مامن، شوق کا مرجع، درد کا مسکن ۔ حسن کا منبع، عشق کا سنگم صلی اللہ علیہ وسلم

زخمۂ وحدت، نغمۂ کثرت، ساز محبت، راز خلقت ۔ عنوان افسانۂ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

فرش سے ہے تا عرش اجالا، ذرّہ ذرّہ نور کا ہالہ ۔ شمع دو عالم، مہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اے کہ طبیب عالم امکاں، چارہ گر بیمارئ انساں ۔ تو نے رکھا زخموں پہ مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

ساز ازل سے سوز ابد تک ایک ترنّم ایک تلاطم ۔ ربط جاری، نغمۂ پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

سر میں ہجوم شوق کا طوفاں، آنکھوں میں سو ابر باراں

کوئے مدینہ اور یہ موسم صلی اللہ علیہ وسلم

(ارمغان نعت)

قلق، حکیم غلام مولیٰ (م۔ ۱۸۸۰ء)

برق سحاب مہر ہے ابروئے مصطفےٰؐ ۔ ہے طرّۂ اس پہ سایۂ گیسوئے مصطفےٰؐ

ہے تشنگان یاس کا کس درجہ اہتمام ۔ کوثر لگی ہوئی ہے سر کوئے مصطفےٰؐ

ظلمت کے یہ نصیب کہ آب بقا ملے ۔ کچھ پڑ گیا ہے سایۂ گیسوئے مصطفےٰ

کیوں کر نہ دیر و کعبہ میں ہم رنگ نور ہو ۔ یاں پشت مصطفےٰؐ ہے وہاں روئے مصطفےٰؐ

اہل حساب پوچھتے ہو کیا قلق کا حال

ہاں رند ہے مگر ہے ثنا گوئے مصطفےٰؐ

(کلیات قلق)

سلیم احمد (۱۹۲۷ء۔ ۱۹۸۳ء)

شوق بے حد، غم دل، دیدۂ تر مل جائے ۔ مجھ کو طیبہ کے لئے رخت سفر مل جائے

نام احمدؐ کا اثر دیکھ جب آئے لب پر
چشم بے مایہ کو آنسو کا گہر مل جائے
چشم خیرہ نگراں ہے رخ آقاؐ کی طرف
جیسے خورشید سے ذرے کی نظر مل جائے
یاد طیبہ کی گھنی چھاؤں ہے سر پر میرے
جیسے تپتی ہوئی راہوں میں شجر مل جائے
نخل صحرا کی طرح خشک ہوں، وہ ابر کرم
مجھ پہ برسے تو مجھے برگ و ثمر مل جائے

(چراغ نیم شب)

احمد طاہر (و۔ ۱۹۳۲ء)

شفیع روز جزا مہرباں مدینے میں
ہے آستان شہ انس و جاں مدینے میں
ہوئی نگاہ کرم جب گناہ گاروں پر
ملی ہے قلب و نظر کو زباں مدینے میں
در حضورؐ پہ نظروں سے گر گئی دنیا
نفس نفس ہے بہت شادماں مدینے میں
ملائکہ بھی درود و سلام بھیجتے ہیں
ہے اعتبار زمین و زماں مدینے میں
مہک رہے ہیں مدینے کے سب گلی کوچے
کھلا ہوا ہے عجب گلستاں مدینے میں

(ختم سفر)

بیدل، مولانا عبدالسمیع (م۔ ۱۹۰۰ء)

ہو سلام ان پر عرب جن کے سبب گلزار ہے
سنبل و ریحاں سے بھی خوشتر وہاں کا خار ہے
جو نبیؐ پر اپنے دیوانہ ہے عاقل ہے وہی
جو ہوا مست ان کی الفت میں وہی سرشار ہے
آپؐ کی ہستی سے کُل ہستی خدا نے ہست کی
آپؐ ہی کے نور سے ہر نور کا اظہار ہے
ہے مدینہ دور اور بیدل ضعیف و ناتواں
رحمت للعالمینؐ کی اک کشش درکار ہے

(گلدستہ نعتیہ مشاعرہ)

مظفر وارثی (و۔ ۱۹۳۳)

میری ہر سانس چمکتی ہے اجالے سے ترے
چاند ہی چاند مجھے مل گئے ہالے سے ترے
میرا اپنا کوئی چہرہ ہے نہ آنکھیں نہ وجود
اب تو پہچانتے ہیں لوگ حوالے سے ترے
جو محبت مجھے تجھ سے ہے وہ کتنی ہوگی
ٹوٹ کر پیار کروں چاہنے والے سے ترے
تیری تعریف کا اسلوب کہاں سے لاؤں
سارے انداز انوکھے سے نرالے سے ترے
گھول دے میری سماعت میں بھی آہٹ اپنی
ایک بھٹکا ہوا غازی ہوں رسالے سے ترے
حشر تک کے لئے کر جائے گی سیراب مجھے
اگر اک گھونٹ بھی مل جائے پیالے سے ترے
یہ بھی اک پھول ہے سادہ سا ترے صحرا کا
رنگ مل جائے مظفر کو بھی لالے سے ترے

بیاں ویزدانی، سید محمد مرتضیٰ (۱۸۵۰ء-۱۹۰۰ء)

تضمین

شب وصل خالق بحروبر، گیا چھپ کے وہ مہ سیمبر   پھرا شمس ڈھونڈتا اور قمر، گئی ڈھک بھر گئی تھک نظر
لگا کہنے سدرہ کا ہمسفر، کہ وہ بعد سدرہ گیا کدھر   مجھے منتہیٰ کی نہیں خبر، ہے اگر خبر تو اسی قدر

بلغ العلیٰ بکمالہٖ ، کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ، صلّوا علیہ و آلہٖ

وہ حبیب رب غفور ہے وہ شفیع روز نشور ہے   وہ طلوع نور ظہور ہے، کہ ظہور اس سے وہ نور ہے
فلک اس کے نور کا طور ہے، اسے لامکاں سے عبور ہے   وہ حقیقتاً" بڑی دور ہے یہ ترانہ لب حور ہے

بلغ العلیٰ بکمالہٖ ، کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ، صلّوا علیہ و آلہٖ

مہ مطلب جو ہوا طلب، سوئے کنج خلوت خاص رب   ہوئی آسمانوں میں دھوم تب، کوئی سجدہ ریز رہ ادب
کوئی چرخ زن زرہ طرب، کوئی پائے بوس بصد عجب   گئے سب شکوہ میں اسکے دب، یہ پکارنے لگے سب کے سب

بلغ العلیٰ بکمالہٖ ، کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ، صلّوا علیہ و آلہٖ

وہ فلک میسر کدھر گیا، وہ فلک کے پار اتر گیا   وہ کمال شیشہ میں کر گیا، رہا ثابت اور گزر گیا
نہ ملک گیا نہ بشر گیا، نہ خبر گئی، نہ اثر گیا   فلک نہم سے ادھر گیا، فلک اس ترانے سے بھر گیا

بلغ العلیٰ بکمالہٖ ، کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ، صلّوا علیہ و آلہٖ

کہوں کیا بلندی عزّوشاں کہ حضور حق گیا میہماں   تو دیا مکاں اسے لامکاں، وہ جبیں ہوئی مہ آسماں
ہوا ہالہ دائرہ کماں، کیا نور ذات میں پھر نہاں   شدہ راز ہائے نہاں عیاں، زپئے عیاں چہ کند بیاں

بلغ العلیٰ بکمالہٖ ، کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ، صلّوا علیہ و آلہٖ

(بیاں میرٹھی۔ حیات وشاعری)

آسی، مولانا عبدالباری (۱۸۹۳ء-۱۹۴۶ء)

وہی ہیں طاہر وہی مطہر وہی ہیں شافع وہی پیمبرؐ
وہ سب سے افضل وہ سب سے بالا وہ سب کے رہبر وہ سب سے برتر
تحیّت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

شفیق سب کے ادیب سب کے انیس سب کے خلیل سب کے
رفیق سب کے حبیب سب کے رئیس سب کے کفیل سب کے
تحیّت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

مہ منور ہیں وہ عرب کے نہ ابر ان پر نہ کوئی ہالا
جہاں کے حق میں سبب طرب کے بہ لطف برتر بہ خلق اعلا
تحیّت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

حکیم امت رحیم صورت کریم سیرت عظیم ہیبت
شریف طینت قسیم جنت دلیل ملت رفیع رفعت
تحیّت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

شہیر عالم بہ خوش کلامی عرب کے والی عجم کے حامی
جہاں کے مولا جہاں میں نامی بہ دل مکرم بہ جاں گرامی
تحیّت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

وہ ساتھ شمع ہدیٰ جولائے تو بت ہوئے خیرہ سر جھکائے
چراغ ملت کے یوں جلائے کہ ذرّے دنیا کے جگمگائے
تحیّت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

کہاں تک آسی یہ ہرزہ کوشی کہاں تک آخر یہ سخت جوشی
کہاں تک اتنی سخن فروشی یہ کہہ کے ہو مائل خموشی
تحیّت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

(ارمغان نعت)

اظہار، اظہار حسن خاں (۱۸۹۹ء-۱۹۷۱ء)

اے کہ ترا وجود ہے باعث تخلیق کائنات اے کہ ترا وجود ہے آئینہ دار حسن ذات
یوں ہی فلاح و خیر میں تو نے گزار دی حیات ذکر خدا تمام دن، شکر خدا تمام رات

(تذکرۂ شعرائے اترپردیش، حصہ سوم)

جمیل، جمیل احمد (۱۹۲۴ء-۱۹۷۹ء)

تڑپ کر یہ نبیؐ کی یاد میں صورت نکالی ہے نبیؐ کی یاد ہی وجہ سکون دل بنا لی ہے
مآل کار برحق آسرا پایا محمدؐ کا یہ دنیا آزما لینے کی حد آزما لی ہے
سراپا التجا بن کر در اقدس پہ بیٹھا ہوں زباں خاموش ہے لیکن مری صورت سوالی ہے
یکایک یہ نظر کی روشنی بڑھنے کے کیا معنی زیارت روضۂ اطہر کی شاید ہونے والی ہے

تم آقائے دو عالم ہو جسے چاہو سو دیدو
میں جو کچھ مانگ لوں کم ہے، سوالی پھر سوالی ہے

(گلدستہ نعت شریف، میرٹھ)

حزیں، توفیق الحق حقیؔ (۱۹۲۱ء-۱۹۷۰ء)

سرکار مدینہؐ کی محفل جو سجائی ہے رحمت کی گھٹا گھر کے کس شان سے آئی ہے
لو سرور عالمؐ سے ہم نے تو لگائی ہے دنیا سے ہے کیا لینا، دنیا تو پرائی ہے
ہر آن مدینہ کی رہتی ہے لگن دل میں یہ درد جدائی بھی کیا درد جدائی ہے
آلودۂ عصیاں ہوں طالب ہوں معافی کا امید کرم مجھ کو اس بزم میں لائی ہے

اے کاش حزیںؔ پر بھی رحمت کی نظر ہو جائے
زحمت تو بہت اس نے دنیا میں اٹھائی ہے

(گلدستہ نعت شریف، باب سال ۱۳۸۷ھ تا ۱۳۹۱ھ)

اطہر، پروفیسر اطہر صدیقی (و-۱۹۳۳ء)

میں ہوں اور جلوۂ میخانۂ بطحائی ہے روح کی پیاس نگاہوں میں سمٹ آئی ہے
منظر گنبد خضرا ہے مری آنکھوں میں اب کھلا مجھ پہ کہ کیا قیمت بینائی ہے
عقل حیران ہے اس آئینے کی خوبی پر آئینہ ساز نے خود جس کی قسم کھائی ہے

فقر کی شان غلامان نبیؐ سے پوچھو   فقر نے دولت کونین بھی ٹھکرائی ہے

کیا کہوں بے خودیٔ شوق مدینہ انگھر
کتنے شہروں کے عذابوں سے بچا لائی ہے

(سورج کی خدائی)

حفیظ، حفیظ الرحمٰن (و۔ ۱۹۲۲ء)

شاہوں کے بھی سرتاج غلامان محمدؐ   یاران محمدؐ تو ہیں یاران محمدؐ

تابندہ عقیدہ دیا، تہذیب عطا کی   تاریخ نہ بھولے گی یہ احسان محمدؐ

محدود نہیں ہے یہ مہ و سال و صدی میں   ہر دور کی آواز ہے اعلان محمدؐ

بے مثل صحیفے کی طرح سینۂ اطہر   جزدان کی مانند گریبان محمدؐ

گھبرا کے مسلماں یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے   کیا چھوٹ گیا ہاتھ سے دامان محمدؐ

(متاع آخر شب)

مسرت، منور جہاں

یارب رہوں میں شیفتہ نعت شریف کا   اعجاز ہو لقب مری نظم لطیف کا

نام خدا ہو جب چمن آرا حضورؐ سا   ڈر کیا ربیع گلشن دین کو خریف کا

گل میں کہاں ترے لب معجز نما کا رنگ   کیا ذکر ہے لطیف کے آگے کثیف کا

تعریف کیا لکھوں ترے اصحاب پاک کی   حامی ہر ایک تھا تری شرع شریف کا

بس اس قدر ہے عرض مسرت حضور میں
رکھنا خیال روز جزا اس نحیف کا

(گلستان مسرت: ۱۸۹۹ء)

ظفر وارثی، محمد شجاع الدین احمد (و۔ ۱۹۴۰ء)

شاہ دنیا و دیں جھک رہی ہے جبیں   رنگ کیا ہے حسیں تیرے دربار کا

شہر بطحا مجھے تیرا سایا لگے   نور ہی نور آئے نظر جا بہ جا

تیرا گنبد ہے زینہ مناجات کا
تیری چوکھٹ مصلیٰ عبادات کا

جن، فرشتے بشر تیرے دریوزہ گر   پتھروں نے بھی تیرا قصیدہ پڑھا

شاہ دنیا و دیں جھک رہی ہے جبیں رنگ کیا ہے حسیں تیرے دربار کا

اس جہاں سے بھی پہلے تھے چرچے ترے

ثبت ہیں پردۂ کُن پہ جلوے ترے

عظمت خاک تو فخر افلاک تو فرش سے عرش تک سلسلہ ہے تیرا

شاہ دنیا و دیں جھک رہی ہے جبیں رنگ کیا ہے حسیں تیرے دربار کا

رشک مہتاب ہے تیری قندیل بھی

تیری پرواز سے دنگ جبریل بھی

ماورائے نظر ہے تری رہ گزر مطلع ہر سحر ہے ترا نقش پا

شاہ دنیا و دیں جھک رہی ہے جبیں رنگ کیا ہے حسیں تیرے دربار کا

تو مری روح پر حکمرانی کرے

تیری رحمت مری پاسبانی کرے

نام بھی لو اگر دل میں کھلتے ہیں در در سے آتی ہے خوشبوئے صلّ علیٰ

شاہ دنیا و دیں جھک رہی ہے جبیں رنگ کیا ہے حسیں تیرے دربار کا

(گہرے پانی)

حافظ عبدالشکور خاں (و۔۱۹۰۱ء)

مدینے کی وہ سرزمیں اللہ اللہ مکاں اللہ اللہ، مکیں اللہ اللہ

حسینوں میں سب سے حسیں اللہ اللہ ستاروں میں ماہ مبیں اللہ اللہ

مکمل شریعت، سراپا طریقت حقیقت تری شاہدیں اللہ اللہ

وہ نورؐ علی نور نور حقیقت وہ کملی میں اک مہ جبیں اللہ اللہ

(شاہکار زندگی)

پروفیسر شائستہ زیدی (و۔۱۹۳۹ء)

ہو مسیحا تمؐ میں بیماروں میں ہوں چارہ گرا میں بھی تو بیچاروں میں ہوں

آپؐ کا در ہی مری پہچان ہے آپؐ کی ہوں گو خطا کاروں میں ہوں

سعدیہ نسیم، ڈاکٹر نسیم آراء سعید

حضورؐ آپ کے در پر کھڑی ہوں نم دیدہ نہیں ہے حال مرا آپؐ سے تو پوشیدہ

ہو مجھ پہ سایہ فگن مہر و لطف بے پایاں — کہ روز و شب نہ رہوں اس طرح میں نالیدہ
حبیبؐ کبریا مجھ کو یہیں بسا لیجے — ہیں میرے دیدہ و دل آپؐ ہی کے گرویدہ
نزول رحمت پروردگار ہو ہر دم — میں آپ ہی کو فقط دیکھتی ہوں دزدیدہ
خدا کے سامنے رکھ لیجیے گا شرم مری — نہ روز حشر کھڑی ہوں کہیں میں ترسیدہ

(خواب اور آئینہ)

نشتر، سرداری لال (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۵۲ء)

جناب محمدؐ شہ انبیاء تھے — مگر دستگیر امیر و گدا تھے
طلسم عداوت کو حضرتؐ نے توڑا — خلائق میں رشتہ محبت کا جوڑا
یتیموں کے محسن نگہبان تھے وہ — غریبوں پہ سو دل سے قربان تھے وہ
گناہوں کے جس وقت طوفاں بپا تھے — وہی کشتیٔ دہر کے ناخدا تھے
کئے صاف پہلے تو دل کاوشوں سے — جلا دی پھر اخلاق کی تابشوں سے
بچایا ہر انسان کو لغزشوں سے — رہائی جہاں کو ملی شورشوں سے
زمانہ میں کس طرح رہتی غلامی — کہ تھے آپؐ آزادیوں کے پیامی
ہیں ممنون احسان ذات گرامی — عراقی و ترکی، حجازی و شامی

فقط ایک نشتر ہی کیا مدح خواں ہے
ثنا خواں محمدؐ کا سارا جہاں ہے

(ہندو شعرا کا نعتیہ کلام)

اعجاز، محمد صدیق (م۔ ۱۹۵۳ء)

جو حبیب ایزد غفّار ہے — دونوں عالم کا وہی مختار ہے
ہر گلی کو ہے مدینے کی فروغ — آج سونا مصر کا بازار ہے
ہر دو عالم کی وہ رکھتا ہے خبر — انؐ کا دیوانہ بڑا ہوشیار ہے
ہاں مدینے کی ہوا ہے مشکبار — ہاں! مدینہ غیرت گلزار ہے

(قلمی بیاض سے)

احمد علوی (و۔ ۱۹۵۴ء)

اس جہاں میں تھا کیا رسولؐ اللہ — نور تھا آپ کا رسولؐ اللہ

شاعری کو میری عطا کردو لہجہ جبرئیل کا رسولؐ اللہ
محترم، معتبر، بزرگ فقط بعداز ہیں خدا رسولؐ اللہ
چاہتوں میں بدل دیا تم نے ظلم کا راستہ رسولؐ اللہ
(صفر)

قیصرزیدی، محمد قیصرزیدی (و-۱۹۳۹ء)

چٹکی ہے کلی پیرہن گل بدنی سے نکہت ہے سوا مشک غزال ختنی سے
لیلئ شمیم گل نو رنگ خوشی سے اٹھکھیلیاں کرتی ہے نسیم سحری سے
فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہے ضروری وابستگی ہر شے کی بہرحال کسی سے
اللہ رے عکس رخ زیبائے محمدؐ ضو ماہ میں ہے مہر میں تابش ہے اسی سے

محبوب خدا آپؐ کا مداح ہے قیصر
اتنا اسے مل جائے یہ مانگے نہ کسی سے

(جادۂ غزل)

تبسّم، ڈاکٹر عبدالغفار (و-۱۹۵۳ء)

زمیں سے آسماں تک عام ہے رحمت محمدؐ کی گنہ گاروں کے کام آجائے گی الفت محمدؐ کی
بغیر اس کے خدا کا عشق پیدا نہیں ہوتا خدا سے عشق کی بنیاد ہے الفت محمدؐ کی
اگر جنت میں جانا ہے تو ہم جائیں گے ساتھ انکے مشام جاں کو تازہ رکھتی ہے نکہت محمدؐ کی
انہیں اللہ نے ممدوح خود اپنا بنایا ہے بشر کی کیا سمجھ میں آئے گی عظمت محمدؐ کی

تبسّم بس یہ مصرعہ نعت گوئی کا محرک ہے
جو آنکھیں دیں تو دکھلا دے خدا صورت محمدؐ کی

(برف پر سورج)

سطوت، سید عمران احمد (۱۹۳۶ء-۱۹۹۶ء)

جب نور نبیؐ عالم امکاں میں در آیا صد وصف سجا قالب انساں میں در آیا
تھا تازہ و تر گلبن گلزار تقدس باحسن و سجا صحن گلستاں میں در آیا
پھر حسن و جمال اس کا بنا وجہ کلاہی انداز خداوند لئے جاں میں در آیا
پیشانئ آدم کا بنا پھر خط تقدیر ادریسؑ کے پھر صحن دبستاں میں در آیا

پھر شیثؑ کو دکھلائے تجلّی کے تماشے داؤدؑ کے پھر نغمہ و الحاں میں در آیا
ہمدرد براہیمؑ بنا باہمہ ایثار دکھلائی بہار اور گلستاں میں در آیا
موسیٰؑ کو سر طور کیا جلوے سے بیہوش عیسیٰؑ کے لب و دم کی نئی آں میں در آیا
کی زیر نگیں خلق خداوند دوعالم باشان و ادا مہر سلیماںؑ میں در آیا
پھر ملک عرب میں کیا' اظہار کا اظہار پھر نور مکمل کی نئی شاں میں در آیا
اللہ نے کی پھر تو وہ توصیف محمدؐ صد فیض و عطا تذکرہ قرآں میں در آیا

ہاں سجدۂ شکر نہ ادا پھر ہو بصد عجز
سطوتؔ کا قلم بھی اسی میداں میں در آیا

(غیر مطبوعہ)

سجاد سید' ڈاکٹر سید سجاد حسین (و-۱۹۵۰ء)

حرف و بیاں کا سارا ورثہ ان کے نام نور مبیں کا پاک صحیفہ ان کے نام
چاند' ستارے' ارض و سما' سب ان کے طفیل کون و مکاں کا ذرّہ ذرّہ ان کے نام
دل کی دھڑکن سانس کا سرگرم ان پہ نثار خون رواں کا قطرہ قطرہ ان کے نام
نکہت گلشن' رنگ گلستاں' نور جہاں رنگ و بو کا غنچہ غنچہ ان کے نام
جسم کا گاگر جان کا ساگر ان کے لئے آنکھ کا موتی دل کا نگینہ ان کے نام
نور مجسم' رحمت عالم ان کی ذات ختم رسل اور شاہ مدینہ ان کے نام

سیّدؔ عاصی نے اشکوں سے نعت لکھی
بھیگے کاغذ کا یہ پرزہ ان کے نام

(بے زبانی کا ہنر)

پاپولر' سید اعجاز الدین شاہ (و-۱۹۵۶ء)

مدینے کی تمنا سب سے افضل مدینے کا نظارہ سب سے افضل
مسلسل سبز گنبد دیکھتا ہوں نگاہوں میں ہے جلوہ سب سے افضل
حبیب کبریا کہتے ہیں جن کو وہی ہیں سب سے اعلیٰ سب سے افضل
رسولؐ پاک سا کوئی نہیں ہے نبی میرے ہیں تنہا سب سے افضل

تمہیں اے پاپولرؔ معلوم ہوگا
مدینہ ہے مدینہ سب سے افضل

(ہنس کر گذار دے)

شاد، للتا پرشاد اگروال (۱۸۸۵ء۔۱۹۵۹ء)

روز محشر آبرو رکھ لیں خدا کے سامنے سر جھکاتا ہوں جناب مصطفےٰؐ کے سامنے
ہاں اڑا لے چل مجھے للہ یثرب کی طرف التجا میں کر رہا ہوں یہ صبا کے سامنے
یا الٰہی بھیج دے مجھ کو وہیں بہر رسولؐ کچھ نہیں جنت مدینے کی فضا کے سامنے
کاش مل جائے کہیں سر پر چڑھاؤں شوق سے خاک ہے دولت، نبیؐ کی خاک پا کے سامنے

ہیں جناب شادؔ ہندو یا مسلماں ایک دن
فیصلہ ہو جائے گا اس کا خدا کے سامنے

نحیف، جولشمس (و۔۱۹۲۷ء)

نعتیہ خمسہ کے تین بند

ہوئی انسانیت کی شمع روشن شان و شوکت سے
ہر اک دل جگمگا اٹھا چراغ شان وحدت سے
فلک پر چاند بھی شرما گیا حسن لطافت سے
منور کیوں نہ ہو جائے زمانہ شمع الفت سے
یہ ساری روشنی دنیا میں شاہ انبیاء کی ہے

جہاں بھر میں ہوا مشہور افسانہ محمدؐ کا
مبارک ہے جو کہلاتا ہے دیوانہ محمدؐ کا
ملا ہر امتی کو خوب نذرانہ محمدؐ کا
بڑے ہی ناز سے کہتا ہے مستانہ محمدؐ کا
محبت سارے عالم کو شہ روز جزا کی ہے

زمیں روشن زماں روشن ہوا سارا جہاں روشن
فلک پر دیکھئے کیسی ہوئی ہے کہکشاں روشن
تجلّی سے نظر آنے لگے کون و مکاں روشن
نحیف زار کیسے ہیں زمیں و آسماں روشن
مہ و انجم میں دیکھو روشنی صل علیٰ کی ہے

(آوازِ دل)

ابھے کمار (و۔۱۹۴۸ء)

کونین کے مالک و مختار وہی ہیں مولاؐ مرے آقاؐ مرے سرکارؐ وہی ہیں
جو شہر مدینہ میں گزار آئے ہیں راتیں اس خواب کے عالم میں بھی بیدار وہی ہیں
پلّے میں نہیں جن کے ترے عشق کی پونجی افسوس کہ اس دنیا میں نادار وہی ہیں
میخانۂ طیبہ سے جو پی آئے ہیں اک بار اس ہوش کی دنیا میں سرشار وہی ہیں
چلتے ہیں سدا آپؐ کے جو نقش قدم پر
دنیا میں ابھےؔ صاحب کردار وہی ہیں

(بہرزماں بہرزباں صلی اللہ علیہ وسلم)

تسخیر، خان بہادر شیخ بشیر الدین (۱۸۷۳ء۔ ۱۹۴۲ء)

آ ساقیا اے گلبدن، نکھرا ہے پھر رنگ چمن، ہے سیم تن پھر نسترن، پھر گلفشاں ہے ناردن
ہے نور حق پرتو فگن، گرتے ہیں سجدے میں دتن، مستی میں ہیں ہر ماہ و من، لاغر نہر لبن

تیرا وہ حسن جانفزا آئینہ ایزد نما، وہ تیرے گیسوئے رسا، اک سلسلہ مؤاج کا
تیرا وہ قدِ خوش ادا، گویا الف اللہ کا، اور دید حسن پر ضیاء دیدار حق ہے بے سخن

سینہ ترا عرش بریں، عارض ترا مہر مبیں، دیدار روئے نازنیں، اللہ پر عین الیقیں
زلف رسا حبل المتیں، مازاغ چشم سرگیں، کف ہائے زیبا یاسمیں، لب ہائے نازک نسترن

قوسین ابروئے دوتا، والنجم وندان خوشنما، اور صاد چشم سرمہ سا ہے قٓ حلقہ زلف کا
ساقین نازک شکل لا، کرتے ہیں نفی ماسوا، والفجر روئے پر ضیاء، واللیل زلف پُر شکن

تو کعبۂ دل کا مکیں، تو عرش کا دُرِّ ثمیں، مہر رسالت کا نگیں، قوسین کا خلوت گزیں
کوچہ ترا خلد بریں، خادم ترا روح الامیں، نور خدا تیری جبیں، شان خدا تیری پھبن

(حیات بشیر)

ضیاء مظفر احمد (و۔ ۱۹۳۱ء)

فلک سے آگئی جنت اتر کر   مدینے کی زمیں اللہ اکبر
وہ دیکھو روضۂ اقدس کے تیور   نہ ہو دم دم بخود ماہ منور
وہی خیرالبشرؐ انسان کامل   محمد مصطفےٰؐ محبوب داور
یہی باقی ہے دل میں ایک حسرت   رہوں تو اب رہوں طیبہ میں جا کر

ضیاء سرشار ہوں عشق نبیؐ سے
شفاعت میری ہو گی روز محشر

(روح کا ساز)

رنج، حکیم فصیح الدین (۱۸۳۶ء۔ ۱۸۸۵ء)

شفیع المذنبینؐ روشن کن دین منور ہو   نبی ہو اشرف الآدم ہو مرسل ہو پیمبر ہو
جسے خدمت تو اپنے کفش برداری کی دے شاہا   وہ کسریٰ ہو فریدون ہو وہ خاقان ہو سکندر ہو

نظر آجائے تیرا روئے تاباں خواب میں جس کو — وہ خود یوسف ہو آئینہ ہو مہ ہو مہر انور ہو
تیرا عکس در دنداں پڑے جس سنگریزہ پر — درخوش آب ہو آنکھوں کا تارا ہو وہ اختر ہو

جگہ دے جو کوئی اے رنج میرے شعر کو دل میں
وہ دانا ہو وہ عاقل ہو وہ شاعر ہو سخنور ہو

(گلشن نعت)

حیات، حیات احمد (و۔۱۹۱۵ء)

خاک کے ذرّوں میں ہے انجم و افلاک میں ہے — آپ کا نور نمایاں حد ادراک میں ہے
اس صدف کو ہی عقیدت کا گہر کہتا ہوں — ایک قطرہ جو مرے دیدۂ نمناک میں ہے
میرا مسکن ہو الٰہی در احمدؐ کے قریب — لطف جینے کا دیار شہ لولاک میں ہے
یہ جبیں ہو، در اقدس ہو، ادھر موت آئے — دائمی چین بھی کہتے ہیں اسی خاک میں ہے
آپؐ چاہیں تو پہنچ جائے کنارے پہ ابھی — کشتیٔ زیست جو گرداب المناک میں ہے

(افکار پریشاں)

احسان دانش (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۲ء)

بصد یقین و بصد اعتماد و دیدہ وری — ہے تیری ذات پہ تکمیل عظمت بشری
ترے وجود پہ فہرست انبیاء ہے تمام — تجھی پہ ختم ہے روح الامیں کی نامہ بری
گئی کبھی نہ ترےؐ در پہ سر جھکائے بغیر — ہجوم شوق کی الجھن، جبیں کی دربدری
ترےؐ حضور بصد شرم لے کے آیا ہوں — کچھ آنسوؤں کا تلاطم، کچھ آستیں کی تری
بنا لے پھر ہمیں اپنا کہ رحمت عالم — دلوں میں بے خبری ہے دعا میں بے اثری
چمن اجاڑ کے دنیا سجا رہی ہے مزار — بنا ہوا ہے جنوں اک حجاب جلوہ گری

ترے سوا دل۔ دانش میں کچھ نہیں لیکن
تری رضا ہو تو اک انتقام فتنہ گری

(فصل سلاسل)

مختار، مولانا احمد مختار صدیقی (۱۲۹۴ھ/۱۳۵۷ھ)

نور خدا ہے جان محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم
جان و دل قربان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کس نے دیکھا، کیا پہچانا، ان کا رتبہ کس نے جانا

اللہ جانے شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

روح قدس افلاک سے آیا، مژدہ وصل جاناں لایا
جان جاناں جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

عالم بالا جب وہ سدھارے، طے کئے ساتوں فلک بھی سارے
عرش بنا ایوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

یارب یہ مختار عاصی، روضۂ انور دیکھے پھر بھی
ہو جائے قربان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(جنوبی افریقہ کے اردو شاعر)

صوفی وارثی، محمد شرف الدین احمد (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۶۲ء)

تھا کفر یوں، ولادت خیرالبشرؐ کے بعد ظلمت چھپی چھپی پھرے جیسے سحر کے بعد
کھوئے گئے خضر بھی تو عہد حضورؐ میں پائے گئے وفات شہ بحر و بر کے بعد
اس کی نظر نظر ہے نصیب اس کا ہے نصیب دیدار مصطفیٰؐ ہو جسے ہر سحر کے بعد
دیکھوں جدھر ادھر ہی تمہیں دیکھوں جلوہ گر درکار کچھ نہیں مجھے ایسی نظر کے بعد

صوفیؔ وارثیؔ کی مدد کیجئے حضورؐ
کیا جانے کیا ہو کل شب غم کی سحر کے بعد

جوہر، مفتی بدیع الدین

ذکر روئے لالہ گوں سے دل ہے اپنا باغ باغ اے گل گلزار وحدت! غل ہے تیرا باغ باغ
جھومتی ہے تیری نکہت سے ہر اک سو شاخ شاخ ہے ترے تن کی مہک سے غنچہ غنچہ باغ باغ
کھل گئے داغ جگر یاد نبیؐ میں مثل گل ہو گیا دل صورت گلشن ہمارا باغ باغ
عطر بوئے مصطفیٰؐ بس بس گئی گلزار میں صورت باغ جناں نکہت سے مہکا باغ باغ
بھینی بھینی آپؐ کی پھیلی ہے خوشبو یا رسولؐ بس گیا ہے گوشہ گوشہ صحرا صحرا، باغ باغ
پڑھ رہی ہیں نام لے لے کر ترا کلیاں درود شور ہے صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کا باغ باغ

گلشن ہستی میں جوہر ہے اسی گل کی بہار
شور ہے گلبانگ لولاک لما کا باغ باغ

(جواہر نعت پیغمبرؐ)

روش صدیقی، شاہد عزیز (۱۹۰۹ء۔۱۹۷۱ء)

صاحب تاج ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
صدر نشین بزم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

درس مروّت فرماں اسکا نوع بشر پر احساں اسکا
امن و محبت اس کی شریعت صلی اللہ علیہ وسلم

بغض و حسد کا نام ہوا گم، چمکا رائیت عفو و ترحمّ
جاگ اٹھی انساں کی شرافت صلی اللہ علیہ وسلم

نور جبیں انساں کا چمکا، فرق مٹا محتاج و غنی کا
ایک ہوئے سرمایہ و محنت صلی اللہ علیہ وسلم

دین مبین فیضان ہے اسکا، ذوق یقیں احسان ہے اسکا
اس کے در کی خاک میں حکمت صلی اللہ علیہ وسلم

زاہد و عاصی، عارف و عامی سب ہیں در اقدس کے سلامی
سب پہ گل افشاں دامن رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

قرب الٰہی سنت اس کی، حسن عمل ہے طاعت اس کی
حاصل ایماں اس کی محبت صلی اللہ علیہ وسلم

(ارمغان نعت)

قمر، ڈاکٹر قمر الدین احمد (۱۹۱۴ء۔۱۹۷۷ء)

ہر اعتبار سے فطرت کا منتہا تم ہو
جو مدعا تھا خدا کا، وہ مدعا تم ہو

جہاں میں پھیلے ہیں انوار دین حق جس سے
وہ آفتاب حرم، وہ مہ حرا تم ہو

جہاں ہیں ختم حدیں حسن آدمیت کی
جمال دہر کی وہ قدر ارتقا تم ہو

غم فتور جہاں ہو، کہ خوف روز جزا
سکون قلب پریشاں بہر فضا تم ہو

قمر پہ چشم عنایات دین و دنیا میں
کہ اس کا دونوں جہاں اک آسرا تم ہو

(ارمغان نعت)

اکبر وارثی، صوفی محمد اکبر خاں (م۔۱۹۵۳ء)

جب عرب کے چمن میں وہ نور خدا، ہر طرف اپنا جلوہ دکھانے لگا
کفر غارت ہوا، بت گرے ٹوٹ کر، منہ پہاڑوں میں شیطاں چھپانے لگا

بدلیاں رحمتوں کی گرجنے لگیں، نوبتیں شادمانی کی بجنے لگیں
دین کی فوجیں ہر سمت سجنے لگیں، پرچم اسلام کا جگمگانے لگا

سونگھ کر بھینی بھینی وہ خوشبوئے تن، دیکھ کر رحمت حق چمن در چمن
کہہ کے "انت نبیؐ" پڑھ کے صلّ علیٰ بلبل خوش نوا چہچہانے لگی

جیسے تاروں میں جلوہ ہو مہتاب کا، وہ پرا باندھ کر چار اصحاب کا

سیدھا رستہ کسی کو بتانے لگا، دل کسی کا ادا سے لبھانے لگا

اکبر خستہ کی چار ہیں التجا، ان میں سے کوئی پوری ہو بہر خدا
یا تو جلوہ دکھا، یا مدینے بلا، ورنہ خدمت میں رکھ دل ٹھکانے لگا
(باغ کلام اکبر)

رزمی صدیقی، پروفیسر غیور احمد (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۶۰ء)

تصور آپ کا اے رحمت للعالمینؐ آیا — تو مایوسانِ رحمت کو بھی بخشش کا یقیں آیا
محمدؐ کے غلاموں کی کلاہیں کتنی دلکش تھیں — کہ جن پر ہو کے عاشق طرۂ فتحِ مبیں آیا
سفر سے واپسی پر خوش ہوا کرتے ہیں سب لیکن — نصیب اس کے! مدینے جا کے جو واپس نہیں آیا
قدم سائنس کے بڑھنے لگے اسلام کی جانب — تجھے امّی کی حکمت کا بتا، اب بھی یقیں آیا؟

شہنشاہ اُمم کی نعت اور یہ فکر آرائی
خموشی اے رزمیؔ عاصی! بڑا باریک ہیں آیا

(کلیات رزمی)

ثروت، مشرف جہاں

ہے دو عالم سے ہر انداز نرالا تیرا — میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا تیرا
خود ثنا خواں ہے خدا اے شہ والا تیرا — جابجا وصف ہے قرآن میں آیا تیرا
ورق دل سے نہیں ہے کوئی کاغذ بہتر — جی میں ہے اس پہ میں لکھواؤں گا نقشہ تیرا
جو فدا تجھ پہ ہے اس پر ہے مری جان فدا — اس کا شیدائی ہوں جو دل سے ہے شیدا تیرا

سر ثروت کو جبیں سائی کا سودا اچھلا
یاد اسے آگیا جب نقش کف پا تیرا

(گلستان ثروت، ۱۸۹۹ء)

افضل، فضل الرحمٰن ہاپوڑی (۱۸۸۵ء۔ ۱۹۵۸ء)

ساقیٔ یثرب احمد نامے — بر کف ساقی شیشہ و جامے
در صف رنداں خرامے

قاسم کوثر اللہ اللہ — بادہ چہ بادہ شیشہ چہ شیشہ
ساقی چہ ساقی جامے چہ جامے

روئے منور روئے درخشاں عارض جاناں عارض تاباں
بدر کمالے ماہ تمامے

گنبد خضرا شوکت کعبہ جلوۂ فاراں زینت سینا
عرش معلیٰ رفعت بامے

عارض تاباں نور مجلیٰ چیں بہ جبیں اش برق تجلیٰ
روئے مبین اش ماہ تمامے

مشرب آں توحید پرستے مست شباب جام بدستے
بر لب کوثر ساقی عامے

دل بہ گرفتہ بندہ عاجز افضل خستہ بندہ عاجز
یا شہ بطحہ ہست غلامے

(دیوان افضل)

تسکین قریشی، محمد یٰسین (۱۸۹۹ء-۱۹۷۱ء)

مدینے میں واللہ جینے کا عالم کنارے پہ جیسے سفینے کا عالم
نہ احساس ہستی نہ ہوش دل و جاں یہاں اور ہی کچھ ہے جینے کا عالم
وہ ہر سجدہ، معمور انوار عرفاں وہ دل کا وہ سر اور سینے کا عالم
تصور مدینے کا جس میں ہو شامل وہ جینے کا عالم ہے، جینے کا عالم
بہت جلوہ گاہیں ہیں دنیا میں تسکیں
مگر اللہ اللہ، مدینے کا عالم

(تسکین قریشی: کلام اور خطوط کے آئینے میں)

اقبال عظیم (و۔ ۱۹۱۳ء)

سوز دل چاہئے، چشم نم چاہئے اور شوق طلب معتبر چاہئے
ہوں میسر مدینے کی گلیاں اگر، آنکھ کافی نہیں ہے نظر چاہئے

ان کی محفل کے آداب کچھ اور ہیں، لب کشائی کی جرأت مناسب نہیں
ان کی سرکار میں التجا کے لئے جنبش لب نہیں چشم تر چاہئے

میں گدائے در شاہ کونین ہوں، شیش محلوں کی مجھ کو تمنا نہیں

ہو میسر زمیں پر کہ زیرِ زمیں، مجھ کو طیبہ میں اک اپنا گھر چاہیے

ان نئے راستوں کی نئی روشنی، ہم کو راس آئی ہے اور نہ راس آئے گی
ہم کو کھوئی ہوئی روشنی چاہیے، ہم کو آئین خیرالبشر چاہیے

مدحت شاہ کون و مکاں کے لئے صرف لفظ و بیاں کا سہارا نہ لو
فن شعری ہے اقبالؔ اپنی جگہ، نعت کہنے کو خون جگر چاہیے

کرار، پروفیسر کرار حسین (و۔ ۱۹۱۱ء)

راز داں کہتا ہے خود کو وہ جو خود ہی راز ہے
یہ بھی اس کی راز داری کا بلیغ انداز ہے

وہ ہی اول وہ ہی آخر، وہ ہی رہبر وہ ہی رازؔ
اس بنِ اس ارض و سما میں اور کیا اعجاز ہے

سخا، لکشمی نرائن سریواستوا (و۔ ۱۸۷۵ء)

کیا زمیں پر ہے یہ اب عرش علا کی آمد
ایسی دیکھی ہی نہیں نور و ضیاء کی آمد

چاند تاروں کے علاوہ ہے تاباں کیا کیا
سوئے ارض، آج ہے کیوں اہل سما کی آمد

اہل ظاہر کی بھی پڑنے لگی باطن پہ نظر
اور نظر آنے لگی صدق و صفا کی آمد

السلام اے شہ دیں" کفر کو یہ نارش کفر
خوب ہے درد، جو ہو ایسی دوا کی آمد

السلام اے سبب فضل خدائے برحق
اے زہے عقدہ، زہے عقدہ کشا کی آمد

السلام امت عاصی کی شفاعت والے!
اے مبارک یہ ترے لب پہ دعا کی آمد

(بہرزماں بہرزباں صلی اللہ علیہ وسلم)

سلسلۂ جماعتیہ کے نعت گو شعرا

محمد صادق قصوری

سنوسیٔ ہند امیر ملت حضرت الحاج الحافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدّث علی پوری قدس سرہٗ بن سید کریم شاہ (۱۷۷۷ء - ۱۹۰۲ء) کی ولادت باسعادت عالم اسلام کے عظیم روحانی مرکز علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں ۱۸۴۱ء میں ہوئی۔ آپ نے برّصغیر کے نامور علماء مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا محمد مظہر سہارنپوری، مولانا ارشاد حسین رامپوری، مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی، مولانا سید محمد علی مونگیری قدس اسرارہم کے علاوہ قطب مکہ مولانا شاہ عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر مکی اور مولانا علامہ محمد عمر ضیاء الدین استانبولی رحمتہ اللہ علیہم سے علمی استفادہ کرنے کے بعد قطب وقت حضرت باواجی فقیر محمد نقشبندی مجدّدی چوراہی (۱۷۹۸ء - ۱۸۹۷ء) کے دست حق پر بیعت کر کے خلعت خلافت حاصل کی۔ پھر پون صدی سے زائد عرصہ تک مذہب و ملت، شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت اور سیاست و روحانیت کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دے کر ۳۰؍ اگست ۱۹۵۱ء کو علی پور سیداں ہی میں رحلت فرمائی۔ جہاں آپ کا مزارِ پُرانوار مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت لازوال قدرت نے فیاضی کے ساتھ عطا فرمائی تھی۔ حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام نامی اسم گرامی سنتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی تھیں۔ یہ عشق رسول علیہ التحیتہ والثناء کا ہی اعجاز تھا کہ آپ نے پچپن حج ادا کئے اور روضۂ اقدس پر حاضری دی۔ آپ کی زبان فیض ترجمان پر یہ اشعار جاری رہتے تھے۔

قابل تھا نار کے، مجھے جنت ہوئی نصیب
اس در کی حاضری سے تو قسمت بدل گئی

اگرچہ آپ باقاعدہ شاعر نہیں تھے لیکن قدرت نے آپ کو نہایت سنجیدہ مذاق ودیعت فرمایا تھا۔ آپ سلیم الطبع، معنی شناس اور سخن فہم تھے۔ بسا اوقات دوران گفتگو نہایت قیمتی اور دلچسپ اشعار زبان فیض ترجمان سے صادر ہوتے تھے، جو موقع کی مناسبت کے لحاظ سے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ شاعر نے خاص اسی موقع کے لئے موزوں کئے ہیں۔ اشعار کی موزوں اور برمحل اصلاح میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ بے شمار مواقع پر آپ نے اپنی اس خداداد

مہارت تامّہ کا مظاہرہ فرمایا۔

ایک دفعہ قصور میں آپ انجمن اسلامیہ کے جلسہ کی صدارت فرما رہے تھے، حضرت ابوالاثر حفیظ جالندھریؒ (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۸۲ء) اپنے مخصوص انداز میں خوش الحانی سے "شاہنامہ اسلام" سنا رہے تھے جب انہوں نے یہ شعر پڑھا ۔

محمدؐ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے

آپ نے برجستہ فرمایا، حفیظ صاحب! "سب کچھ نامکمل ہے" حفیظ نے اس اصلاح کو بار بار سراہا اور اور عرض کیا "انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے ایڈیشن میں اس اصلاح کے ساتھ ہی چھپواؤں گا۔"

ایک بار آپ کے مرید باصفا حافظ عبداللطیف صاحب، حضرت امیرمینائی (۱۸۲۸ء۔ ۱۹۰۰ء) کی نعت سنا رہے تھے۔ جب مطلع پڑھا ۔

زہے نصیب مدینہ مقام ہو جائے
در رسولؐ پہ قصہ تمام ہو جائے

تو حضرت نے برجستہ ارشاد فرمایا، حافظ جی! دوسرا مصرعہ اس طرح پڑھو!

در حضورؐ پہ حاضر غلام ہو جائے

ایک دفعہ قصور میں معروف نعت خواں صابر قصوری آپ کی خدمت میں نعت پڑھ رہے تھے ۔

ایسی تھی حضرتؐ میں سحرالبیانی
کہ جس کا نہیں کوئی دنیا میں ثانی

آپ نے فوراً" اصلاح کی اور فرمایا "سحرالبیانی" نہیں "سحربیانی" پڑھو۔ اسی طرح ایک اور موقعہ پر صابر صاحب نے یہ شعر پڑھا ۔

زمیں کو بھی عزت ہو عرش علا کی
دکھا جاؤ بندوں کو صورت خدا کی

آپ نے فوراً" ارشافرمایا یوں پڑھو! "دکھا جاؤ بندوں کو قدرت خدا کی"

۱۹۴۴ء میں حضرت امیر ملت قدس سرہ، مدراس (بھارت) میں مولوی عبدالرحیم سیٹھ بیڑی کے بنگلہ میں رونق افروز تھے کہ آپ کے مرید خاص نواب مرزا ذوالفقار علی بیگ فیاض جماعتی حیدر آبادیؒ (۱۹۱۰ء۔ ۱۹۹۳ء) نے ایک نعتیہ غزل پڑھی جس کا ایک شعر یوں ہے ۔

جانبازوں کا جمگھٹ ہے بازار محبت میں
اللہ بھی ہے محشر میں دیوانہ محمدؐ کا

آپ نے فوراً" ارشاد کیا کہ بھئی! اللہ پاک کی شان میں ایسا نہ کہو' بلکہ دوسرا مصرعہ یوں پڑھو

"اللہ بھی ہے محشر میں مستانہ محمدؐ کا"

حضرت امیر ملت قدس سرہ' کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نعتیہ شاعری سے دلچسپی کے متعلق آپ نے بہت کچھ ملاحظہ فرمایا۔ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کے مریدوں اور خلفاء میں تو نعت گو شعرا کی قطاریں لگی ہوئی ہیں' جن کی مختصر سی جھلک اس مضمون میں دکھائی جا رہی ہے۔

(۱) حافظ ظفر علی ظفر پسروریؒ

حافظ ظفر علی ظفر کی ولادت ۱۲۹۰ھ /۱۸۷۰ء میں پسرور ضلع سیالکوٹ کے ایک ہاشمی قریشی گھرانے میں جناب اشرف علی بن حامد علی کے ہاں ہوئی۔ حفظ قرآن' عربی فارسی کی تعلیم کے بعد ایف اے کیا اور کچھ عرصہ تک ریاست کشمیر میں بطور امیدوار نائب تحصیلداری پر کام کرتے رہے۔ عالم شباب میں حضرت امیر ملت قدس سرہ' سے بیعت ہوئے اور پھر خلافت اجازت سے نوازے گئے۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو رحلت فرمائی اور تحصیل دروازہ کے باہر پسرور کے قدیمی قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اردو اور فارسی میں نعت کہتے تھے۔ اردو نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

شان احمدؐ اور ہے یوسفؑ کا رتبہ اور ہے ۔۔۔ حق کا محبوب اور محبوب زلیخا اور ہے
"لن ترانی" تم کو' ہم کو "من رأنی" ہے نصیب ۔۔۔ اے کلیم' احمدؐ کی امت کا نصیبا اور ہے
ذات باری اس پر' اس پر شان نوری جلوہ گر ۔۔۔ عرش اعظم اور ہے' حضرت کا روضہ اور ہے

مقطع میں کہتے ہیں :

جو تیری سرکار سے مانگا ظفر نے پا لیا ۔۔۔ یا نبیؐ! یثرب میں رہنے کی تمنا اور ہے

(۲) میر سعید اللہ سعید امرتسریؒ

حافظ میر سعید اللہ بن حاجی میر غلام محمود بن میر غلام رسول ۱۸۸۴ء میں امرتسر (حال بھارت) میں پیدا ہوئے۔ حصول تعلیم کے بعد محکمۂ نہر میں ڈپٹی کلکٹر کی آسامی پر فائز تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ' سے بیعت تھے۔ پیر و مرشد کے ایسے شیدائی تھے کہ حضرت قدس

سرہ‘ کو دیکھتے ہی بیتاب ہو جایا کرتے تھے اور ان کو سنبھالنا بہت مشکل ہو جایا کرتا تھا۔ جتنا عرصہ وہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر رہتے‘ تڑپا ہی کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کلام میں اتنا اثر عطا فرمایا تھا کہ وہ اپنا کلام جب بھی پڑھتے تو خود روتے تھے اور ساری محفل کو رلاتے تھے۔ ان کا مجموعۂ کلام ''ذخیرۂ آخرت'' پہلی بار ۱۹۱۸ء میں چھپا۔ دوسرا ایڈیشن بھی اسی سال طبع ہوا۔ ۱۹۲۷ء میں تیسرا اور ۱۹۳۴ء میں چوتھا ایڈیشن چھپا۔ میر صاحب کی رحلت ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۶ء کو امرتسر میں ہوئی۔

میر صاحب اردو‘ پنجابی اور پوربی میں نعت کہتے تھے۔ ایک اردو نعت کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

آپ کے دم سے کائنات کی ہے ابتدا‘ انتہا رسول اللہ
ہم غریبوں پر بھی نظر کیجئے شاہ ہر دو سرا رسول اللہ
آیئے پہنچئے مدد کیجئے میرے مشکل کشا رسول اللہ
آپ کے در کو چھوڑ جائے کہاں عاصی پر خطا رسول اللہ

مقطع میں فرماتے ہیں :

بھولا پھرتا ہے یہ سعید تیرا سیدھا رستا دکھا رسول اللہ

(۳) مولانا غلام احمد اخگر امرتسریؒ

مولانا غلام احمد اخگر ۱۸۶۴ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ بہت بڑے عالم‘ واعظ‘ مناظر‘ بزرگ‘ ولی اللہ اور نعت گو شاعر تھے۔ حضرت امیر ملتؒ کے اولین مریدوں اور خلفاء میں سے تھے۔ اکثر پیرو مرشد کے ہمراہ تبلیغی دوروں پر رہتے تھے۔ امرتسر سے ایک ہفت روزہ اخبار ''اہل فقہ'' پیرومرشد کی زیر سرپرستی جاری کیا جو ایک عرصہ تک اسلام کی بے پناہ خدمات انجام دیتا رہا۔ آپ کی تصانیف میں ''مرزائیت کا جنازہ'' اور ''اہل حدیث و اہل سنت'' یادگار ہیں۔

مولانا اخگر کی نعتیہ شاعری کی امرتسر میں دھوم تھی۔ ان کا کلام ''اہل فقہ'' کے علاوہ ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر میں چھپتا تھا۔ فن تاریخ گوئی میں بھی مہارت تامّہ حاصل تھی۔ آپ کی رحلت ۱۵ر اگست ۱۹۲۷ء بروز پیر چھ سات سال کی طویل علالت کے بعد ہوئی۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو :

تصور میں رسولؐ پاک کے ضبط فغاں کیوں ہو — نہیں یہ راز سربستہ تو سینے میں نہاں کیوں ہو
تصور ہے دل عشاقؒ میں گلزار طیبہ کا — تو اس پھولے پھلے گلشن میں تاثیر فغاں کیوں ہو
مدینہ جانے والو! روضۂ حضرت پہ جب پہنچو — تو کہنا یا محمدؐ! تیرا بسمل نیم جاں کیوں ہو
خدا کا گھر ہو بطحا میں، رسول اللہ مدینے میں — تو حیرت ہے کہ پھر اپنا وطن ہندوستاں کیوں ہو

نہیں تاریکیٔ مرقد کا کھٹکا مجھ کو اے اخگر
دہکتی آگ ہے سینے میں پھر پیدا دھواں کیوں ہو

(۴) حکیم فیروز طغرائی، امرتسریؒ

حکیم فیروز الدین احمد فیروز طغرائی بن میاں شمس الدین کی ولادت ۱۸۸۲ء میں کوچہ وکیلاں امرتسر میں ایک ممتاز کشمیری گھرانے میں ہوئی۔ امرتسر سے معروف علماء و اطباء سے عربی، فارسی، اردو اور طب میں کمال حاصل کرنے کے بعد حضرت امیر ملت قدس سرہ، سے شرف بیعت حاصل کیا۔ عربی، اردو اور پنجابی میں بھرپور شاعری کی۔ بڑے بڑے اساتذہ اور اہل کمال نے آپ کا لوہا مانا۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ (۱۸۷۷ء - ۱۹۳۸ء) نے آپ کے بارے میں فرمایا "طغرائی امرتسر کا وہ کنواں ہے جس پر تال نہیں ہے۔"

فیروز طغرائی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے۔ گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برہنہ تلوار تھے۔ آپ کا اردو، فارسی مجموعۂ کلام ۱۹۳۳ء میں "کلیات طغرائی" کے نام سے چھپا۔ آپ کی رحلت ۸ر فروری ۱۹۳۱ء کو امرتسر میں ہوئی۔ افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد ہندوؤں نے وہ قبرستان مسمار کر دیا جس میں آپ آسودہ تھے۔ نمونۂ کلام یوں ہے :

میرے دل میں ہے ذوق و شوق نعت شاہ بطحا کا — بھرا ہے سر میں اس قطرے کے سودا جوش دریا کا
میسر ہو سعادت اتباع دین احمدؐ کی — یہ تھا عمر ابد سے مدعا خضرؑ و مسیحاؑ کا
سدا رہتا ہے اس روئے مخطط کا خیال اس میں — ہمارا دل بھی اک جزداں ہے قرآن محشی کا
شب اسرا ہوئی جب طالب و مطلوب میں خلوت — حریم راز تھا اک حلقہ آغوش تمنا کا
رقم ہیں وصف حضرت جابجا اوراق مصحف میں — یہی مفہوم ہے مزمّل و یٰسین و طٰہٰ کا
تری صورت سے رونق کالعدم ہے حسن یوسفؑ کی — مری الفت سے پھیکا رنگ ہے عشق زلیخا کا
خدا شاہد وہ صورت تھی سراسر معنئ عرفاں — منور دیدہ دل ہو گیا اہل تماشا کا
اگر فیروز اس وادی میں چلنا سر کے بل چلنا

کہ ہے نجم سعادت ذرّہ ذرّہ خاک بطحا کا

(۵) مشتاق سنیاسی بٹالوی رح

عبداللطیف مشتاق سنیاسی ۱۸۸۹ء میں بٹالہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبدالعزیز تھا جو بڑے متشدّد وہابی تھے۔ البتہ ان کے دادا میر محمد صوفی منش انسان تھے۔ مشتاق سنیاسی نے میٹرک کے بعد طب سیکھی۔ بعض نادر جڑی بوٹیاں حاصل کر کے جنسی امراض کے علاج کی دوائیاں بنائیں جو بہت مؤثر ثابت ہوئیں اور سنیاسی دواخانہ کے نام سے خوب کاروبار چمکا۔ شروع ہی سے تصوف سے گہرا لگاؤ تھا۔ عنفوان شباب میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے دست حق پر بیعت کر کے فنافی الشیخ ہو گئے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں بٹالہ سے لاہور منتقل ہو گئے۔ ۱۹۳۲ء میں اطباء کی ایک انجمن نے انہیں "حکیم الملک" کا خطاب دیا۔ اسی سال پیر و مرشد کے ساتھ حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ حضرت رسا رامپوری سے شاعری میں تلمذ تھا۔ آپ کا کلام ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور میں شائع ہوتا تھا۔ ۱۲ر اپریل ۱۹۳۵ء بروز جمعہ لاہور میں وفات پائی اور قبرستان میانی صاحب میں دفن ہوئے۔

چند نعتیہ اشعار درج ذیل ہیں :

کب صدقے ہو گی تم پہ میری جان یا رسولؐ — اس دل کے پورے ہوں گے کب ارمان یا رسولؐ

محشر میں بھی نہ ہوں میں پریشان یا رسولؐ — ورد زباں وہاں بھی ہو ہر آن "یا رسولؐ"

اس شان سے وہ آئیں گے میدان محشر میں — منکر بھی کہہ اٹھیں گے یہ قربان یا رسولؐ

سو جان ہو تم پہ کروں دل سے میں نثار — کیوں کر کہوں کہ تم ہو میری جان یا رسولؐ

بہر خدا غریب کی امداد کیجئے!

مشتاق آج کل ہے پریشان یا رسولؐ

(۶) راقب قصوری رح

منشی امام الدین راقب قصوری اپریل ۱۸۸۳ء میں بلّھے شاہ (۱۶۹۲ء - ۱۷۵۸ء) کی نگری قصور میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام شیخ عمر بخش تھا۔ ۱۸۹۴ء میں اردو شاعری کا آغاز کیا۔ پہلے نسیم بھرت پوری (---۱۸ء - ۱۹۰۹ء) کی شاگردی اختیار کی۔ بعد ازاں فصیح الملک استاد داغ دہلویؒ (۱۸۳۱ء - ۱۹۰۵ء) سے اصلاح لیتے رہے۔ جب تک قصور میں رہائش پذیر رہے بابا بلّھے شاہؒ کے مزار اقدس پر حاضر رہتے۔ بعد ازاں نقل مکانی کر کے فیروز پور (مشرقی پنجاب

بھارت) چلے گئے۔

۱۹۰۵ء میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۴ء - ۱۶۲۴ء) کے آستانۂ عالیہ سرہند شریف (مشرقی پنجاب) حاضر ہوئے تو مراقبے کی حالت میں پنجابی زبان میں نعت کہنے کا اشارہ ہوا۔ چنانچہ پنجابی نعتیہ شاعری شروع کردی اور اپنا لوہا منوایا۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ' سے بیعت تھے اور پیرخانہ سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ ۱۹؍ جون ۱۹۳۶ء بروز جمعۃ المبارک فیروز پور میں انتقال ہوا۔ راقم الحروف محمد صادق قصوری نے ان کا تمام اردو اور پنجابی کلام اکٹھا کر کے ۱۹۹۶ء میں "کلیات راقب قصوریؒ" کے نام سے چھپوا دیا ہے۔ ایک اردو نعت کے چند اشعار بطور روحانی غذا پیش ہیں:

تیرے در پر میں آیا ہوں فلک کا دل ستایا ہوں ۔۔۔ میرے بگڑے مقدر کو میرے مولا بنا دینا
مریض درد ہجراں ہوں بہت آزار پایا ہے ۔۔۔ مجھے اب وصل کی یا احمدؐ مرسل دوا دینا
سواری آرہی ہے اس میرے نازک بدن کی آج ۔۔۔ چمن میں بلبلو غنچوں کی آنکھوں کو بچھا دینا
فقط اک جان ہے قربان کر دوں گا میں روضہ پر ۔۔۔ بھلا شاہوں کی خدمت میں غریبوں نے ہے کیا دینا
کوئی پوچھے جو آکر حال مجھ شیدائے احمدؐ کا ۔۔۔ کلیجہ چیر کر پہلو سے دل میرا دکھا دینا

تمہاری یاد ہے ہر دم تمہارا ہی ثنا خواں ہوں
بروز حشر راقب کو نہ یا احمدؐ بھلا دینا

(۷) سید محمد غوث سکھو چکیؒ

حضرت الحاج حکیم سید محمد غوث بن حکیم سید برکت علی شاہ سہروردی کی ولادت ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء میں موضع اورنکھہ متصل دینا نگر ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ حصول تعلیم اور والد گرامی کی رحلت کے بعد ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں سکھو چک تحصیل شکرگڑھ ضلع نارووال میں رہائش پذیر ہو گئے۔ آپ بلند پایہ عالم دین' پیر طریقت' اجل طبیب اور بہت بڑے نعت گو شاعر تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ' سے شرف خلافت حاصل تھا۔ آپ کی رحلت ۲۶؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو سکھو چک ہی میں ہوئی۔ آپ کے صاحبزادے سید محمد حسین ظفر (ف ۱۹۷۸ء) نے آپ کا دیوان "مراد العاشقین" چھپوا دیا تھا۔ نمونۂ کلام سے روحانی غذا حاصل کریں :

سب انبیاء میں رتبہ ہے بے مثال تیرا ۔۔۔ حیراں ہے دیکھ یوسفؑ حسن و جمال تیرا
دیوانہ ہو کے تیرے قدموں کی خاک چومے ۔۔۔ دیکھے اگر سکندر جاہ و جلال تیرا

مشہور ہے جہاں میں آتا نہیں بیاں میں فضل و کمال تیرا، جود و نوال تیرا
ہجر رسولؐ میں ہے تیری جو آہ و زاری پوچھیں گے خود محمدؐ اے غوث حال تیرا

(۸) منشی محمود علی محمود رہتکیؒ

منشی محمود علی محمود، رہتک (مشرقی پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ حافظ قرآن، باکمال شاعر، اعلیٰ درجے کے خوش نویس، تجربہ کار حکیم و ڈاکٹر تھے۔ شاعری میں سید طاہر علی ہنر مراد آبادی سے تلمذ رکھتے تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ، کے مخلص مرید تھے۔ "نالۂ دل" کے نام سے ان کا دیوان چھپا تھا جو اب بالکل نایاب ہے۔ ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور / سیالکوٹ میں ان کا نعتیہ کلام چھپتا تھا۔ ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۰ء بروز جمعۃ المبارک رہتک میں وفات پائی اور وہیں تدفین ہوئی۔ چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں :

پھیلی ہے زمانے میں تنویر محمدؐ کی ہر شے میں سمائی ہے تاثیر محمدؐ کی
مختاری دو عالم کی حق نے انہیں بخشی ہے ہر جا نظر آتی ہے جاگیر محمدؐ کی
ایمان کی جو پوچھو ایماں ہے یہی میرا انمٹ ہے وہی جو ہے تحریر محمدؐ کی
کیا نور نظر آئے جب دل میں نہیں الفت کیا قدر بھلا جانے بے پیر محمدؐ کی

محمود نکما ہے مانا یہ مگر ہم نے
پر اس کے گلے میں ہے زنجیر محمدؐ کی

(۹) صوفی عنایت محمد پسروریؒ

صوفی عنایت محمد بن شیخ میراں بخش ۱۸۸۷ء میں پسرور ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ تحریک خلافت، تحریک شہید گنج اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا تحریک خلافت کے دور میں پسرور سے راولپنڈی منتقل ہو گئے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ، کے محبوب مریدوں میں سے تھے۔ علم و ادب اور شاعری سے بھی بھرپور دلچسپی تھی۔ آپ کا کلام ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور / سیالکوٹ میں چھپتا تھا۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ پنجابی نظم میں "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے موضوع پر ایک شاندار کتاب لکھی جو ۱۹۴۰ء میں طبع ہوئی۔

۷ر مارچ ۱۹۴۷ء بروز جمعۃ المبارک راولپنڈی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور عید گاہ راولپنڈی کے قبرستان میں دفن ہوئے :

میرے احوال کی یارب، نبیؐ کو کب خبر ہوگی میری کیا عمر یوں ہی درد فرقت میں بسر ہوگی
پہنچ جاؤں مدینے پھر نہ آؤں ہند میں یارب میری منظور کب تک یہ دعائے بے اثر ہوگی
سنا ہے جا کے جو فریاد کرتا ہے وہ سنتے ہیں میری فریاد بھی اول کسی دن کارگر ہوگی
رہے آباد گلزار مدینہ تیرا یا مولا میری شاخ تمنا بھی کسی دن بار ور ہوگی
عنایت گر محمدؐ کی ہوئی تو دیکھنا ہمدم
تیاری شہر یثرب کی ابھی شام و سحر ہوگی

(۱۰) شیخ محمد ابراہیم آزاد بیکانیریؒ

شیخ محمد ابراہیم آزاد بن منشی نبی بخش نقشبندی (ف ۱۸۸۷ء) کی ولادت ۲۵ر فروری ۱۸۶۸ء کو حسین پور ضلع مظفر نگر (بھارت) میں ہوئی۔ فارسی کی تعلیم والد ماجد اور دیگر علوم کی تعلیم مختلف جگہوں سے حاصل کی۔ ریاست فرید کوٹ (حال بھارت) میں متعدد عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۸۹۷ء میں بیکانیر (راجپوتانہ) میں وکالت شروع کی جو تا زیست جاری رہی۔ درمیان میں ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۱ء چیف کورٹ بیکانیر کے جج اور چیف جج رہے۔

۱۹۰۳ء میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے دست اقدس پر بیعت کی اور پھر خلعت خلافت سے بھی نوازے گئے۔ آپ کا شمار اولین و ارشد خلفاء میں ہوتا ہے۔ پیر و مرشد کے سچے خادم تھے۔ شعر و شاعری کا اچھا خاصا ذوق تھا۔ ابتداً منشی عبدالشکور خاں برق اجمیری (تلمیذ داغ دہلوی) سے تلمذ تھا۔ بیعت ہوتے ہی عشقیہ شاعری چھوڑ کر صرف اور صرف حمد و نعت کے لئے وقف ہو گئے۔ ۱۹۱۳ء میں حاجی منشی سید وحیدالدین احمد بیخود دہلوی جانشین داغ دہلویؒ کے حلقہ شاگردی میں داخل ہو گئے۔ اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ۱۹۳۲ء میں آپ کا نعتیہ مجموعۂ کلام "ثنائے محبوب خالق" یعنی "دیون آزاد" مطبع مرتضائی آگرہ سے طبع ہوا جو ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس وقت پیش نظر ہے۔ آپ کی رحلت ۸ر جون ۱۹۴۷ء کو بیکانیر (بھارت) میں ہوئی۔ نمونۂ کلام یوں ہے:

نور حق جب ہو جمال مصطفیٰؐ کون پھر نکلے مثال مصطفیٰؐ
ماہ تنویر جمال مصطفیٰؐ مہر تصویر جلال مصطفیٰؐ
خلد پیدا شد ز خلق احمدیؐ خلق مشتق از خصال مصطفیٰؐ
حشر کا کھٹکا نہیں آزاد کو شیخ وہ رکھتا ہے آل مصطفیٰؐ

(۱۱) ڈاکٹر محمد الٰہ دتہ طالب کنجاہیؒ

ڈاکٹر محمد الٰہ دتہ بن مولانا شیخ پیر بخش ضلع گجرات کے مردم خیز قصبہ کنجاہ میں ۱۲ر فروری ۱۸۸۶ء بروزہ جمعتہ المبارک پیدا ہوئے۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے تعلیم مکمل کر کے فوج میں سب اسسٹنٹ سرجن بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۰۹ء میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے دست حق پر بیعت کی۔ ۱۹۱۸ء میں خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ ۱۹۲۰ء میں فوج سے استعفیٰ دے کر واپس آگئے اور پریکٹس شروع کر دی۔

آپ سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فنافی الشیخ تھے۔ شعر و شاعری سے خصوصی دلچسپی تھی۔ طالبؔ تخلص کرتے تھے۔ مارچ ۱۹۷۵ء میں "انوار طالب" کے نام سے مجموعۂ کلام طبع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن مارچ ۱۹۸۹ء میں منصۂ شہود پر آیا۔ ۳ر مارچ ۱۹۵۸ء کو کنجاہ میں رحلت فرمائی۔ چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں :

بلا لو یا رسولؐ اللہ اب مجھ کو مدینے میں
اٹھا کر یا مدینے ہی کو رکھ دو میرے سینے میں

دکھا دو چہرۂ انور بٹھا کر سامنے اپنے
مرے سینے میں ہو مجلس کہ ہو حضرت مدینے میں

جدائی میں تڑپتا ہے مثال ماہیٔ بے آب
دل مضطر کہاں ٹھہرے مدینے میں کہ سینے میں

کٹی سب انتظار وصل میں عمر گراں مایہ
یہ بیمار محبت اب ہے مرنے میں نہ جینے میں

رہے آقا کے قدموں سے لگا تا حشر یہ خادم
بٹھا لو یا نبیؐ اپنی محبت کے سفینے میں

ہزاروں حسرتوں کا خون ہوتے دیکھنا ہو گر
تو حضرت دیکھو لو آ کر کسی طالبؔ کے سینے میں

(۱۲) علامہ تاج عرفانی لاہوریؒ

علامہ تاج الدین عرفانی بن مولوی محمد بخش (ف ۱۹۲۴ء) کی ولادت اپریل ۱۸۸۴ء میں قطب البلاد لاہور میں ہوئی۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد حکیم محمد نواز خاں منور سے فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں اور شعر و شاعری کا ذوق بھی انہیں سے پایا۔ بارہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ اردو کے علاوہ پنجابی اور فارسی میں بھی طبع آزمائی کی۔ کئی ایک اخبار و رسالے نکالے۔ اوائل عمری ہی میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے دست حق پر بیعت کر لی تھی۔ پیر و مرشد سے بہت محبت و عقیدت تھی۔ ۱۱ر مئی ۱۹۵۹ء بروز پیر رحلت ہوئی اور قبرستان میانی صاحب لاہور میں دفن ہوئے۔ چند نعتیہ اشعار درج ذیل ہیں :

ہو نگاہ خیر اے شاہنشہؐ خیر الامم
کھول دے میرے لئے گنجینۂ لطف و کرم

سرفرازانِ جہاں کے سر جھکے تیرے حضور
جھومتا ہے عرش پر تیری شرافت کا علم

میں لکھوں کیسے علو مرتبت سرکارؐ کا
جن کے خادم بھی ہیں رشکِ قیصر و فغفور و جم

تیرے اخلاق و مروّت کا ہے خود خالق گواہ
یعنی ہے قرآن میں تیری صفت والا شیم

نام نامی ہے محمدؐ جو سراپا حمد ہے
کون بدباطن نکالے اس میں پھر پہلوئے ذم

(۱۳) مولانا غلام محمد ترنّم امرتسریؒ

مولانا غلام محمد ترنّم بن عبدالعزیز ۱۹۰۰ء میں امرتسر (بھارت) کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم کے علاوہ منشی فاضل، مولوی فاضل کے امتحان پاس کئے۔ طب میں دسترس حاصل کی۔ حکیم فیروز طغرائیؒ سے شاعری میں تلمذ حاصل کیا۔ روحانی تربیت کے لئے حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے دست حق پر بیعت کی۔ امرتسر اور پاکستان بننے کے بعد لاہور میں خطابت کا جادو جگایا۔ شاعری کا اکثر حصہ نعتیہ ہے۔ ۲۴ر جولائی ۱۹۵۹ء کو لاہور میں فوت ہوئے اور قبرستان میانی صاحب میں سپرد خاک ہوئے۔ استاذی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری لاہوری مدظلہٗ، نے ۱۹۷۱ء میں آپ کی سوانح عمری بعنوان "مولانا غلام محمد ترنّم" لکھ کر چھپوا دی ہے جس میں آپ کا نعتیہ کلام بھی درج ہے:

جلوہ ہر سمت ہے اے شمع تجلی تیرا
مظہر نور خدا ہے رخ زیبا تیرا

تیرے انفاس میں نو خیز گلوں کی خوشبو
مطلع نور مقدس ہے سراپا تیرا

مجھ کو دنیا کی محبت سے سروکار نہیں
دل میں ارماں ہے فقط اے شہ بطحا تیرا

میرے سینے میں فروزاں ہے چراغ ایماں
مجھ کو کچھ خوف نہیں شب یلدا تیرا

اک ترنّم ہی نہیں تیری تمنا کا اسیر
بزم ہستی میں نہیں ہے کسے سودا تیرا

(۱۴) خواجہ محمد کرم الٰہی سیالکوٹیؒ

خواجہ محمد کرم الٰہی بن میاں غلام قادر نائیک کی ولادت ۱۸۸۰ء میں موضع بڈیانہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ آپ کے پردادا خواجہ عبدالرحیم نائیک کشمیر سے ہجرت کر کے موضع بڈیانہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ خواجہ صاحب نے ۱۸۹۵ء میں میٹرک کرنے کے بعد مدرسی اختیار کی۔ بعد میں بی اے اور ایل ایل بی کر کے سیالکوٹ میں وکالت شروع کر دی۔ بچپن میں حضرت نے امیر ملت قدس سرہٗ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی۔ ۱۹۳۱ء میں خلافت بھی مل گئی۔ فنا فی الشیخ اور فنا فی الرّسولؐ تھے۔ اٹھارہ حج کئے۔ پیر و مرشد سے وہی محبت اور

عشق تھا جو حضرت امیر خسروؒ (ف ۱۳۲۵ء) کو اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء دہلویؒ (ف ۱۳۲۴ء) سے تھا۔ "انجمن خدّام الصوفیہ ہند" کے جنرل سیکریٹری اور ماہنامہ "انوارالصوفیہ" سیالکوٹ کے ایڈیٹر بھی تھے۔ ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۹ء بروز جمعۃ المبارک بعارضہ چند روزہ بخار رحلت ہوئی اور خاک سیالکوٹ میں ہی دفن ہوئے۔ نعتیہ نمونہ ملاحظہ ہو:

عرش سے بالا ہے اوج آستان مصطفےٰؐ
آدمی تو کیا ملک ہیں پاسبان مصطفےٰؐ

کیا کرے انسان ثنا و عزوشان مصطفےٰؐ
جز خدا کوئی نہیں ہے رتبہ دان مصطفےٰؐ

حکم جو اللہ کا ہے، ہے وہی حکم آپ کا
ہے زبان اللہ کی، گویا زبان مصطفےٰؐ

دنگ ہو جاتے ہیں سنتے ہی فصیحان عرب
کس قدر تھا ابلغ و افصح بیان مصطفےٰؐ

(۱۵) فائق اکبر آبادیؒ

منشی نظیرالدین فائق بن منشی الٰہ بخش کی ولادت ۱۸۹۲ء میں آگرہ (بھارت) میں ہوئی۔ میٹرک کرنے کے بعد والد محترم اور دیگر اساتذہ سے اردو، فارسی پڑھی۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے مخلص مریدوں میں تھے۔ ۱۷ر جون ۱۹۶۰ء بروز جمعۃ المبارک آگرہ (اکبر آباد) میں وفات پائی۔ نعتیہ نمونہ ملاحظہ کیجئے:

مہر تاباں کو ملی ہے ندرت روئے رسولؐ
چاند کی فطرت میں ہے کچھ فطرت روئے رسولؐ

خواب ہی میں کاش ہوتی طلعت روئے رسولؐ
ہم زبان دل سے کرتے مدحت روئے رسولؐ

خالق یکتا کا ہے بے مثل و بے ہمتا حبیبؐ
لاشریک خلق ہے یوں وحدت روئے رسولؐ

دل شگفتہ اس گل خوبی سے ہے فائق میرا
گلشن عالم میں ہے جو نکہت روئے رسولؐ

(۱۶) فیاض رامپوریؒ

مولوی فیاض الدین خاں فیاض ۱۸۷۹ میں رامپور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ عالیہ رام پور سے درس نظامی کی سند حاصل کرنے کے بعد السنہ کے امتحانات پنجاب اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے پاس کئے۔ عمر بھر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اوائل عمری میں ہی حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے دست حق پر سعادت بیعت حاصل کرلی تھی۔ ۱۵ر اگست ۱۹۶۳ء میں بروز جمعرات شب کے گیارہ بجے رامپور ہی میں رحلت ہوئی۔ تمام عمر نعت و منقبت کے سوا کچھ نہ کہا:

کوئی بھی نہیں واقف اسرار محمدؐ افضل ہے دو عالم سے بھی سرکار محمدؐ
توحید کی کثرت نے دوئی کو نہیں رکھا اللہ کا دیدار ہے دیدار محمدؐ
بڑھ کر ہو مجھے کنج لحد باغ ارم سے ہو جائے وہاں گر مجھے دیدار محمدؐ
فیاض کی نظروں میں بسے رہتے ہیں ہر دم! گیسوئے محمدؐ کبھی رخسار محمدؐ

(۱۷) پروفیسر حامد حسن قادریؒ

پروفیسر حامد حسن قادری بن مولوی احمد حسن (ف ۱۹۱۳ء) قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد (بھارت) میں ۲۵ر مارچ ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ میٹرک کرنے کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور سے عربی، فارسی کی تحصیل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور اردو فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد ایف اے کیا۔ مختلف اسکولوں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۳۵ء میں سینٹ جانسن کالج آگرہ میں پروفیسر ہوگئے۔ ۱۹۵۱ء میں ریٹائر ہوئے اور ۱۹۵۵ء میں کراچی آگئے۔ ۱۹۲۷ء میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۴۵ء میں خلافت و اجازت ملی۔ حضرت امیر مینائی کے شاگرد رشید منشی امتیاز علی راز رامپوری سے شاعری میں تلمذ تھا۔ ابتدائی چند سالوں کے سوا تا زیست نعت و منقبت کہی۔ اسّی کے قریب کتابیں لکھیں۔ منظوم کتابوں میں مرثیۂ شور محشر، قصیدۂ عطار، بیاض نعتیہ وغیرہ شامل ہیں۔ نثر میں "داستان تاریخ اردو" شہرہ آفاق کتاب ہے۔ ۶ر جون ۱۹۶۴ء بروز ہفتہ کراچی میں وفات پائی اور پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے۔ چند نعتیہ اشعار درج ذیل ہیں:

ختم رسل سردار دو عالم اشرف، انور، افضل، اکرم
صاحب لولاک، آیۂ رحمت ظلّ الٰہی، سایۂ رحمت
کہتی ہے ان سے رحمت داور انّا اعطینک الکوثر
ہم جیتے ہیں ان کے سہارے ہم ان کے ہیں اور وہ ہمارے
وہ ہیں ہمارے رب ہے ہمارا وہ ہیں ہمارے سب ہے ہمارا

(۱۸) فہیم آگروی (اکبر آبادی)

منشی عبدالرزاق فہیم آگرہ (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے مخلص مرید اور پرگو شاعر تھے۔ بڑے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور زاہد و عابد تھے۔ ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ انور سے مشرف ہوئے۔ نعت و منقبت پر مشتمل آپ

کا کلام ماہنامہ "انوار الصوفیہ" سیالکوٹ و قصور اور ماہنامہ "لمعات الصوفیہ" سیالکوٹ میں شائع ہوتا تھا۔ آپ کی وفات ۹ر جون ۱۹۶۴ء کو ہوئی۔ تبرکاً ایک نعت کے چند اشعار درج ہیں:

عاشق آئینہ روئے پیمبرؐ ہونا ہم اسے کہتے ہیں قسمت کا سکندر ہونا
حسرت و رشک کا باعث ہے شہنشاہوں کو درہم باغ محبت سے تونگر ہونا
"حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری" کس سے ممکن ہو بھلا آپ کا ہمسر ہونا
بخدا آپ کا دیدار ہے دیدار خدا "من رأنی" سے ہے ثابت مرا حق پر ہونا
دیدہ و دل کے لئے چاہئے ہر وقت نعیم شیخ کا آئینہ روئے منور ہونا

(۱۹) شمس سیالکوٹیؒ

قاضی شمس الدین شمس بن قاضی امیرالدین (ف ۱۹۴۳ء) بن قاضی احد جو بن قاضی رسول جو کی ولادت ۱۸۹۳ء میں جموں (ریاست جموں و کشمیر) میں ہوئی۔ بی اے کرنے کے بعد محکمۂ پولیس میں بطور سپرنٹنڈنٹ ٹو دی انسپکٹر جنرل پولیس جموںؒ ملازمت کرلی۔ پاکستان بننے کے بعد ۹ر نومبر ۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے سیالکوٹ آگئے۔ پہلے صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم خاں کے ساتھ رہے، پھر حکومت پاکستان کی ملازمت میں آگئے۔ وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ لے کر گوشہ نشین ہو گئے۔

قاضی صاحب اور ان کا تمام خاندان حضرت امیر ملت قدس سرہٗ سے بیعت تھا۔ فنافی الشیخ تھے۔ اردو، فارسی اور پنجابی میں شاعری کرتے تھے تمام عمر حمد و نعت اور منقبت کے سوا کچھ نہ کہا۔ ۱۹۲۲ء میں ان کا مجموعۂ کلام "میخانۂ خلد" طبع ہوا جو اب بالکل نایاب ہے۔ آپ کی وفات ۱۰ر مئی ۱۹۶۶ء بروز منگل سیالکوٹ میں ہوئی۔ اردو نعت کا انداز ملاحظہ ہو:

نام احمدؐ، دین و ایماں ہو گیا شکر للہ میں مسلماں ہو گیا
میرے عصیاں کی نہیں وقعت کوئی مغفرت کا جبکہ فرماں ہو گیا
مجھ کو بلوا لو مدینے میں حضورؐ لا دوا اب درد ہجراں ہو گیا
سوختہ جاں پر نگاہ لطف ہو سوز فرقت سے میں بریاں ہو گیا
شمس پر شاہ جماعتؒ کی طفیل کام جو مشکل تھا آساں ہو گیا

(۲۰) میر عثمان علی خاںؒ والئ حیدر آباد دکن

میر عثمان علی خاں عثماں آصف جاہ ہفتم بن میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس (ف

۱۹۱۱ء) کی ولادت ۶/ اپریل ۱۸۸۶ء کو حیدر آباد دکن میں ہوئی۔ اردو، فارسی اور علوم دینیہ کے علاوہ فنون حرب کی تعلیم حاصل کی۔ ۲۸/ اگست ۱۹۱۱ء کو سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

میر صاحب کی پہلی بیعت حضرت مولانا خیر المبین قادریؒ (ف ۱۹۲۲ء) آف حیدر آباد دکن سے تھی ان کی رحلت کے بعد حضرت امیر ملت قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ میر صاحب اردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ ان کا کلام ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور میں چھپتا تھا۔ آپ کی وفات ۲۴/ فروری ۱۹۶۷ء کو حیدر آباد دکن میں ہوئی۔ ایک فارسی نعت یوں ہے:

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است　　خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است
دیدم بعین قلب و شنیدم بگوش ہوش　　در ہر مکاں ندائے جلال محمدؐ است
دریائے معرفت کہ کنارش پدید نیست　　یک قطرہ ز بحر کمال محمدؐ است
دارم چو درگرہ گہر آبدار دیں　　ایں آب من ز آب زلال محمدؐ است
پُر نور کرد آنکہ حریم دل مرا　　عثماں ضیائے شمع خیال محمدؐ است

(۲۱) ممتاز علی خاں ممتاز رتیرویؒ

ممتاز علی خاں ممتاز ۱۹۰۵ء میں رتیرہ ضلع حصار (مشرقی پنجاب، بھارت) میں محمد عمر خاں کے ہاں راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مڈل پاس کرنے کے بعد اسکول ماسٹر رہے اور پھر پولیس میں بھرتی ہوگئے۔ بعد ازاں فوج میں کلرک کی آسامی پر فائز ہو گئے۔ ۱۹۶۳ء میں بطور حوالدار کلرک ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر خلافت و اجازت سے بھی نوازے گئے۔ شعر و شاعری سے بھرپور دلچسپی تھی۔ ساری عمر نعت و منقبت کے سوا کچھ نہ کہا۔ ۷/ جون ۱۹۶۹ء بروز ہفتہ بحالت نماز عصر چک نمبر ۱۰۔ ایم ایل ضلع میانوالی میں انتقال کیا۔ نعتوں اور قصائد کا ایک قلمی مجموعہ یادگار ہے جو ان کے صاحبزادے رانا عزیز احمد خاں کے پاس موجود ہے۔ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز چند نعتیہ اشعار قابل داد ہیں:

مدینہ کی بستی دکھا دے نبیؐ جی　　میرا بخت خفتہ جگا دے نبیؐ جی
میرے دل کو تیری لگی ہے لگن　　لگی میرے دل کی بجھا دے نبیؐ جی
تیرے عشق نے ہے ستایا مجھے　　دکھا جلوہ، حسرت مٹا دے نبیؐ جی

مدینہ مدینہ مرے لب پہ ہے یہی میرے دل میں بسا دے نبیؐ جی
میرا کام ہے آقا تیرے حوالے میری بات بگڑی بنا دے نبیؐ جی
نہیں تجھ بنا کوئی ممتاز کا اسے اب ٹھکانے لگا دے نبیؐ جی

(۲۲) محمد عبداللہ مضطر گجراتیؒ

محمد عبداللہ مضطر گجراتی ۱۹۱۴ء میں گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ حضرت امیر قدس سرہٗ سے شرف بیعت رکھتے تھے۔ اردو میں نعتیہ شاعری کرتے تھے۔ ۲ر دسمبر ۱۹۶۹ء کو "دربار چھوٹے میاں لاہور" میں وفات پائی۔ ایک نعت کا نمونہ ملاحظہ ہو:

ترے بغیر مناظر، نظر کشا تو نہ تھے کہ خود نما تھے عناصر، خدا نما تو نہ تھے
مجھے جہاں کی غلط بینیوں پہ ہے افسوس حضورؐ دل کی نگاہوں سے ماورا تو نہ تھے
یہ آگہی شب اسریٰ نے دی نہ ہو ان کو فرشتے رفعت آدم سے آشنا تو نہ تھے
ترے کرم ہی نے ہم عاصیوں کی رکھ لی شرم وگرنہ حشر کے دن مورد جزا تو نہ تھے
سلام آتے ہیں جنت کے، حور و غلماں کے ہم اس دیار میں مضطر غزل سرا تو نہ تھے

(۲۳) خلیل صمدانیؒ

شیخ خلیل احمد خلیل صمدانی ۱۹۰۵ء میں بیکانیر (راجپوتانہ، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی شیخ محمد ابراہیم آزاد، بیکانیر ہائی کورٹ کے چیف جج اور حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ خلیل صمدانی نے ۱۹۲۷ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ ۱۹۶۸ء میں جے پور (بھارت) میں "گلزار خلیل" کے نام سے نعتیہ مجموعہ شائع ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں ملتان آگئے اور ۱۵ر جون ۱۹۷۰ء کو یہیں انتقال کر گئے۔ ایک نعت کے چند اشعار:

کس کا تھا نور جلوہ نما کس کے نور سے کونین کا ظہور ہے کس کے ظہور سے
اللہ رے بے بسی میری صورت سوال تھی رحمت نے ان کی بھانپ لیا مجھ کو دور سے
باد صبا ادب کے قرینے سے دور ہے پہنچائیں گے سلام کسی ذی شعور سے
دارومدار ان کی شفاعت پہ ہے خلیل امید مغفرت ہے خدائے غفور سے

(۲۴) حکیم خادم علی خادم سیالکوٹیؒ

حکیم خادم علی خادم بن علامہ غلام محمد قادری ۱۹۲۶ء میں کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ شاعری میں مولانا عبدالقادر ہزارویؒ سے تلمذ تھا۔ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے مگر حمد و نعت اور منقبت کے سوا کچھ نہ کہا۔ ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور، سیالکوٹ اور قصور میں آپ کا کلام بلاغت نظام چھپتا تھا۔ ۲۱ر اگست ۱۹۷۱ء بروز ہفتہ سیالکوٹ میں رحلت ہوئی۔ فارسی نعت کا نمونہ یوں ہے :

زہے سعادت آنکس کہ در مدینہ رسید ۔۔۔ بوقت شوق و محبت بپائے سر بدوید

نمے روم بہ پیش کسے پئے حاجت ۔۔۔ چوبہر فتح مطالب محمدؐ است کلید

زنار دوزخ سوزاں چراغ مے دارد ۔۔۔ کہ ہست در دل و جانش ہوائے خیر عبید

بدہ تو رشک مسیحا دوائے درد فراق ۔۔۔ کہ جان خادم عاصی ز غم بلب بہ رسید

(۲۵) نور محمد نور خالدیؒ

نور محمد نور خالدی، پلول ضلع گوڑ گانواں (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ہجرت کر کے جتوئی ضلع مظفر گڑھ (پنجاب) میں مقیم ہوگئے۔ آخر عمر میں احاطہ رحیم بخش برنی روڈ گڑھی شاہو لاہور میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے جاں نثار مرید تھے۔ ۱۹۷۴ء میں "مجموعۂ نور" کے نام سے کلام چھپا تھا۔ ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۵ء بروز منگل لاہور میں رحلت ہوئی۔ اردو نعت کا نمونہ :

دل میں میرے یادِ شہِ لولاکؐ نگیں ہو ۔۔۔ آنکھوں میں بسی میرے مدینے کی زمیں ہو

معراج کی شب کون و مکاں میں جو مکیں ہو ۔۔۔ ظاہر میں کہیں اور حقیقت میں کہیں ہو

یوسفؑ کو ہو کب دعویٰ اگر لاکھ حسیں ہو ۔۔۔ تم صلِ علیٰ نورِ خدا ماہِ مبیں ہو

اے شاہِ عرب سر تیری چوکھٹ پہ جھکا ہے ۔۔۔ تم کعبۂ ایماں ہو میرے قبلۂ دیں ہو

اے نورؔ میں جب واصف و مداحِ نبیؐ ہوں ۔۔۔ پھر کیوں نہ میری نعت کی رنگین زمیں ہو

(۲۶) پروفیسر محمد طاہر فاروقیؒ

پروفیسر محمد طاہر بن پروفیسر مولوی محمد محسن فاروقی کی ولادت ۱۴؍ ستمبر ۱۹۰۵ء کو رامپور (بھارت) کے ایک علم دوست گھرانے میں ہوئی۔ درس نظامی کے بعد فارسی اور اردو میں ایم اے کر کے آگرہ کالج، ڈھاکہ یونیورسٹی، اورینٹل کالج لاہور، اسلامیہ کالج پشاور، پشاور یونیورسٹی اور انقرہ یونیورسٹی (ترکی) میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ بہت بڑے ادیب، شاعر اور مصنف تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے مرید صادق تھے۔ ۲۰؍ ستمبر ۱۹۷۸ بروز بدھ پشاور میں انتقال کیا۔ نمونۂ نعت یوں ہے :

آپ کے کوچے میں ہو میرا گزر یا مصطفٰےؐ
میری پیشانی ہو اور وہ سنگ در یا مصطفٰےؐ

اس جوار قدس میں للہ کیجئے باریاب
یا رسول اللہؐ، یا خیرالبشرؐ، یا مصطفٰےؐ

ارمغان شایان دربار رسالت کچھ نہیں
ہاں! بس اک شرم گنہ، اک چشم تر یا مصطفٰےؐ

رشحۂ ابر کرم کا اک چھینٹا ہی سہی
میری ظلمت کی بھی ہو جائے سحر یا مصطفٰےؐ

ازرہ لطف و کرم آپ اپنا دیوانہ کہیں
بس یہ ہو طاہرؔ کی نیت کا ثمر یا مصطفٰےؐ

(۲۷) راشد علی راشد بچھرانویؒ

الحاج مولوی راشد علی راشد بن مولوی حامد علی نظامی کی ولادت ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۱۵ء بروز منگل بچھراؤں ضلع مراد آباد (یوپی، بھارت) میں ہوئی۔ جامعہ ملیہ دہلی سے "ادیب کامل" کیا۔ ۱۹۴۰ء میں حضرت امیر ملتؒ سے بیعت ہوئے۔ شاعری میں اپنے ماموں پروفیسر حامد حسن قادری (ف ۱۹۶۴ء) سے تلمذ تھا۔ ۲۰؍ جون ۱۹۸۲ء بروز اتوار بچھراؤں ہی میں رحلت کی۔ نمونۂ نعت یوں ہے :

تھرّائے نہ کیوں قلب و جگر دشمن دیں کا
دیکھی نہیں کیا شوکت ذیشان مدینہ

صف باندھے ہوئے چاروں طرف جنّ و بشر ہیں
اس شان سے آتا ہے وہ جانان مدینہ

کرے تو ارادہ کبھی ہو جائے گا پورا
ہو جائے گا اک روز تو مہمان مدینہ

بوبکرؓ عمرؓ اور غنیؓ حیدر کرارؓ
گلدستہ ہیں یہ چاروں گلستان مدینہ

حسنینؓ کے صدقہ میں بلا لو مجھے آقا
راشد بھی ہے مدّت سے ثناء خوان مدینہ

(۲۸) مولانا غلام رسول گوہر قصوریؒ

مولانا غلام رسول گوہر بن مولانا فضل دین کی ولادت ۱۹۱۰ء میں موضع آوان تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر (بھارت) میں ہوئی۔ رمداس ضلع امرتسر' بریلی شریف اور علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ بیعت حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے دست حق پر کی۔ شاعری میں تلمذ علامہ سیماب اکبر آبادی (۱۸۸۰ء - ۱۹۵۱ء) سے تھا۔ فارسی' اردو اور پنجابی میں نعت کہتے تھے۔ ابتدائی دور میں غزل کہی مگر جلد ہی نعتیہ شاعری کرنے لگے۔ ادیب' خطیب' مصنّف' نعت گو شاعر کی حیثیت سے ممتاز تھے۔ ۲۷ مارچ ۱۹۸۵ء بروز بدھ بعارضۂ قلب قصور میں رحلت فرمائی۔ نعتیہ اشعار بطور تبرّک ملاحظہ ہوں :

مرے دل کی تمنا ہے محمدؐ کی زیارت ہو
سرور قلب حاصل ہو تو آنکھوں کی عبادت ہو

اطاعت فرض ہے ہر کام میں شاہ مدینہ کی
عبادت ہو' معیشت ہو' کوئی امر سیاست ہو

محمدؐ مصطفےٰ کے عاشقوں پر یہ کرم ہوگا
کہ محشر میں نہ گھبرائیں نہ کچھ خوف قیامت ہو

ندائے یا رسولؐ اللہ غذائے روح و ایماں ہے
اسی نعرے کی برکت سے دلوں کو ذوق طاعت ہو

محمدؐ کی ثنا خوانی محبت ہی سے ہوتی ہے
محبت گوہر ایماں ہے' نہ ایماں بے محبت ہو

(۲۹) انجم وزیر آبادیؒ

محمد جان انجم بن ماسٹر نبی بخش کی ولادت ۱۹۱۱ء میں وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں ہوئی۔ میٹرک کرنے کے بعد مختلف جگہوں پر کاروبار کرتے رہے۔ اور آخر کار لاہور میں مقیم ہو گئے۔ شاعری میں علامہ سیماب اکبر آبادی اور محمد عبداللہ مضطر گجراتی وغیرہم سے تلمذ تھا۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے مرید صادق تھے۔ دو نعتیہ مجموعے "جام کوثر" اور "مینائے کوثر" لاہور سے طبع ہوئے۔ ۸۶-۱۹۸۵ء میں لاہور میں سپرد خاک ہوئے۔ نعت کا رنگ ملاحظہ ہو :

آج احمدؐ مختار کے جلووں پہ نظر ہے
کیا چیز یہ تابانیٔ خورشید و قمر ہے

یہ سرور عالمؐ شہ کونین کا در ہے
بندوں کو ملا کرتی ہے اس در سے خدائی

یہ خواجۂ کونین کی رحمت کی نظر ہے
ہر پھول تر و تازہ ہے ہر غنچہ شگفتہ

یہ مشغلہ تسکین دہ قلب و نظر ہے
انجمؔ کئے جا سجدوں پہ سجدے سحر و شام

(۳۰) کلیم حیدر آبادیؒ

مولانا غلام جیلانی کلیم جماعتی بن مولانا غلام احمد کی ولادت ۲۷ر نومبر ۱۹۲۲ء کو حیدر آباد دکن (بھارت) میں ہوئی۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ ان دنوں حیدر آباد دکن فروکش تھے۔ آپ نے نام تجویز فرمایا۔ کلیم صاحب نے ۱۹۳۵ء میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ سے بیعت کی۔ پاکستان بننے پر علی پور سیداں آگئے۔ یہاں آکر بی اے اور ادیب فاضل کیا۔ تدریس میں زندگی گزار دی۔ شعرو شاعری سے بھرپور دلچسپی تھی۔ ۹ر جنوری ۱۹۸۷ء بروز جمعۃ المبارک موضع بھڑتھ نزد سیالکوٹ چھاؤنی رحلت ہوئی۔ نعتیہ رنگ ملاحظہ ہو :

رفعت مصطفےٰ کی بات کرو ۔۔۔ عظمت مصطفےٰؐ کی بات کرو
روح پرور ہیں کیسی خوشبوئیں ۔۔۔ نکہت مصطفےٰؐ کی بات کرو
دل کو راحت نصیب ہوتی ہے ۔۔۔ صورت مصطفےٰؐ کی بات کرو
زلف کی، رخ کی، چشم و ابرو کی ۔۔۔ ندرت مصطفےٰؐ کی بات کرو
ان کا ثانی ہوا نہ ہوگا کبھی ۔۔۔ وحدت مصطفےٰؐ کی بات کرو
پاؤں چومے ہیں عرش اعظم نے ۔۔۔ عزت مصطفےٰؐ کی بات کرو
گرتی انسانیت کو تھام لیا ۔۔۔ قوت مصطفےٰؐ کی بات کرو
گر پڑی سیف دست دشمن سے ۔۔۔ شوکت مصطفےٰؐ کی بات کرو
معجزہ تو ہے خرق عادت کا ۔۔۔ عادت مصطفےٰؐ کی بات کرو
دعویٰ عشق بے دلیل نہ ہو ۔۔۔ سنّت مصطفےٰؐ کی بات کرو
ہے جو اب سے یورش اعداء ۔۔۔ امت مصطفیٰؐ کی بات کرو
آخری سانس تک کلیمؔ حزیں ۔۔۔ مدحت مصطفےٰؐ کی بات کرو

(۳۱) فیاض حیدر آبادیؒ

مرزا ذوالفقار علی بیگ فیاض جماعتی بن مرزا فیض حسین بیگ فیض کی ولادت ۱۹۱۰ء میں حیدر آباد دکن (بھارت) میں ہوئی۔ ان کے خاندان کو شاعری سے بھرپور دلچسپی رہی ہے۔ مثلاً" مرزا اسد اللہ خاں غالب، نواب مرزا الٰہی بخش معروف دہلوی، مرزا رفیع الدین بیگ وحشی دہلوی، نواب آغا مرزا بیگ حاذق اور مرزا فرحت اللہ بیگ فرحت وغیرہ وغیرہ۔

فیاض جماعتی، حیدر آباد دکن میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمۂ زراعت کی آسامی پر فائز تھے۔ ۱۹۳۳ء میں حیدر آباد دکن میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ سے بیعت کی اور تا زیست حق

مریدی ادا کیا۔ تمام عمر نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پیرو مرشد کی منقبت کے سوا کچھ نہ کہا۔ ۱۹۵۹ء میں حیدر آباد دکن سے مجموعۂ کلام "فیضان امیر ملت" شائع ہوا۔ ۱۹۹۳ء میں حیدر آباد دکن میں آپ کی رحلت ہوئی۔ نعتیہ نمونہ :

گردش میں ازل سے ہے پیمانہ محمدؐ کا — جاری ہے دو عالم میں میخانہ محمدؐ کا
بہتر ہے دو عالم سے مستانہ محمدؐ کا — کم ظرف نہیں پیتا پیمانہ محمدؐ کا
جانبازوں کا جمگھٹ ہے بازار محبت میں — اللہ بھی ہے محشر میں مستانہ محمدؐ کا
ایمان کی رحمت ہے دربار نبوت میں — اللہ سے واصل ہے دیوانہ محمدؐ کا
مومن ہے دل و جاں سے صدقے رخ روشن پر — ہنگامۂ محشر میں پروانہ محمدؐ کا
اللہ کے بندوں کو محشر میں عجب سوجھی — پڑھتے چلے آتے ہیں افسانہ محمدؐ کا
فیاضؔ کو محشر میں کھٹکا نہیں پُرسش کا — شیدائے جماعتؒ ہے پروانہ محمدؐ کا

(۳۲) عزیز مخدومی امرتسریؒ

پیرزادہ عبدالعزیز، عزیز مخدومی، امرتسر (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ بڑے عالم، فاضل اور اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ ماہنامہ "الجماعت" امرتسر کے مدیر شہیر تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے خصوصی مریدوں میں سے تھے۔ ماہنامہ "طریقت" لاہور، ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور اور ہفت روزہ "الفقیہہ" امرتسر میں ان کا کلام چھپتا تھا۔ "عذر شکوہ" کے نام سے ان کا مجموعۂ کلام بھی چھپا جو بالکل نایاب ہے۔ نعتیہ کلام توجہ چاہتا ہے :

یا نبیؐ آپ کی بعثت ہے فلاح امت — آپ کی مہر نبوت ہے دلیل ثروت
آپ کے فیض قدم سے ہے جہاں کو زینت — آپ سے عالم ناسوت کو ہے سو عزت
آپ نے خلق کو خالق کی بتائی وحدت — کینہ توزوں کو دیا آپ نے درس الفت
آپ کی شان رسالت ہے عجب باشوکت — آپ کا حسن ہے منظور نگاہ قدرت

(۳۳) فیض بیکانیریؒ

سید فیض محمد فیض، بیکانیر (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے منظور نظر مرید تھے۔ شاعری میں منشی نثار احمد نثار بیکانیریؒ (مرید امیر ملتؒ) سے شرف تلمذ تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ نعت و منقبت کے سوا کوئی شعر نہیں کہا۔ بڑے پُرگو شاعر تھے۔ بیکانیر میں رحلت ہوئی۔ نعتیہ کلام ملاحظہ ہو :

نہ ہم سوئے جناں جائیں نہ وہ گلزار دیکھیں گے
تیرے شیدائی ہیں ہم تو تیرا دیدار دیکھیں گے

بھنور سے آپ بیڑا دم میں ہوتا پار دیکھیں گے
نگاہ لطف سے جس دم شہ ابرارؐ دیکھیں گے

میری بگڑی سنور جائیگی اک چشم زدن میں
میرا آنکھوں سے جب آکر وہ حال زار دیکھیں گے

تمہارے جب سگ در ہیں ہمیں دنیا میں کیا پروا
تمہارا چھوڑ کر در کیوں در اغیار دیکھیں گے

اندھیرے میں لحد کے جب وہ خود تشریف لاویں گے
نہ کیوں مرقد ہمارا آپؐ پُرانوار دیکھیں گے

کسی شہ پر کے قدموں سے لگے ہیں مور بنکر ہم
کبھی تو فیض ہم وہ روضۂ سرکار دیکھیں گے

(۳۴) منظور حسین نامیؒ

منظور حسین نامی ایم اے، ایم ایس سی (علیگ) ہندوستان کے نامور ادیب اور شاعر تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ، کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ نامی صاحب خواجہ حسن نظامی دہلویؒ (۱۸۷۸ء ۱۹۵۵ء) کے اخبار "منادی" میں بطور معاون کام کرتے رہے۔ ان کا کلام ماہنامہ "آستانہ" دہلی اور ماہنامہ "انوار الصوفیہ" قصور میں بھی چھپتا رہا۔ ان کی رحلت اغلباً ۵۵-۱۹۵۴ء میں ہوئی۔ نعتیہ کلام تبرکاً نقل ہے:

شہنشاہ کونین فخر دو عالم
سکون دل و جاں ہے ذات مکرّم

ہوا آپؐ سے نظم ہستی منظم
ظہور آپؐ کا وجہ تخلیق آدم

سلام آپ پر یا نبیؐ معظم

(۳۵) لیلیٰ حسین پوریؒ

امتہ الکافی لیلیٰ حسین پوری، ہندوستان کی سحر طرز ادیبہ اور باکمال شاعرہ تھیں۔ ان کے شوہر منظور حسین نامی (علیگ) بھی ایک مشہور ادیب اور بلند پایہ شاعر تھے۔ میاں بیوی دونوں حضرت امیر ملت قدس سرہ، کے مرید تھے۔ لیلیٰ حسین پوری کا کلام ماہنامہ "آستانہ" دہلی اور ماہنامہ "انوار الصوفیہ" قصور میں چھپتا تھا۔ اغلباً ۷۰-۱۹۶۹ء ان کی رحلت ہوئی۔ نعتیہ کلام ملاحظہ ہو:

جاتے ہیں طیبہ کو ہم اس شوق سے اس چاہ سے
خار پلکوں سے چنیں گے سب وہاں کی راہ سے

جا کے روضہ پر حبیب پاکؐ کے باد صبا
حال میرا عرض کر دینا رسولؐ اللہ سے

ان کے آنے کا بھی یہ کتنا حسیں انداز ہے — آتے ہیں چھپ چھپ کے وہ آنکھوں میں دل کی راہ سے
اس نے جا کے راز دل سب ان پہ افشا کر دیا — اک صدائے درد نکلی تھی جو دل کی تہ سے
زندگی بھر کی یہ لیلیٰ آرزو اس دل میں ہے — جالیوں میں بھی کبھی اپنے رسولؐ اللہ سے

(۳۶) عارف بیکانیریؒ

محمد عثمان، عارف بیکانیری بن علامہ محمد عبداللہ بیدل بیکانیری (۱۸۸۸ء - ۱۹۷۰ء) کی ولادت ۵؍ اپریل ۱۹۲۳ء کو بیکانیر (راجستھان، بھارت) میں ہوئی۔ ایم اے، ایل ایل بی کر کے بیکانیر میں وکالت شروع کر دی۔ کئی دفعہ بھارتی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ یوپی کے گورنر بھی رہے۔ ۴۲-۱۹۴۱ء میں حضرت امیر ملت قدس سرہ، سے بیعت کی۔ پیرو مرشد کے دیوانے تھے۔ شاعری میں والد ماجد سے تلمذ تھا۔ ان کے تین نعتیہ مجموعے "عقیدت کے پھول" (۱۹۸۱ء)، "فیضان مصطفےٰؐ" (۱۹۸۸ء) اور "توفیق الٰہی" (۱۹۹۰ء) چھپ چکے ہیں۔ اغلباً ۱۹۹۳ء یا ۱۹۹۴ء میں ان کی بیکانیر میں رحلت ہوئی۔ ایک نعت کی جھلک دیکھئے :

جاتے ہیں جو کعبہ سے زوّار مدینے میں — آغوش میں لیتے ہیں سرکارؐ مدینے میں
کیا طور کو نسبت ہے ہلکی سی جھلک دیکھی — سب حسن خدا کے ہیں انوار مدینے میں
سلطان ترستے ہیں اس در کی گدائی کو — کس شان کا لگتا ہے دربار مدینے میں
وہ خاک مقدس ہے سر آنکھوں پہ رکھنے کی — جس خاک پہ چلتے تھے سرکارؐ مدینے میں
میخانۂ عرفاں کا وہ کیف و اثر دیکھا — ہیں عشق نبیؐ میں سب سرشار مدینے میں
عارفؔ اسے کیا نسبت اس نعت مقدس سے — ساغر کو نہیں چھوتے میخوار مدینے میں

(۳۷) ڈاکٹر مغیث الدین فریدیؒ

استاذ زمن عارف باللہ مولانا احمد حسن کانپوریؒ (ف ۱۹۳۱ء) کے حقیقی نواسے ڈاکٹر مغیث الدین فریدی بن عظیم الدین فریدی کی ولادت یکم مئی ۱۹۲۶ء کو فتح پور سیکری (آگرہ، بھارت) میں ہوئی۔ ایم اے کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کر کے آگرہ کالج اور دہلی یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے استاد رہے۔ ۴۴-۱۹۴۳ء میں آگرہ میں حضرت امیر ملت قدس سرہ، کے دست مبارک پر بیعت کی۔ ابتدا میں نظام فتح پوری سے شاعری میں تلمذ کیا۔ پھر آگرہ میں دوران تعلیم پروفیسر حامد حسن قادریؒ اور پروفیسر محمد طاہر فاروقیؒ سے تلمذ اختیار کر کے شاعری میں پختگی کا رنگ بھرا۔ ایک نعت تبرکاً درج کی جا رہی ہے :

جو تیرے بھکاری کہلائے محتاج کے و جم ہو نہ سکے — جو سر تیرے در پہ جھک کے اٹھے پھر کہیں خم ہو نہ سکے

وہ زخم محبت مل جائے جس کا کوئی مرہم ہو نہ سکے — خود تیریؐ نظر چھلکے لیکن درد اور بڑھے کم ہو نہ سکے

اک تیرےؐ علاوہ جتنے نبی دنیا میں خدا نے بھیجے ہیں — پیغامبر رحمت ہی رہے خود رحمت عالم ہو نہ سکے

بھٹکے ہوئے مرد مومن کو پھر ایسی نظر ایسا دل دے — دنیا میں ہلالی پرچم سے اونچا کوئی پرچم ہو نہ سکے

(۳۸) اسلم کاشمیریؒ

اسلم کاشمیری بن میاں کرم الٰہی کا ولادت ۳۱ر مارچ ۱۹۲۴ء بروز پیر کوٹ پنڈی داس تحصیل شاہدرہ (حال فیروز والا) ضلع شیخوپورہ میں ہوئی۔ میٹرک کے بعد ادیب فاضل کیا۔ ۱۹۴۳ء میں صحافت سے وابستہ ہوگئے۔ برّصغیر کے مختلف روزناموں میں دہلی، بمبئی، لاہور میں ۱۹۹۱ء تک کام کرتے رہے۔ شاعری میں مومن ثانی حضرت علامہ تاج عرفانیؒ (۱۸۸۴ء۔ ۱۹۵۹ء) سے شرف تلمذ تھا۔ ۱۹۴۱ء میں لاہور میں اپنے استاذ گرامی کی وساطت سے حضرت امیر ملت قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے اور پھر پیرو مرشد سے محبت کا حق ادا کرتے رہے۔ ایک نعت جو عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ درج ذیل ہے:

لئے زندگی کا پیام آگئے ہیں — مبارک ہو خیرالانامؐ آگئے ہیں

تباہی سے انسانیت کو بچانے — خود انسانیت کے امام آگئے ہیں

مٹانے جہالت کی تاریکیوں کو — رسالت کے ماہ تمام آگئے ہیں

غریبوں، ضعیفوں، یتیموں کو مژدہ — کہ سرچشمۂ فیض عام آگئے ہیں

عطا کرنے بگڑے ہوئے میکشوں کو — ہدایت کا لبریز جام آگئے ہیں

تصور کا عالم بھی کتنا حسیں ہے — مدینے کے دیوار و بام آگئے ہیں

ہر اک شۓ پہ ہے عالم کیف طاری — یہ گردش میں کس شۓ کے جام آگئے ہیں

رسائی ہوئی ان کے قدموں تک اسلم — عقیدت کے جذبات کام آگئے ہیں

☆ ☆ ☆ ☆

چند نعت گویان بریلی

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی - بریلی

اردو کے فروغ میں بریلی (یو-پی بھارت) نے زبردست کردار ادا کیا ہے۔ شمالی ہند میں اردو نعت کا غلغلہ بلند ہوتا ہے تو بریلی تک اس کی صدا پہنچتی ہے اور شاہ نیاز بریلوی بھی اردو نعت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق اور ڈاکٹر ریاض مجید نے انہیں بھی نعت اردو کے کارواں کو آگے بڑھانے والوں میں شمار کیا ہے۔ علاوہ ان کے لطف علی خان لطف بریلوی جہانِ نعت کا ایک معتبر نام ہے۔ کرامت علی خاں شہیدی کا وطن گو بریلی تو نہیں ہے لیکن آپ نے اپنی عمر کے آخری دور میں کئی سال تک بریلی میں قیام فرمایا ہے اور یہاں رہ کر آپ نے نعتیں بھی کہیں ہیں لہٰذا اگر ان کو بھی نعت گویان بریلی میں شمار کر لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے نعت میں جو تقدیسی انقلاب برپا کیا اور اسے جو علمی وقار' ادبی حسن اور فنی جمال بخشا وہ اہل علم و فن سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید' مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعت کے زیرِ اثر ایک نعتیہ تحریک کا آغاز ہوا اور علماء و صوفی شعرا نے اردو نعت کو ایک نیا رنگ و آہنگ دیا۔ امام احمد رضا بریلوی کے گھرانے سے اردو نعت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ امام احمد رضا کے برادر اوسط مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی' امام احمد رضا کے صاحبزادگان حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں حامد بریلوی اور مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی' امام احمد رضا کے نبیرزادگان مولانا ریحان رضا خاں ریحان بریلوی اور مولانا اختر رضا خاں ازہری اختر بریلوی نے بھی اردو نعت کو نکھارنے' سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ تمام صاحبان' صاحبان دیوان شعرا ہیں۔ مولانا اختر رضا خاں صاحب کی نعت گوئی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ امام احمد رضا کے خانوادے کے نعت نگاروں کے علاوہ شاہ ناصر بریلوی اور مولانا جمیل الرحمٰن خاں جمیل کا شمار بھی اردو کے معتبر نعت گویوں میں ہوتا ہے۔ علامہ شمس بریلوی مرحوم جو تقسیم ہند کے کئی سال بعد کراچی منتقل ہوئے ان کی نعت گوئی کا آغاز بریلی سے ہی ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے اچھی خاصی تعداد میں نعتیں کہہ دی تھیں کہ ایک نعتیہ مجموعہ مرتب ہو سکتا تھا مگر افسوس کہ بریلی سے کراچی آتے وقت بیاض گم ہو گئی اور اس طرح بریلی میں کہی ہوئی نعتوں کا علیحدہ مجموعہ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر نہ آسکا لیکن بہرحال انہیں بھی نعت گویان بریلی میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دیگر شہروں کی بہ نسبت اردو نعت گوئی کے فروغ میں شہر بریلی کا زیادہ ہاتھ ہے اور ایک اہم کردار ہے۔ آج بھی بریلی کے بیشتر شعرا ایسے ہیں

جن پر مستقل نعت گو شاعر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ہر ایک کا تذکرہ ممکن نہیں۔ زیر نظر مضمون میں بریلی کے صرف تین نعت نگاروں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

(ا) مختار نسیم

جناب مختار نسیم کا شمار بریلی کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ تاریخ ولادت ۱۲ار جنوری ۱۹۳۳ء ہے۔ گھر کا ماحول شعری تھا۔ ان کے والد اور برادر اکبر شاعر تھے۔ ان کے والد ماجد نے خود ان کا تخلّص نسیم رکھا۔ ابرار حسنی گنوری سے انھیں شرف تلمّذ حاصل ہے اور اس طرح جناب نسیم کا سلسلہ مولانا احسن مارہروی سے ہوتا ہوا داغ دہلوی اور پھر حضرت ذوق تک پہنچتا ہے۔ آپ نعت و منقبت کے شاعر ہیں۔ کبھی کبھی غزلیں ضرور کہہ لیتے ہیں لیکن بنیادی طور پر نعت گو ہیں۔ جناب نسیم امام احمد رضا بریلوی ہی کی تحریک نعت سے متعلق ہیں اور ان کی نعتیہ شاعری عقیدت کے ساتھ ساتھ عقیدے کی بھی مظہر ہے۔ مختلف نعتیہ غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

لیا سینے پہ جس نے نقش ان کے پائے اطہر کا — ہمیں بھی کاش مل جائے مقدّر ایسے پتھر کا

○

دیکھے سے آگ لگتی ہے فردِ گناہ میں — اک یہ اثر بھی روضۂ خیرالبشر میں ہے

○

کسی کی طور سینا تک کسی کی آسماں تک ہے — مگر سرکار کی رفعت مکاں سے لامکاں تک ہے

○

نہ لکھ ان کو انساں یہ مطلب نہیں — مگر پیکر نور انسان لکھ

ہو کیوں قبر و میزان و محشر کا غم — ہیں آقا ہمارے نگہبان لکھ

میرے دل کو کعبہ بھی لکھنا نسیم — مدینے کو پہلے مری جان لکھ

○

میرے سرکار ہیں اس طرح رواں آج کی رات — محو حیرت ہے ہر اک وہم و گماں آج کی رات

مندرجہ بالا اشعار جناب نسیم کی سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پایاں عقیدت و محبت کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ حضور جان نور علیہ التحیتہ والثناء کے متعلق ان کے عقیدے کے بھی مظہر ہیں۔ ان اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا بیان بھی ہے اور انکی شفاعت و نورانیت کا تذکرہ بھی۔ جناب نسیم کے یہ اشعار تلمیحی حسن سے بھی آراستہ ہیں۔

لفظ نعت کے حوالے سے جناب نسیم کے چند اشعار دیکھیے وہ کس طرح نعت کے برکات'

نعت رقم کرنے کے کٹھن مرحلے، نعت کی لطافت و نزاکت کا بیان کرتے ہیں۔

نعت کہنے کے لئے منظر سجا دیتا ہے کون گنبد خضرا نگاہوں میں بسا دیتا ہے کون

جگمگاتے لفظ آجاتے ہیں میرے سامنے میری پرواز تخیل کو ضیاء دیتا ہے کون

نعت گوئی تیغ پر چلنے سے ہرگز کم نہیں پھر بھی چلنے کا ہمیں یہ حوصلہ دیتا ہے کون

○

ان کی مدحت کا ہر اک لفظ ہے مشک و عنبر جب پڑھی نعت تو اشعار سے خوشبو آئی

نعت کا محرک بھی عشق رسولؐ ہے۔ اور ایمان کی آن بان حتیٰ کہ ایمان کی جان بھی عشق رسولؐ ہے۔ نسیم بریلوی بھی اسی عشق کو اپنے لئے سب سے بڑی نعمت قرار دیتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں اپنی خود سپردگی کا اظہار کرتے ہیں اور اسی عشق کے حوالے سے شہر رسولؐ مدینہ امینہ سے بھی اپنے محبت و عقیدت کا والہانہ اظہار کرتے ہیں۔

نبی کا عشق ہی کافی ہے میرے دل کیلئے دعائیں کرتا ہوں اس عشق مستقل کیلئے

○

تصدق یہ دل اس کے جینے کا نام ہر اک سانس جس کی مدینے کے نام

ہوا زینت دل غم شاہِ دیں ہے میری انگوٹھی نگینے کے نام

اس شعر میں تشبیہات کا حسن بھی قابل دید ہے۔

آپ کا درد ہی ہر درد کا درماں نکلا نکلا آنسو بھی تو غارت گر عصیاں نکلا

یہ شعر نزاکت خیال کا حسین پیکر ہے۔ اس میں حضور شافع یوم النشور سے والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار بھی ہے اور ان کی شفاعت کا اقرار بھی اور بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر کا عجز و انکسار بھی۔

حضرت پیغمبر آخرالزماں، ہادیؐ ہر زماں و ہر انسان ہیں اور انہیں کی پاکیزہ زندگی نے انسان کو زندگی و بندگی کا شعور و سلیقہ عطا کیا ہے اور لاریب قرآن حکیم سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔ جناب نسیم نے ان حقائق کا کیا حسین اور حقیقی اظہار کیا ہے:

کفر کی برف میں منجمد انساں کا شعور جس کو پگھلانے ہدایات کا سورج چمکا

○

اس پیکر اخلاق میں صناع ازل نے جو نقش بنایا ابد آثار بنایا

اس شعر میں جناب نسیم نے محسن اعظم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیکر اخلاق کہہ کر بایں انداز ان کے خلق عظیم کا بیان کردیا ہے جیسے واصف خاموش رہ کر ہی موصوف کی تمام عظمتوں کا اعتراف کرلے اور یہی خامشی موصوف کی بے نظیری کا خود بخود اظہار بن جائے۔

مصرعہ دوم "جو نقش بنایا ابد آثار بنایا" کہہ کر حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ جہتی اور تمام تر اوصاف کا بیان کر دیا ہے اور بلاغت فکر کا ایک جلوہ پیش کیا ہے۔ سیرت سرور کون و مکاں سے متعلق چند اشعار اور بھی ملاحظہ کیجئے:

قلم سیرت شاہ ذی شان لکھ عقیدت سے تفسیر قرآن لکھ

○

جب قدم اٹھا تو رفتار سے خوشبو آئی لب کشا جب ہوئے گفتار سے خوشبو آئی

(۲) جناب شاداں افغانی بریلوی

نام-- عبدالعزیز خاں، تخلّص-- شاداں، ولادت ۱۵ار جون ۱۹۲۸ء بمقام بریلی، تعلیم-- منشی کامل، میٹرک--- جناب شاداں کہنہ مشق اور مستقل نعت گو شاعر ہیں۔ نام و نمود سے دور حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جذبہ سے سرشار نعت پاک کے گلہائے رنگارنگ کھلاتے ہوئے منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔

نعت رسولؐ خدائے لم یزل کی سنّت ہے اور "ورفعنا لک ذکرک" فرما کر اپنے محبوب اور عبد و نبی کی رفعت شان کا اہتمام فرمانے والے خالق کائنات کے سوا کوئی بھی مخلوق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ ہاں! توصیف رسولؐ میں قدم بڑھا کر، قلم اٹھا کر اور لب وا کر کے وہ سنت الٰہیہ اور سنت ملائکہ کی پیروی کرتا ہے اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں عجز کا اظہار کر کے ان کی عدیم المثالی اور رب کائنات کی بندگی کا شرف حاصل کرتا ہے۔

جناب شاداں کہتے ہیں۔

نعت نبی کا حق کوئی کیسے ادا کرے بندے کی کیا مجال جو کار خدا کرے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جناب شاداں اپنی والہانہ محبت کا اظہار بڑے عجیب انداز میں کرتے ہیں۔

معراج خرد ہے غم آقا میں جنوں بھی دیوانہ بہت سوچ کے دیوانہ ہوا ہے

○

دامن غم سرکار میں گل بار نہ ہوتا ڈھلتے نہ اگر آنکھ سے اشکوں کے نگینے

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہ انداز بھی دیکھیے۔

بندھا ہوا ہے جو عشق نبیؐ کے بندھن میں ہر ایک رشتۂ غم سے وہ دل ہوا آزاد

حضور نبی کونین علیہ التحیتہ والثناء سے براہ راست محبت و عقیدت کا اظہار کرنے کے باوصف حضور سے نسبت رکھنے والی اشیاء کی محبت و عقیدت کے حوالے سے بھی حضور سے عشق و نیاز کیشی کا اظہار کرتا ہے۔ بالخصوص مدینہ امینہ سے الفت و عقیدت کا اظہار کر کے بھی اس الفت نبوی کا بیان کرتا ہے۔ شاداں صاحب بھی شہر حبیب علیہ السلام سے عقیدت کے حوالے سے عشق رسول کا حسین اظہار کرتے ہیں۔

○

بربط شوق پہ نغمات کا سورج چمکا ہجر طیبہ میں جو جذبات کا سورج چمکا

دل کے ارمان و خیالات کا سورج چمکا جب تصور میں نظر آئی ہے صبح طیبہ

جناب شاداں کا تعلق بریلی سے ہے اور فاضل بریلوی سے عقیدت بھی ہے اور ان کی نعت گوئی سے ازحد متاثر بھی ہیں لہٰذا ان کی نعتوں میں بھی سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت کے والہانہ اظہار کے ساتھ ساتھ ان سے متعلق عقائد کا بھی اظہار ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

یہ داستاں چھڑی ہے بعنوان مصطفیٰ افسانۂ وجود کی زینت انہیں سے ہے

○

حشر میں لطف و عنایات کا سورج چمکا جب شفاعت کے لئے رحمت عالم آئے

جس کے جلووں سے تجلیات کا سورج چمکا ذات سرکار ہے آئینہ وحدت شاداں

○

ورنہ تر و تازہ کوئی گلزار نہ ہوتا مہکے ہیں چمن ان کے پسینے کی مہک سے

○

بتاؤ ایسے کسی دفتر گناہ کا نام نہ دھو سکے جسے باران رحمت آقا

نگاہ رحمت عالم ہے اس نگاہ کا نام مقدرات بدل دے جو اک اشارے میں

عاصی ہیں رحمتوں کے سمندر کے سامنے ہم سر بہ خم ہیں ساقئ کوثر کے سامنے

مندرجہ بالا اشعار میں جمالیاتی اظہار کے ساتھ شاداں صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "اصل تکوین عالم ہونے"، "مظہر ذات الٰہی ہونے"، "شافع ہونے"، "رحمت للعالمین ہونے" اور

"حاضر و ناظر ہونے" وغیرہ کا خوبصورت اظہار کیا ہے جس سے گلزار عقائد و ایمان عطر بیز و شاداب ہو جاتا ہے۔

فخر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق مقدس کا بیان بھی جناب شاداں نے بیان کیا ہے اور بہت خوبصورتی سے کیا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار دیکھیے جن میں اصلیت بھی ہے اور شعری جمال بھی:-

یہ حسن پہلے نہ تھا زندگی کی دلہن میں
حضور آئے تو رنگ شباب آیا

"زندگی کی دلہن" کہنے میں بلاغت بھی ہے اور فکر کی نزاکت بھی!

آپ آئے تو مساوات کا سورج چمکا
مٹ گئی ظلمت تفریق نظام انساں

ماسوا آپ کے کس ذات کا سورج چمکا
آج تک لطف و کرم خلق و مروّت والا

○

ان کے دشمن بھی انہیں دیکھیے کیا کہتے ہیں
صاحب صدق و امانت شہ الطاف و کرم

جناب شاداں سادگی جذبہ کے ساتھ برملا سچائی کا اظہار کرتے ہیں اور سیدھے سچے اشعار دلوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہی شعری حسن ہے۔ شاداں نے بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ لفظ و احساس کے بیچ کا فیصلہ طے کیا ہے۔

آخر میں دو اشعار مزید ملاحظہ کیجیے کہ شاداں کس طرح یاد حبیب علیہ السلام کو عزیز رکھتے ہیں اور ان کی تمنا کس قدر حسین ہے؟

جو ان کی یاد میں آتے ہیں غم وہ آنے دو
نبی کی یاد ہے وجہ سکون دل شاداں

○

بس اٹھالے اسی عالم میں اٹھانے والے
در سرکار تصور میں ہے اور خم ہے جبیں

(۳) شکیل بریلوی

جناب شکیل بریلوی دور طالب علمی سے ہی شعر گوئی کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ یہ بھی مستقل نعت گو شاعر ہیں۔ زیادہ تر غزل اور نظم پابند میں نعت کہتے ہیں۔ شکیل بھی مولانا احمد رضا خاں کی "نعتیہ تحریک" سے متعلق ہیں اور ان کی نعتیں بھی عقیدہ و عقیدت کی مظہر ہوتی ہیں لیکن ان کا ہر اظہاریہ فکر کی نزاکت، خیال کی لطافت اور معنویت و بلاغت کا حسین پیکر ہوتا ہے۔ ان کے شعروں میں جمالیاتی کیفیت پائی جاتی ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

مصطفےٰ کی
حسیں سب زمانے کے آئینہ دیکھیں تکے شکل نور آئینہ

مہکتے ہیں گلشن برستے ہیں ساون یہ خیرات زلف حبیب خدا ہے

○

بشکل کہکشاں رکھے گئے تھے جو شب اسریٰ وہ روشن ہیں دیئے اب تک نبی کی رہگزاروں پر

○

غازۂ حسن رخ خلد بریں بس دیار مصطفےٰؐ کی خاک ہے

○

چشم سر نے تو ابھی دیکھا نہیں ان کو مگر دیدۂ دل تو ازل سے ہے شناسائے رسولؐ
جس کی خوشبو سے معطّر ہے بہار کائنات اس گل وحدت کی پنکھڑیاں ہیں لب ہائے رسولؐ

○

آرزو سر کی ہے وصل سنگ در ہائے رسولؐ ہے جبیں کا مدعا نقش کف پائے رسولؐ

○

ورود رحمت عالم ہوا ہے خدا کا نور پیکر میں ڈھلا ہے

○

آپ کی فرمانروائی سے جو باہر نہ رہے بحر ایسا نہ کوئی خطّہ بر دیکھا ہے

○

دشمنان حق کی نادانی کو کوئی کیا کرے ان کی عظمت کا تو کوئی بھی نشاں مبہم نہیں

جناب شکیل اپنے احساس کی صداقت کو حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کی رہین منّت اور انھیں کی رحمت و کرم نوازی کو سفر حیات کا رہنما تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حضور علیہ السلام ہی نے عالم انسانیت کو سلیقۂ زندگی اور شعور عبادت عطا کیا ہے اور اگر انسان ان کی مقدس سیرت کو مشعل راہ بنا لے تو کامیابی و کامرانی اس کا مقدّر بن جائیں۔

جناب شکیل کے اشعار ملاحظہ کیجئے:

ہے ترے حسن خیالات کا ممنون کرم میرے احساس کی وادی کا مہکتا رہنا

○

شامل حال ان کی رحمت ہے یہ ان کا ہے کرم زندگی ورنہ ترے آسان پیچ و خم نہیں

نعت کہنا، نعت پڑھنا، نعت سننا، نعت کی بزم سجانا، نعت کے فروغ کے لئے کام کرنا، سب عبادت میں شامل ہیں۔ اور نعت کی برکات ناقابل شمار ہیں۔ شکیل برکات نعت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

میرے گھر میں گلستاں مہکا ہوا ہے اے شکیل   برکتوں سے نعت کی ہے میرا گھر آراستہ

نعت میں سیرت پاک کا بیان ناگزیر ہے۔ شکیل سیرت سرور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان بہت ہی حسین انداز میں کرتے ہیں۔

آپ کے اوصاف سے اذکار سے اور نعت سے   آیۂ قرآن کی ہے ہر سطر آراستہ

بندگی کی چاہ میں پتھر سے ٹکراتے تھے جو   کر دیئے آقا نے سجدوں سے وہ سر آراستہ

○

ہر ادا جس کی ہے رحمت آفریں   ہر سخن جس کا کلام پاک ہے

بریلی میں عہد اکبری سے شروع ہونے والی نعتیہ روایت اب تک بہت ہی خوش اسلوبی سے جاری ہے۔ ابھی بہت سے شعرائے نعت ایسے ہیں جن کا تذکرہ تاریخ نعت گوئی کے لئے ضروری ہے مگر فی الحال تین نعت گویان کا مختصر ذکر پیش کیا گیا ہے۔
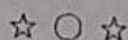
☆ ○ ☆

جمال گنبد خضراء

منصور ملتانی

سائبان حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' علامت مسجد نبوی' ختم المرسلین کی آرام گاہ پر جلوہ فگن' اپنے عالی مقام مکین سے نسبت پر نازاں' سربلند و سرفراز' رنگ و نور کا امام' کروڑوں نگاہوں کی آرزو' بینائی کی آبرو گنبد خضراء جو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ مدینے کی فضاؤں کو پُرنور کر رہا ہے۔ ۱۲۵۵ھ میں اپنی موجودہ شکل و صورت اور رنگت میں آیا جب خلافت عثمانیہ کے سلطان محمود نے اسے تعمیر کرواکر اس پر سبز رنگ کرادیا۔ یوں روضۂ رسول پر پہلے موجود رہنے والا گنبد ابیض یعنی سفید گنبد اپنی ظاہری شکل و صورت اور رنگ کے سبب گنبد خضراء یعنی سبز گنبد کہلانے لگا۔ تقریباً" یہی دور تھا جب برِّصغیر میں اردو نعت کو فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ سن عیسوی کے اعتبار سے انیسویں صدی کے چوتھے اور پانچویں عشرے میں اردو ادب کا آسمان چاند ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ جہاں غزل کو غالب' مومن اور ذوق وغیرہ میسر آئے وہاں نعت کے میدان میں بھی باقاعدہ شعرا سامنے آئے اور اپنے دامن کو مدحت سرکار دو عالم کے خوش رنگ پھولوں سے بھرلیا۔ ان شعرا میں کرامت علی شہیدی اور مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی قابل ذکر ہیں۔ مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی تو نہ صرف جیّد عالم تھے بلکہ باعمل مجاہد بھی تھے۔ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں عملی حصہ لینے کے سبب انگریزوں نے انھیں ۱۸۵۷ھ میں پھانسی دے دی تھی۔ مولانا کافی مراد آبادی کی نعت گوئی دربار رسول میں یوں مقبول ہوئی کہ آج تک نعت ہی ان کی پہچان بنی ہوئی ہے۔ ان کے دل میں روضۂ رسولؐ کے دیدار کی بھی بہت تڑپ تھی اور انھیں وہاں حاضری کا موقع بھی نصیب ہوا۔ یوں ہماری تحقیق کے مطابق وہ اردو کے پہلے نعت گو شاعر ٹھہرتے ہیں جنھوں نے گنبد خضراء کو مدحت رسول میں شامل کیا۔ ان کے اشعار دیکھیے۔

دکھادے گنبد خضراء کہ تسکین دل و جاں ہو — دکھادے بلدۂ طیب دکھادے روضۂ اقدس

دیکھ کر میں گنبد خضراء مدینہ کے قریب — وجد کے عالم میں جاتا لوٹتا آنکھوں کے بل

ان کے بعد رفتہ رفتہ یہ سبز گنبد یا گنبد خضراء دلوں کی دھڑکن اور نگاہوں کی روشنی بن کر نعت گو حضرات کی شاعری میں مستقل جگہ پانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کا جمال روح پرور' آنکھوں کا نور' دل کا سُرور ہے۔ اس کے جلوے قرب رسولؐ کی علامت ہیں۔ یہ نگاہوں کے سامنے رہے تو عاشقان رسولؐ کے زخم ہائے ہجراں پر مرہم سا لگ جاتا ہے۔

گنبد خضراء کی ترکیب جیساکہ بیشتر حضرات واقف ہونگے کہ فارسی اور عربی الفاظ کا حسین

امتزاج ہے۔ فارسی زبان میں "گونج بند" ایک عرصہ استعمال ہونے کے بعد گنبد ہوگئے اور خضر عربی زبان کا سہ حرفی مادّہ جو سبز رنگ کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ یوں خضر، اخضر، خضرا سبز رنگت کے اظہار کا ذریعہ ٹھہرا اور گنبد خضراء، سبز گنبد کا مفہوم لئے اردو نعت کا مستقل حصہ بن گیا۔ ماہنامہ "نعت" کی تحقیق کے مطابق ۱۹۹۶ء تک گنبد خضراء کو بطور ردیف کل بارہ نعتوں میں استعمال کیا گیا۔ گنبد خضراء نے شعرا کے تصور میں جگمگاتے ہوئے کس کس پہلو سے ایمان کے نور سے دلوں کو روشنی عطا کی ہے آیئے ذرا اس کا جائزہ لیں۔

سائبان آرام گاہ رسول کو اپنے مکین کی نعت سے جو عظمتیں نصیب ہوئی ہیں۔ روئے زمین پر خانۂ کعبہ کے بعد کسی اور عمارت کو نہیں عطا ہوئیں ہر کلمہ گو کے دل میں یہ تمنا کروٹیں لیتی ہے کہ وہ روضۂ رسول کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ یہ تمنا کبھی تو دعاؤں کی صورت باب قبولیت سے جا ٹکراتی ہے تو کبھی دل کو ایسی بے قراری کی لذّت سے آشنا کرتی ہے کہ انسان کو دنیا اور اس کے خوش رنگ اپنی جانب متوجہ رکھنے والے سارے حربے بے کار ہوجاتے ہیں۔ یہ دیدار گنبد خضراء کی تڑپ ہے جو ہمہ وقت عاشقان رسولؐ کو رواں دواں رکھتی ہے اور یہی تمنا جب نعت کے اشعار میں ڈھلتی ہے تو نعت گو حضرات کے دل ان اشعار میں واضح طور دھڑکتے محسوس ہوتے ہیں۔ یہ چند اشعار دیکھئے۔

کوئی لمحہ تو شب ہجر میں ایسا آئے　　آنکھ جھپکے تو نظر گنبد خضراء آئے
(اثر)

بخت کی بات ہے آجائے جو وہ ساعت زیست　　ہو نصیبوں میں تو پھر گنبد خضراء دیکھوں
(سحر رخسانہ)

مجھ کو بھی کاش جلوۂ خضراء دکھائی دے　　بے نور آنکھ سے بھی اجالا دکھائی دے
(اقبال عظیم)

میں بھی آنکھوں سے کبھی گنبد خضراء دیکھوں　　آرزو ہے شہ بطحا کا میں روضہ دیکھوں
(رنجنا سید میر)

جھپکوں جو آنکھ سامنے طیبہ دکھائی دے　　دل میں اترتا گنبد خضراء دکھائی دے
(احسان رانا)

دیکھ لوں میں بھی جمال گنبد خضراء حضور　　اس حوالے سے ہوں روشن میری قسمت کے چراغ
(امتیاز راہی)

آرزو ہے کہ در سید والا دیکھوں — کاش ناصر میں بھی گنبد خضراء دیکھوں

(ناصر زیدی)

میرا بھی دل ہو گنبد خضراء سے فیض یاب — اے کاش پہنچے بندۂ کمتر ترے حضور

(غلام زبیر نازش)

چل ہلال اب گنبد خضراء کی ملتی ہے زکوٰۃ — تو بھی دامان تمنا باادب بڑھ کر دکھا

(ہلال جعفری)

رہے قلب و نظر میں گنبد خضراء سدا راسخ — یہی ہے دل میں گر ہے کچھ تمنا یارسول اللہ

(عبدالروف راسخ)

پھر جسے ایک بار بھی گنبد خضراء کا نظری دیدار نصیب ہو جائے اس کی خوشی و شادمانی لفظوں سے بمشکل ہی بیان ہو پاتی ہے۔ اظہار کے سبھی سانچے کمتر محسوس ہونے لگتے ہیں۔ آنسوؤں میں روانی آجاتی ہے اور دل مضطر کو اپنی تڑپ کا حاصل اپنے سامنے پا کر یقین کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ دیدار روضۂ نبویؐ کا وہ لمحہ خوش رنگ ایسا خوش بخت لمحہ ہے جسے زندگی کا حاصل کہہ دینا ہی عشق کی سچائی ہے۔ اس لمحے کے بارے میں نعت گو شعرا کے ہاں کیسے کیسے پھول بکھرے ہوئے ہیں آیئے دیکھتے ہیں۔

جب سے دیکھا ہے گنبد خضراء — روح کا رنگ بھی ہوا ہے ہرا

(ظفر مہدی)

میری رگ رگ میں سرور اس کا رچا جاتا ہے — میں نے اک ذوق لئے گنبد خضرا دیکھا

(شجاعت علی)

پُر کیف فضا سارے مدینے کی ہے لیکن — ان آنکھوں میں ہے گنبد خضراء کا سماں اور

(لیث قریشی)

آنکھوں سے پھوٹنے لگیں کرنیں درود کی — جب سامنے ہو گنبد خضراء کی آب و تاب

(شمس قادری)

ایسا نظارہ سر گنبد خضرا دیکھا — میں نے ہر شخص کو جذبات میں ڈوبا دیکھا

(منیر قصوری)

تجھ کو دیکھا تو نہ آنکھوں میں سمایا پھر عرش — واہ کیا شان ہے اے گنبد خضراء تیری

(رقیہ بیگم کمترا)

یہ گنبد خضراء ہے اسے جاں میں سمولے　　دل کھول کے اے دیدۂ پُرنم یہاں رولے
(احسن زیدی)

عاشقان رسول اکرم جب مدینے کے لئے اذن سفر پاتے ہیں تو گنبد خضراء آنکھوں میں بسیرا کرلیتا ہے اور پھر جب ان آنکھوں میں سبز گنبد کی جھلکیاں بھری رابطوں کی صورت جمال افروز ہوتی ہیں تو بے اختیار نعت کے اشعار جذبات کی ترجمانی کی کوشش میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

میں اسد صحن حرم میں بیٹھتا ہوں اس جگہ　　ہو جہاں سے گنبد خضرا نظر کے سامنے
(اسد ملتانی)

دیکھ کر گنبد خضراء کی جمال آرائی　　نگہ شوق مری کیف سے معمور ہے آج
(عبدالعزیز شرقی)

اک دم نظر جو گنبد خضراء پہ جا پڑی　　سارا سفر کا رنج و تعب دور ہوگیا
(خواجہ عزیز الحسن مجذوب)

پھر پیش نظر گنبد خضراء ہے حرم ہے　　پھر نام خدا روضۂ جنّت میں قدم ہے
(مفتی محمد شفیع)

نظر نے دیکھا تھا جس وقت گنبد خضراء　　وہ ایک پَل ہی تو کیفیت مدام کا ہے
(حافظ لدھیانوی)

آج ان آنکھوں کو بینائی کا حاصل مل گیا　　روبرو ہے گنبد خضراء کا جلوہ اور میں
(سرور بارہ بنکوی)

گنبد خضراء کی آب و تاب ہے پیش نظر　　بڑھ رہی ہے اور بھی کچھ لذت کیف و سرور
(اقبال عالم)

مدینے میں حاضری اور دیدار گنبد خضراء سے دل سیر تو ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ شمع رسالتؐ کے پروانے جن کی دعاؤں کا محور پہلے اذن حاضری ہوتا ہے۔ ان کی مدینے پہنچ کر گنبد خضراء کے سائے میں اور اس کے جوار میں تا ابد جانے کی خواہش انگڑائیاں لیتی ہوئی بیدار ہوتی ہے اور یہ تمنا دعاؤں اور التجاؤں کے روپ میں ڈھل کر آنسوؤں کی ہمراہی کا شرف حاصل کرنے لبوں پر مرتسم ہوجاتی ہے۔

سرکار مجھ کو گنبد خضراء سے متصل　　درکار ہے زمین بس اک خواب گاہ کی
(زاہدہ خاتون شیروانیہ)

گنبد خضراء کا سایہ ہو میسر مجھ کو   سرورِ دیں کا مدینہ بنے مسکن اپنا

(فائزہ احسان)

عطا ہو سایۂ دیوار گنبد خضرا   کہ خالی کاسۂ امید لے کے آئی ہوں

(مریم الٰہی)

یارسول اللہ ترے در کی فضاؤں کو سلام   گنبد خضراء کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں کو سلام

(محمد علی ظہوری)

مرے بے تاب جذبوں میں ہے صورت شادمانی کی   تڑپنے میں ہے راحت گنبد خضراء کے سائے میں

(حفیظ تائب)

سر پر تنا ہے گنبد خضراء کا سائبان   اور ہاتھ کس یقین سے ہیں میرے اٹھے ہوئے

(ڈاکٹر خالد عباس الاسدی)

اب حشر تک ریاض تمازت کا ڈر نہیں   بیٹھا ہوا ہوں گنبد خضراء کی چھاؤں میں

(ریاض حسین چوہدری)

مرے دامن پہ گرد گردش ایام کیوں آئے   زہے قسمت جوار گنبد خضراء میں ہوتا ہوں

(راغب مراد آبادی)

گنبد خضرا کے سائے میں ہیں نشتر خیر سے   ہیں ہماری زندگی کے پاسباں کون و مکاں

(نشتر اکبر آبادی)

نعت کا کوئی بھی مجموعہ لے لیجئے۔ کوئی سبد گُل اٹھائیے۔ اس میں جمال گنبد خضراء کی چمک دمک نمایاں محسوس ہوگی۔ جو بصری دیدار کی سعادت سے محروم ہے اسے بھی آج کل کے ترقی یافتہ دور میں ساکن اور متحرک تصویروں کی صورت گنبد خضراء کا دیدار نصیب ہوتا رہتا ہے کہیں بزم تصور اس سے روشن ہے تو کہیں انجمن خیال میں اس کے سبب ہی رنگ آمیزی ہے۔ کہیں محفل بصارت میں گنبد خضراء ہی بینائی کی ضمانت بنا ہوا ہے۔ غرضیکہ ہر رنگ اور ہر روپ میں رنگ اور نور کی امامت گنبد خضراء کے سپرد کی گئی ہے۔

پیروی میں ہے دھنک شمس و قمر ہیں مقتدی   گنبد خضرا ہے محشر تک امام رنگ و نور

(منصور ملتانی)

لے گئی گنبد خضراء پہ تخیّل کی اڑان   رشتۂ ذہن سے جب سلسلۂ دل باندھا

(ایاز صدیقی)

کبھی خیال میں آیا جو گنبد خضراء چمک اٹھی وہیں بخت سیاہ کی تقدیر

(راجا رشید محمود)

پیش نظر ہیں گنبد خضراء کی رفعتیں ہیں طائر خیال کے پر فکر و آگہی

(سجاد سخن)

عشق کے نغموں سے کردیں مست محفل کو نظیر گنبد خضراء کے عرفاں زار کی باتیں کریں

(نظیر لدھیانوی)

طوفِ انوار گنبد خضراء میری آنکھوں کی روشنی کا بھرم

(یزدانی جالندھری)

خیال! گنبد خضراء کی سمت اُڑ پر کھول یہ میں ہوں اور یہ میرے بال و پر ہیں کیا کھولوں

(عاصی کرنالی)

اے قافلے والوں کہیں وہ گنبد خضراء پھر آئے نظر ہم کو کہ تم کو بھی دکھائیں

(حسرت موہانی)

وہ حرماں نصیب جن کی نظریں دیدار روضۂ رسول ﷺ سے فیض یاب نہیں ہوپاتیں تو پھر ان کی توجہ کا سارا ارتکاز ان خوش نصیبوں پر ہوتا ہے جو مدینے سے لوٹتے ہیں۔ عشّاق رسول ﷺ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی نشانی گنبد خضراء کا عکس ان آنے والوں کی آنکھوں میں تلاش کرتے ہیں اور کوشاں ہوتے ہیں کہ ان آنکھوں میں ثبت عکس گنبد خضراء اپنی آنکھوں میں اتار لیں۔ اس کیفیت کے اظہار کے لئے درج ذیل چند اشعار دیکھئے۔

بجی رہتی ہیں جن میں گنبد خضراء کی تصویریں نہ میں کیوں جھوم کر اس دیدۂ بیدار کو چوموں

(ریاض حسین چوھدری)

جن کا مرکز ہو گنبد خضراء ان نگاہوں پہ کیوں نہ پیار آئے

(سید عاصم گیلانی)

سلام اس پر قرار جاں ہے جس کا گنبد خضراء زہے قسمت کہ جن آنکھوں نے دیکھا گنبد خضراء

(محمد اکرم رضا)

•

کبھی نعت گو صبا کو یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ ایک جھلک مدینے کی ساتھ لے آ تو کبھی وہ گنبد خضرا کو نگاہ واپسیں میں بسانے کا خواہش مند ہے۔ کبھی وہ گنبد خضراء کے وسیلے سے اس کے مکیں کو اپنا حال پیش کرنا چاہتا ہے اور کبھی اسے --- اپنے دل و جاں میں بسا ہوا نظر آتا ہے۔

اے موج صبا ایک فقط ایک ہی جلوہ   اک روز کبھی گنبد خضراء کا اڑا لا
(سرور کیفی)

ہو طواف گنبد خضراء نصیب   جب بجھے شمع نگاہ واپسیں
(عقیل ہوشیار پوری)

اگر جانا مدینے میں ہوا ہم غم کے ماروں کا   مکین گنبد خضرا کو حال دل سنائیں گے
(شریف الدین حسن)

اس کے اندر ہے گنبد خضراء   میرا دل میری جان مدینہ ہے
(درد کاکوروی)

جمال گنبد خضراء کی چند جھلکیاں پیش کی گئیں۔ اس مختصر سے مضمون میں یہی چند پہلو پیش کئے جاسکتے تھے۔ بہرحال یہ بات طے ہے کہ گنبد خضراء نعت گو حضرات میں ایک مقبول ترکیب ہے جو اپنے اندر مدحت کے بے شمار پہلو لئے ہوئے جلوہ گر ہے۔ آخر میں اشعار شمس و قمر، گلشن گلاب اور گنبد خضراء کے حوالے سے پیش کررہا ہوں امید ہے ان سے میری بات واضح ہوسکے گی۔

حق طواف گنبد خضراء کا کیسے ہو ادا   رات دن اس کشمکش میں ہیں گلشن شمس و قمر
(سحر وارثی)

دونوں کرتے ہیں طواف گنبد خضرا مدام   میرے آقا کے گدا ہیں آفتاب و ماہتاب
(احمد خیال)

گنبد خضراء کی تابانی کا یہ فیضان ہے   ضو فشاں ہوتے ہیں اس کو دیکھ کر شمس و قمر
(شوکت قادری)

آقا عطا ہوں گنبد خضرا کی تابشیں   ہر دم نگاہ میں ہو مرے بارگاہ خیر
(عارف رضا)

گنبد خضراء ہے یکتا گلشن کونین میں   اپنی رفعت اپنی نکہت اپنی رنگت کا گلاب
(قمر وارثی)

اور یہ پہلو مدحت رسولؐ کا کیسا عجیب و غریب انداز بیان لئے ہوئے ہے۔

بلند جب سے ہے طیبہ میں گنبد خضراء   زمیں پہ جھکنا عبارت ہے آسماں کے لئے
(افسر ماہ پوری)

اور کسی جانب کیوں جائیں اور کسی کو کیوں دیکھیں   اپنا سب کچھ گنبدِ خضراء کل بھی تھا اور آج بھی ہے
(صبیح رحمانی)

نگاہ بارِ ندامت سے اٹھ نہیں سکتی   جمالِ گنبدِ خضراء میں کس طرح دیکھوں
(سعید وارثی)
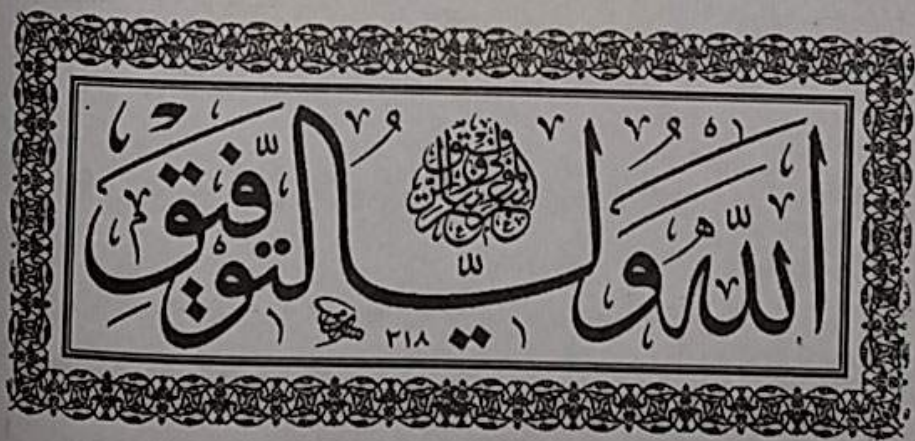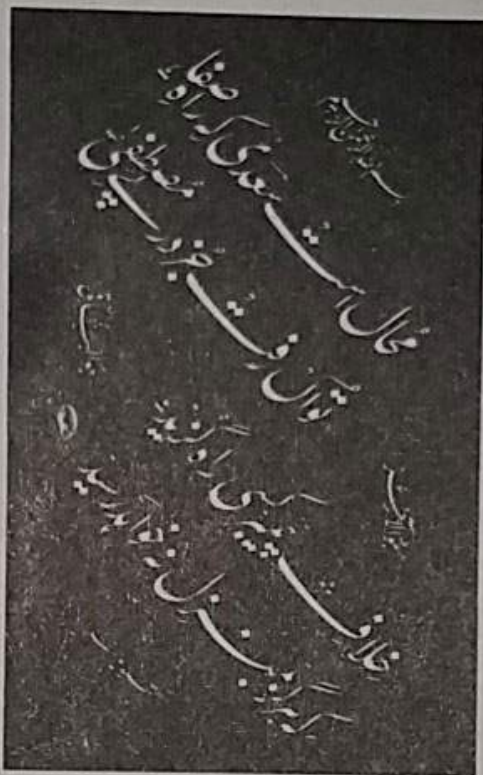
گوشۂ والی آسی

والی آسی، مولانا عبدالباری آسی کے صاحب زادے ہیں، اور ان کی علمی اور ادبی روایات کے امین۔

شعر بہت سجا کے کہتے ہیں۔ یہ آرائش جو ان کی غزلوں میں کہیں کہیں تکلف کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے جب ایوان نعت رسول عربی کے کام آتی ہے تو اپنی خوش بختی پر ناز کرتی ہے اور ان کے قارئین پر یہ نکتہ وا ہوتا ہے کہ لہجے کے ٹھہراؤ، ایک ہی مصرع میں معنوی و نحوی وقف نے ان کی شعری آواز کی تعمیر میں کیسا حصہ لیا ہے۔

والی آسی آج کے تاریک عہد (رات) میں اسم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چراغ سے اپنی راہوں کو ہی روشن نہیں کر رہے ہیں بلکہ تاریکیوں اور اندھیروں سے نبرد آزما ہیں۔ یہی نعت گوئی کا حقیقی منصب اور مفہوم ہے۔

والی آسی نے شاعرانہ تخیل، تاریخی شعور اور محبت کو ملا کر حیات نبوی اور عہد نبوی کے بعض واقعات اور لمحات کو شعر بنادیا ہے۔

میں اپنی آنکھوں کی کھڑکیاں بھی جو بند کرلوں
تو دیکھتا ہوں۔

ان لائنوں سے شروع ہونے والی دو نظمیں ہم پیش کر رہے ہیں۔ کیا اچھا ہو جو والی آسی اپنی ایسی تمام نظمیں ہمیں ایک ساتھ اشاعت کے لئے مرحمت کردیں تاکہ یہ آئینہ خانہ، ہمارے پڑھنے والوں کے ساتھ پندرہ سو سال کی مدّت پر پھیلا ہوا ایک پُل بن سکے۔

(ادارہ)

○

نبیؐ کی آمد کا آج یوں اہتمام کرتی ہیں میری آنکھیں
کہ ہر قدم پر جھجک جھجک کر سلام کرتی ہیں میری آنکھیں

یہ ہنس رہی ہوں کہ رو رہی ہوں یہ جاگتی ہوں کہ سو رہی ہوں
رسول اکرمؐ کے در پہ لیکن قیام کرتی ہیں میری آنکھیں

عقیدتوں کے جو گوہر آب دار ان میں چھپے ہوئے ہیں
بصد ندامت مدینے والے کے نام کرتی ہیں میری آنکھیں

سنہری جالی کو سبز گنبد کو چوم آتی ہیں ایک پل میں
جو کوئی دنیا میں کر نہ پائے وہ کام کرتی ہیں میری آنکھیں

چلو مدینے چلو مدینے چلو مدینے چلو مدینے
اسی وظیفے کا ورد ہر صبح و شام کرتی ہیں میری آنکھیں

نبی امّی لقب کے صدقے میں پڑھ تو پاتی نہیں ہیں لیکن
درود پڑھتی ہیں میری آنکھیں سلام کرتی ہیں میری آنکھیں

میں جب تصور میں شہر مکہ کی وادیوں میں پہنچ گیا ہوں
تو دیکھتا ہوں طواف بیت الحرام کرتی ہیں میری آنکھیں

مقام صدیقؓ اور عمرؓ کو مزاج عثمانؓ اور علیؓ کو
سمجھ چکی ہیں اسی لئے احترام کرتی ہیں میری آنکھیں

○

یہ ہر طرف جو اجالا دکھائی دیتا ہے — نبی کے نور کا جلوہ دکھائی دیتا ہے
خدا کرے کہ وہاں جا کے میری جاں نکلے — جہاں سے گنبد خضرا دکھائی دیتا ہے
وہ شخص جس نے ترے راستے کو چھوڑ دیا — غموں کی بھیڑ میں تنہا دکھائی دیتا ہے
چلو مدینے چلیں اور چل کے دیکھ آئیں — جہاں سے عرش کا زینا دکھائی دیتا ہے
جو توڑ لیتا ہے ایک ایک کر کے دانت اپنے — نبیؐ کا چاہنے والا دکھائی دیتا ہے
وہ آدمی جسے قرآن کی ضرورت ہے — بہت دنوں سے اکیلا دکھائی دیتا ہے
جو قرب حق کی کئی راستے ہیں' ہوں گے مگر — نبیؐ کا راستہ سیدھا دکھائی دیتا ہے

○

یہ مرا نصیب کہ ساری عمر میں یوں ہی نغمہ سرا رہا
مرے دل میں یاد نبیؐ رہی مرے لب پہ ذکر خدا رہا

مرے ہاتھ میں جو چراغ ہے وہ چراغ ہے ترے نام کا
ترا نام لے کے میں آندھیوں میں تمام رات کھڑا رہا

وہ نجانے کون سا خوف تھا کہ میں کھل کے ہنس نہ سکا کبھی
مگر ایک چہرہ مرے خیالوں میں پھول بن کے کھلا رہا

اسے زیب دیتی ہیں بخششیں کہ اسی پہ سجتی ہیں رحمتیں
وہ جو اپنی جان کے دشمنوں کے لئے بھی محو دعا رہا

یہ عروج کس کو نصیب تھا کہ تو اپنے رب کے قریب تھا
ترے انتظار میں رات بھر جو جہاں پہ تھا وہ رکا رہا

یہ صداقتیں یہ عدالتیں یہ سخاوتیں یہ شجاعتیں
اسے دیں خدا نے یہ نعمتیں جو نبیؐ کا دوست بنا رہا

○

اے رحمت تمام تری سب کو آس ہے
تیرے بغیر آج کا انساں اداس ہے

دوری کی لذّتوں کو وہی جانتے ہیں بس
وہ جن کی روح گنبد خضرا کے پاس ہے

ہاں ہاں وہی ہے سرور کونینؐ دوستو
وہ آدمی پھٹا ہوا جس کا لباس ہے

آئے جو قتل کرنے کو ایمان لے کے جائے
ان کی ہر ایک بات میں کتنی مٹھاس ہے

پہلو میں آج بھی ہیں ابوبکرؓ اور عمرؓ
دونوں ہی کا مزاج نبوّت شناس ہے

ہیں جنت البقیع میں عثمانؓ باوفا
لیکن علیؓ نہیں تو طبیعت اداس ہے

حالات ان کو ارض مدینہ سے لے گئے
لیکن انہیں مدینے سے اک ربط خاص ہے

سیراب ہوں گی وہ لب کوثر، یقین ہے
دیدار مصطفیٰؐ کی جن آنکھوں میں پیاس ہے

○

رحمت بھی وہی رحمت عالم بھی وہی ہیں
یوں ہے کہ مؤخر بھی مقدم بھی وہی ہیں

اللہ نے اقصیٰ میں امامت بھی انہیں دی
اور باعث تخلیق دو عالم بھی وہی ہیں

دوری کا مجھے زخم ملا جن کے کرم سے
دراصل مرے زخم کا مرہم بھی وہی ہیں

میرا بھی مدینے سے بلاوا نہیں آیا
جو تیرے ہیں اے یار، مرے غم بھی وہی ہیں

دن رات مہکتی ہے مدینے کی فضا بھی
رحمت کے برستے ہوئے موسم بھی وہی ہیں

کیونکر نہ ابوبکر کو صدیقؓ کہا جائے
صدیق کے ہمراز بھی ہمدم بھی وہی ہیں

وہ جن کے اشارے سے عمرؓ ہوگئے فاروق
منصف بھی وہی عدل مجسّم بھی وہی ہیں

عثمانؓ کو کہتے ہیں غنی جن کی بدولت
صاحب بھی وہی صاحب عالم بھی وہی ہیں

وہ جن کی نوازش سے علیؓ ہیں اسد اللہ
ولیوں کے ولی بھی وہی ضیغم بھی وہی ہیں

کچھ ہم پہ ہے ان کا کرم خاص بھی والّی
قرآں بھی وہی اور ابھی ہم بھی وہی ہیں

○

منصب نہ کلاہ چاہتا ہوں
مولا میں پناہ چاہتا ہوں

میں اپنے جنوں کی بادشاہت
باحال تباہ چاہتا ہوں

پانی تو نہیں ہوں میں خدایا
کیوں سب سے نباہ چاہتا ہوں

میں اپنی شکستگی کا منظر
تاحدّ نگاہ چاہتا ہوں

رات ایک گناہ کرچکا ہوں
اب عذر گناہ چاہتا ہوں

میں اپنی دعائے نیم شب کا
صرف ایک گواہ چاہتا ہوں

تجھ کو تو خبر ہے جو میں تجھ سے
اے بار الٰہ چاہتا ہوں

جو یاد نبی میں صرف ہوجائیں
وہ شام و پگاہ چاہتا ہوں

مرکوز رہے جو صرف ان پر
میں ایسی نگاہ چاہتا ہوں

میں نعتِ نبیؐ حق کی خاطر
لفظوں کی سپاہ چاہتا ہوں

دربار نبیؐ میں جو سجادوں
وہ مہر وہ ماہ چاہتا ہوں

میں اسوۂ مصطفیٰؐ پہ چل کر
دشمن سے نباہ چاہتا ہوں

مکے سے مدینے جانے والی
سیدھی سی میں راہ چاہتا ہوں

○

چھوڑ کر سارے مقامات مدینے چلیے
اب تو یہ فکر ہے دن رات مدینے چلیے

زندگی ہی میں جو کرنا ہو سفر جنت کا
آیئے آپ مرے سات مدینے چلیے

اپنی پلکوں پہ سجا لیجئے اشکوں کے چراغ — نذر کرنے کو یہ سوغات مدینے چلیے
اتنے مایوس نہ ہوں ان پہ بھروسا رکھئے — خود سنور جائیں گے حالات مدینے چلیے
اب بھی مل جائیں گے آنکھوں سے لگانے کیلئے — ان کے قدموں کے نشانات مدینے چلیے
اب کے ہم لوٹ کے آئیں نہ اس بستی سے — دل میں طے کرکے یہی بات مدینے چلیے
شب ہجرت ہے یہ صدیقؓ سے کہتے ہیں رسولؐ — میرے ہمراہ اسی رات مدینے چلیے
جسم اور جاں کے سوا کچھ نہ بچے اے والیؔ — یوں لٹاتے ہوئے صدقات مدینے چلیے

○

جو مرے خدا کو پسند ہے وہ کام ہے تیرے نام کا
کہ خدا کے بعد جہاں میں بڑا نام ہے ترے نام کا

کبھی انجم و مہ و کہکشاں یہ ترے حضور خبر کریں
کہ مرے بھی پلکوں پہ جشن سا سر شام ہے ترے نام کا

مجھے کیا ستائیں گی گردشیں مجھے کیا گرائیں گی لغزشیں
مرا نشہ ہے ترے عشق کا مرا جام ہے ترے نام کا

جو ہر ایک دل کا سرور ہے جو ہر ایک آنکھ کا نور ہے
وہ درود ہے ترے نام کا وہ سلام ہے ترے نام کا

ابھی امُّ ہانی ہیں میزباں ابھی عرش پر ہے تو میہماں
مرا عجز کیسے کرے بیاں جو مقام ہے ترے نام کا

جو ازل سے تا بہ ابد رہے گا ہر ایک دور میں معتبر
یہ خدا محمد مصطفیٰؐ وہ نظام ہے تیرے نام کا

مری سمت، حشر میں دیکھ کر، کہیں جبرئیلؑ حضور سے
یہ اسیر ہے ترے ذکر کا یہ غلام ہے ترے نام کا

دو نظمیں

○

میں اپنی آنکھوں کی کھڑکیاں بھی جو بند کرلوں
تو دیکھتا ہوں
مرا تصور، کتاب ماضی کے پندرہ سو ورق الٹتا ہے ایک پل میں
میں دیکھتا ہوں، کہ
شہر مکہ میں
رات آدھی سے کچھ زیادہ گزر چکی ہے
ستارے پلکیں جھپک رہے ہیں
پہاڑ سہمے ہوئے کھڑے ہیں
کھجور کے پیڑ سرنگوں ہیں
مگر اسی ملگجے اندھیرے میں
چند سائے لپک رہے ہیں
کہ جن کے ہاتھوں میں تیز تیغیں چمک رہے ہیں
جو چاہتے ہیں کہ آج رحمت کو قتل کردیں
مگر یہ منظر بدل رہا ہے
افق سے سورج نکل رہا ہے
اور اک پہاڑی کے غار کے دہانے پہ
ایک مکڑی نے جال اپنا لگا دیا ہے

○

میں اپنی آنکھوں کی کھڑکیاں جو بند کرلوں
تو دیکھتا ہوں
مرا تصور کتاب ماضی کے پندرہ سو ورق الٹتا ہے ایک پل میں
میں دیکھتا ہوں
پہاڑیوں پر بسے ہوئے ایک پُر فضا شہر کے
ہرے بھرے باغ میں یہ منظر

جو میری آنکھوں میں مدّتوں سے کھٹک رہا ہے
میں دیکھتا ہوں کہ
ایک معصوم چہرہ انساں
لہو میں تر ہے عمامہ و پیرہن جس کا
پھر بھی چاروں طرف سے پتھر برس رہے ہیں
مگر دعاؤں کے پھول جھڑتے ہیں اس کے لب سے
یہی وہ انساں ہے
جس کی رحمت کا دروازہ سب پہ کھلا ہوا ہے
یہ ذکر اس کا میں کر رہا ہوں
کہ جس کا نام آتے ہی زباں پر
لبوں کو لب چومنے لگتے ہیں
سلام اس پر درود اس پر

گوشۂ شوکت عابد

غزل کے پیکر کو نعت گوئی کے لئے استعمال کرنے والے شعرا پر تحدید اور تنگ دامانی کا الزام لگانے والے نقادوں کے بیشتر ممدوح شعرا غزل گو شاعر ہی ہیں۔ کیا یہ ایک تضاد نہیں؟

فراق صاحب نے غزل کے بارے میں اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ یہ حیات و کائنات کا ایسا آئینہ ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ ہمہ گیر اور کُل شناس ہے۔

شوکت عابد کی نعتیں پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں کتنے ہی آئینے ہیں اور ہر آئینے میں اسم محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور صفات محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم بھی---یہی غزل کے فارم کا کمال ہے۔

روایتی ہیئت میں اپنے شخصی جذبہ کی نمود---اس پر شوکت عابد کو ناز کرنے سے زیادہ اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہئے---شوکت عابد زمینوں کے انتخاب اور تکرار ردیف کے ہنر سے بھی آگاہ ہیں اور اس نکتے سے بھی واقف ہیں کہ شاعر دوسروں سے پہلے، اپنے ساتھ کلام کرتا ہے۔

جب بھی نعت کا مصرعہ لکھ   پہلے نام خدا کا لکھ
چوم کے روضۂ انور لکھ   مدحت ساقیؐ کوثر لکھ

شوکت عابد کی غزلیہ نعتیں یہ احساس دلاتی ہیں کہ ثنائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوتا، ان کی ذات کی گہرائیوں سے، ابھر کر اور رِس رِس کر وادئ قرطاس تک آیا ہے۔ ان کے نعتیہ قطعات میں بات کے مکمل ہونے کا عجب احساس ملتا ہے، اور یہی قطعہ نگاری کا ہنر ہے۔

(ادارہ)

نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

زیست ہے کتنی ناتمام، عشقِ رسولؐ کے بغیر
کٹتے نہیں ہیں صبح و شام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

عقل تو ہے بس ایک دام، عشقِ رسولؐ کے بغیر
دل بھی انا کا ہے غلام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

کیسی طبیعت رواں، کھل ہی سکے نہ جب زباں
کر نہ سکوں کوئی کلام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

چل نہ سکے ہیں اک قدم، بیٹھ گئے ہیں تھک کے ہم
بن نہ سکا ہے کوئی کام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

اب بھی سمجھ لے بے خبر، دے نہ سکے گا کچھ ثمر
عقل و خرد کا یہ پیام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

ذوق جنوں کی دین ہے، دل میں جو روشنی سی ہے
ورنہ تہی تھا میرا جام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

راہ میں بیٹھ جائیں گے، کچھ بھی سمجھ نہ پائیں گے
معنیٔ جلوۂ دوام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

کس کو ملی ہیں وسعتیں، کس کو ملی ہیں رفعتیں
کون ہوا ہے ذی مقام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

عشق کی بارگاہ میں، کون ہوا سرخرو
کون ہوا ہے شاد کام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

پہلے سمجھ تو لو ذرا، معنیٔ حسن معرفت
دعویٔ عاشقی ہے خام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

لکھتے تو دل سے ہیں سبھی نعت رسولؐ کبریا
سہل نہیں مگر یہ کام، عشقِ رسولؐ کے بغیر

مشق سخن ہے رائیگاں، عابدؔ قبول ہے کہاں
شعلہ بیانی و کلام، عشق رسولؐ کے بغیر

○

رکھتی ہے مجھے بادیدۂ تر، تسبیح محمدؐ صلِّ علیٰ
ہے روشنیٔ قلب اور نظر، تسبیح محمدؐ صلِّ علیٰ

درپیش ہو جب پیکار کوئی، درکار ہو کیوں تلوار کوئی
شمشیر مری اور مری سپر، تسبیح محمدؐ صلِّ علیٰ

سب حرف و سخن بے قیمت ہے، سب علم و عمل بے وقعت ہے
تدبیر مری اور میرا ہنر، تسبیح محمدؐ صلِّ علیٰ

کیا دشت و جبل، کیا بحر و بر، چلتے ہیں سدا بے خوف و خطر
ہے جن کے لئے سامان سفر، تسبیح محمدؐ صلِّ علیٰ

راحت میں ہوں، یا سختی میں، رہتے ہیں عجب سرمستی میں
وہ جن کا ورد ہو شام و سحر، تسبیح محمدؐ صلِّ علیٰ

بے خبروں کو باخبر، عشق رسولؐ نے کیا
میرے محبوب کو بخبر، عشق رسولؐ نے کیا

یوں تو بہت طویل تھا، حق کی تلاش کا سفر
راہ کو میری مختصر، عشق رسولؐ نے کیا

عقل و خرد کی روشنی ساتھ رہی مرے مگر
قلب و نظر کو معتبر، عشق رسولؐ نے کیا

شام ہے کتنی مہرباں دل میں کھلا ہے گلستاں
موج بہار کا اثر، عشق رسولؐ نے کیا

نعت ہو یا غزل مری، رنگ نشاط ایک ہے
سارا سخن ہی معتبر، عشق رسولؐ نے کیا

○

جو عشق مصطفیٰؐ کا راستہ ہے
رضائے کبریا کا راستہ ہے

لٹا دو نقد جاں عشق نبیؐ میں
کہ یہ قرب خدا کا راستہ ہے

جو لے جائے گا ہم کو سوئے جنت
نبیؐ کے نقش پا کا راستہ ہے

مرے قدموں کی قسمت میں بھی لکھ دے
جو تیرے اولیاء کا راستہ ہے

قدم رکھنا سنبھل کر اے مسافر
یہ کوئے مصطفیٰؐ کا راستہ ہے

دل زندہ جو سینے میں نہیں گر
بہت مشکل وفا کا راستہ ہے

○

ساحل کے تمنائی، سفینے کی طرف دیکھ
جینے کی طلب ہے تو مدینے کی طرف دیکھ

نظروں سے بہت دور ہو جب شہر مدینہ
وہ یاد بہت آئیں تو سینے کی طرف دیکھ

آئے گا نظر گنبد خضراء بھی اسی میں
بس دل کی طرف، دل کے نگینے کی طرف دیکھ

کھل جائے اگر دل میں در عشق محمدؐ
مرنے کی طرف دیکھ نہ جینے کی طرف دیکھ

تجھ کو بھی ملے گا ترے دامن سے زیادہ
سرکار دوعالمؐ کے خزینے کی طرف دیکھ

لکھنی ہے اگر نعت نبیؐ موتیوں جیسی
بس جامیؔ و سعدیؔ کے قرینے کی طرف دیکھ

اشکوں سے لکھی نعت نبیؐ اب ذرا عابدؔ
نظروں کو اٹھا عرش کے زینے کی طرف دیکھ

○

جب بھی نعت کا مصرعہ لکھ — پہلے نام خدا کا لکھ
کس کے در کی خاک ہے تو — کون ہے تیرا آقا لکھ
جس دل میں ہو یاد نبیؐ — اس دل کو بھی مدینہ لکھ
لکھ دے بات جو ہے دراصل — کوئی نہیں ان جیسا لکھ
شوکت عابد اشکوں سے — نعتوں کا مجموعہ لکھ

○

چوم کے روضۂ انور لکھ — مدحت ساقیٔ کوثر لکھ
اس دریائے رحمت کے — قطرے کو بھی سمندر لکھ
دل کی دھڑکن، ذکر نبیؐ — ذکر نبیؐ کاغذ پر لکھ
جو بھی ان سے کہنا ہے — اپنے صفحۂ دل پر لکھ
اس نعلین کی مٹی کو — لعل و گہر سے بڑھ کر لکھ
کالی کملی والے کو — نوع بشر کا مقدّر لکھ
اپنے دل کو عابدؔ تو — شہر نبیؐ کا گداگر لکھ

نعتیہ قطعات

○

متاعِ درد کو دل میں سنبھال کر رکھا
اور ایک تحفۂ دامانِ چشمِ تر رکھا
مسافرانِ رہِ کوئے مصطفیٰؐ جب بھی
سفر پہ نکلے تو اسباب مختصر رکھا

○

نہیں اک پل کی فرصت دل کو تسبیحِ محمدؐ سے
جہاں جائیں یہ دریائے رواں بھی ساتھ چلتا ہے
بفیضِ عشقِ احمدؐ ہی ملا ہے یہ ہنر ہم کو
سہولت سے بہت کار جہاں بھی ساتھ چلتا ہے

○

دامنِ احمدؐ مختار ہے ہاتھوں میں مرے
ایک سرچشمۂ انوار ہے ہاتھوں میں مرے
عشقِ احمدؐ کا کرشمہ ہے یہ اک ادنیٰ سا
خاکِ دنیا بھی گہر بار ہے ہاتھوں میں مرے

○

وہ دولتِ دنیا ہو کہ تسکینِ دل و جاں
سارے ہی خزانے ہمیں طیبہ سے ملے ہیں
دل یونہی نہیں یادِ مدینہ میں ہے ڈوبا
سب گوہرِ نایاب اسی دریا سے ملے ہیں

○

یہ جو تسبیحِ محمدؐ ہے زباں پر ہر دم
میرے احوال کو برہم نہیں ہونے دیتی
سجدۂ شکر میں رکھتی ہے مرے دل کو سدا
میری گردن کو کبھی خم نہیں ہونے دیتی

○

میرے قلب و نظر کا آئینہ
عشقِ احمدؐ سے پا رہا ہے جِلا
بنتے جاتے ہیں اشک بھی موتی
نعت لکھنے کا مل رہا ہے صلہ

○

دلوں میں رنگ و خوشبو کا جہاں بھی ساتھ چلتا ہے
سروں پر ابر کا اک سائباں بھی ساتھ چلتا ہے
نہیں جاتے مدینے کی طرف یہ قافلے تنہا
مہ و انجم، غبارِ کہکشاں بھی ساتھ چلتا ہے

○

قلم کیا لکھ سکے شانِ محمدؐ
خدا خود ہے ثنا خوانِ محمدؐ
بجز اک دولتِ دل ہیچ ہے سب
یہ ہے شانِ غلامانِ محمدؐ

○

جو سب سے جگمگاتا راستہ ہے
وہ شاہ انبیاءؐ کا راستہ ہے
در طیبہ سے جو ملتا ہے جاکر
وہی بس ایک سیدھا راستہ ہے

○

عمل اور فکر میں اک طرز درویشانہ رکھتے ہیں
بہ فیضِ عشقِ احمدؐ دل مگر شاہانہ رکھتے ہیں
ذرا اس در کے دیوانوں کی کوئی شان تو دیکھے
مثال شمع جل کر ہمت پروانہ رکھتے ہیں

○

سمندر ہے نہ صحرا راستہ ہے
فقیروں کا اک اپنا راستہ ہے
پہنچ جاتے ہیں پل بھر میں مدینہ
بہت آسان دل کا راستہ ہے

○

آتش عشق سے جب علم و ہنر پھوٹتے ہیں
قلب مومن سے نئے شام و سحر پھوٹتے ہیں
دل میں بس جاتی ہے جب یاد محمدؐ کی بہار
دل کی اس خاک سے پھر لعل و گہر پھوٹتے ہیں

○

جو آنکھیں گنبد خضرا کو دیکھیں
وہ کیا نظارۂ دنیا کو دیکھیں
یہی آنکھیں تو جنت آشنا ہیں
جدھر اٹھیں ادھر طیبہ کو دیکھیں

○

مرے قلب و نظر کا راستہ ہیں
نبیؐ کے سنگ در کا راستہ ہیں
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ
محمدؐ ہی کے گھر کا راستہ ہیں

○

اشک رواں ٹھہر گئے، دل بھی قرار پاگیا
سامنے چشم دل کے جب گنبد سبز آگیا
غم سے نجات مل گئی، دل کو حیات مل گئی
عشق حبیب کبریا جینا ہمیں سکھا گیا

○

"اسلام ہے اعضا کا سفر جانب دل
ایمان کا سفر دل سے ہے اعضا کی طرف"
کھل جاتے ہیں اسرار و معانی سارے
چل پڑتا ہے دل جب رہ طیبہ کی طرف

گوشۂ یعقوب لطیف

نعت رنگ کے صفحات پر نعت میں آہنگ نو اور طرح نو کا ذکر کئی بار مختلف پہلوؤں سے کیا جا چکا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ نیا آہنگ اور حقیقی جدت' اپنے ادبی سرمایہ سے آگاہی' مشاہدے کی "انفرادیت"' ذاتی تفکر' اپنے لہجے میں اپنی بات کی ادائی کی صلاحیت سے پیدا ہوتی ہے۔

یعقوب لطیف نے اردو شاعری کا جس گہرائی اور سنجیدگی سے مطالعہ کیا ہے اس کی مثال ملے گی مگر مشکل سے' اور سرور کائنات میں وہ اپنی محبت میں امت مسلمہ کے ایک فرد ہیں۔ نہ اس سے کم نہ زیادہ۔

وہ شعر فکر اور تامل سے کہتے ہیں۔ ان کے ہاں فکر اور جذبہ کی ہم آہنگی ہے' مگر وہ سطحی جذباتیت سے دامن کشاں رہتے ہیں۔ ان کا اسلوب شعرن' م' راشد اور عزیز حامد مدنی کا تسلسل ہے اور اس روایت کی توسیع بھی۔

ارتقا انسان کی کہانی ہے۔ وہ انسان جو اپنے ارتقا سے تھک کر نسیم سے التجا کرتا ہے کہ اگر بطحا جانا تو

ز احوالم محمدؐ را خبر کن

"خلا باز" اور "بوریا نشین" ایک فکری نظم' مکالمہ یا ڈراما ہے جو خلا سے آگے گزر کر لامکاں کی خبر دیتا ہے۔ شاید یہ نظم امیر خسرو کے اس شعر کی ڈرامائی شکل ہے

خدا خود میر محفل بود اندر لامکاں خسرو
محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

ہمارا خیال ہے کہ یعقوب لطیف صاحب کو اپنے اس خیال کو مزید وسعت کے ساتھ پیش کرنا چاہئے۔ خدا کرے ان کا سفر جاری رہے۔

خسرو سے یعقوب لطیف کے رشتے کی شہادت "زحال مسکیں" سے بھی ملتی ہے۔ خالص تغزل کو انہوں نے ایک امتی کے عرض تمنا کے سانچے میں ڈھال دیا۔

معروف اور آشنا انداز کی نعتیں بھی اپنا حسن رکھتی ہیں۔ اور وہ بھی پیش خدمت ہیں۔

خلاباز اور بوریا نشین

خلاباز :

یہ خلا باز رطب اللّساں ہے
غور سے دھیان سے سن یہ باتیں

بوریا نشیں :

حرفِ حق بالاتر از گماں ہے
معتبر ہیں فقط مرسلِ حق

خلاباز :

گرچہ ناچیز ہے بندہ لیکن
ہے بصد عجز دعویٰ کہ احقر
جس حقیقت سے سب بے خبر تھے
اصل میں کائنات اک خلا ہے
یہ زمیں اس خلا میں ہے رقصاں
چند لفظوں میں جو سن رہا ہے

بوریا نشیں :

ہے نظر تنگ اور سوچ محدود
سرِ تخلیق کا رازداں صرف
جس کی راہ سفر کہکشاں تھی
چہل قدمی خلا کی ہے کیا چیز
در حقیقت وہی شخص ہے جو

خلاباز :

دخل انداز ہوں معذرت سے
جو کہ موجود ہے صرف وہ ہے

بوریا نشیں :

روح کیا چیز ہے؟ فہم ہے کیا؟
آنکھ انہیں دیکھ لیتی مجسم

عقل و دانش کا دریا رواں ہے
راویٔ مستند کا بیاں ہے

مستند خالقِ کُل جہاں ہے
نُطق احمدؐ خدا کی زباں ہے

شاہدِ رقصِ سیارگاں ہے
سر تخلیق کا رازداں ہے
آج وہ ہر کسی پر عیاں ہے
یہ خلا شہ رہ کہکشاں ہے
اور سورج وہاں حکمراں ہے
سرِ تخلیق کی داستاں ہے

تجھ میں نور بصیرت کہاں ہے
مالک و خالق ہر جہاں ہے
چاند قدموں کا روشن نشاں ہے
جو بشر ناظر لامکاں ہے
"شاہد رقص سیارگاں ہے"

لامکاں مجھ کو بتلا کہاں ہے
جو دکھائی نہ دے وہ گماں ہے

کیا وجود ان کا بھی اک گماں ہے؟
آنکھ کو اتنی قدرت کہاں ہے

آدمی کی سمجھ کیا نظر کیا
اور ملک خدا بے گراں ہے

دیکھ سکتا ہے تو ایک عالم
دوسری بزم نورانیاں ہے

ہے زمان و مکاں سے مبرّا
بزمِ نورانیاں لامکاں ہے

لامکاں میں ہے واقع جنّم
اور آباد باغ جناں ہے

سدرۃ المنتہٰی انتہا ہے
آگے کوئی فرشتہ کہاں ہے

بعد میں قاب قوسین ہے جو
پایۂ تخت خدائے زماں ہے

واحد و لاشریک اس کی ہستی
صرف وہ ہے کہ جو جاوداں ہے

لے کے پیغام جبریل آئے
"اے محمدؐ خدا مہرباں ہے

اذنِ معراج تم کو مبارک
یہ سفرارض تا لامکاں ہے"

ایک لمحے میں طے کی مسافت
اس نے جو رہبرِ رہبراں ہے

اس جگہ میہماں تھے محمدؐ
جس کا شاہد تو خود میزباں ہے

جس کی قرآں نے تصدیق کی ہے
ناسمجھ ہی کہے گا گماں ہے

روشنی مانگ دل کی نظر سے
دیکھ آگے بھی حدّ خبر سے

ارتقا

بشر کے ارتقا کا رازداں ہوں
میں صدہا سال کا اک نوجواں ہوں

کنارِ نیل و مہراں تھا بسیرا
تمدن کا ہوں میں پہلا سویرا

فنونِ روم و یونان پر تھا حاوی
حصول علم کی پھر بھی طلب تھی

تجلّی کا جہاں میں آیا طوفاں
تجسّس کھینچ لایا تا بہ فاراں

یہاں شمع یقیں کی وہ پڑی ضو
گمان فکر کی مدھم ہوئی لَو

زمیں کی شان میرا ہی قدم تھا
کہ اب میں والیؑ جاہ و حشم تھا

ہزار افسوس صورت یہ ہوئی آج
ذلیل و خوار ہے تھا جو کہ سرتاج

○

بنا پھرتا ہوں دنیا میں بھکاری بتان شر کا ہوں اندھا پجاری
روایات کہن میں غرق و غلطاں حبیب وہم جلیس شیخ و شیطاں
اسیر علت عشرت پرستی نہ تاب غم نہ ذوق سرفروشی
مثال خشت، پتھر، ریت، کنکر میں زندہ ہوں زمیں کا بوجھ بن کر

"نسیما جانب بطحا گذر کن
ز احوالم محمدؐ را خبر کن"

○

حزیں، گمراہ، بے بس، بے ادب، بے ننگ و نام آیا کرم اے ساقیٔ کوثر لطیف تشنہ کام آیا
ہجوم یاس سے بیکل غم ایام سے پاگل حضور احمدؐ مرسل غلام ابن غلام آیا
بفیض عشق پیغمبر جب آیا روضۂ اطہر زباں ہر بنِ مُو پر درود آیا سلام آیا
ملی تعبیر خوابوں کو گئے وہ دن کہ کہتا تھا لطیفِ نامراد آیا، لطیفِ تشنہ کام آیا

○

حدیث درد جان و دل سنانا چاہتا ہوں جو گہرے زخم کھائے ہیں دکھانا چاہتا ہوں
جن اشکوں پر لکھی ہے داستان شہر مظلوم درِ احمدؐ پہ وہ آنسو بہانا چاہتا ہوں

○

سادہ ایسا کہ اسے سادگی پر ناز نہ تھا کسی اور شخص کی یہ شان یہ انداز نہ تھا
صرف اپنی یہ زمیں جلوہ گہہ ناز بنی اور سیاروں کی قسمت یہ اعزاز نہ تھا
جاوداں نقش بنا جس کی زباں کا ہر لفظ یہ کرشمہ ہے کہ خود کاتب الفاظ نہ تھا
از کراں تا بہ کراں فاصلہ یک جست ہوا مرحلہ کوئی تو ہو جس میں سرافراز نہ تھا
جس کے اعمال نے بدلا ہے زمانے کا چلن کون کہتا ہے کہ وہ صاحب اعجاز نہ تھا

ابتدا ہو چکی تھی قبل محمدؐ جس کی ایک تمہید تمنّ تھی وہ آغاز نہ تھا
فیض ہے اس کی ثناء کا کہ سخن میں ہے اثر
ورنہ یعقوبؔ تو خوش فکر و خوش آواز نہ تھا

○

جم و کے ہوئے خضرؑ و عیسیٰؑ ہوئے مگر آپؐ کی بات کچھ اور ہے
یہ مانا سب اپنی جگہ خوب تھے مگر آپؐ کی بات کچھ اور ہے

کئی صاحبانِ بصیرت ہوئے کئی واقفانِ حقیقت ہوئے
یہ سچ ہے ہزاروں پیمبر ہوئے مگر آپؐ کی بات کچھ اور ہے

دہکتی زمیں پر برہنہ کمر بلالؓ جری سہہ گئے ہر ستم
دلیل شجاعت یہ الفاظ تھے مگر آپؐ کی بات کچھ اور ہے

عدالت کا میزان تھامے ہوئے سیاست کا میدان مارے ہوئے
مدبّر ہوئے اور مفکّر ہوئے مگر آپؐ کی بات کچھ اور ہے

ہے وردِ زبان لطیفِ حزیں ثنا خوانِ پیغمبر آخری
مگر آپؐ کی بات کچھ اور ہے مگر آپؐ کی بات کچھ اور ہے

○

وردِ درود سے ہوں چراغاں کئے ہوئے
رکھا تھا تیرگی نے پریشاں کئے ہوئے

انصار گو نہیں ابو ایوب میں بھی ہوں
رکھتا ہوں دل میں آپؐ کو مہماں کئے ہوئے

دستِ دعا میں جلوہ ادھر کا دکھائی دے
رکھوں میں ہاتھ نور سے تاباں کئے ہوئے

اس سے سلجھ سکے نہ رموزِ پیمبری
رہتی ہے عقل سر بہ گریباں کئے ہوئے

فاتح نے دی امان تو سب دنگ رہ گئے
حسنِ سلوک انؐ کا تھا حیراں کئے ہوئے

ہر کوئی زیرِ بار اسیؐ ذات کا جو ہے
سب پر دعائے خیر کا احساں کئے ہوئے

شام و عراق تک رہے محدود اور بنی عالم پہ وہ ہیں سایۂ قرآں کئے ہوئے
"آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی"(۱) "عرصہ ہوا تھا دعوت مژگاں کئے ہوئے"(۲)

ڈھونڈو ہوں میں لطیف وہ نقشِ قدم جو ہے
یثرب کو رشک گلشن رضواں کئے ہوئے

(۱) جگر مراد آبادی (۲) عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کئے ہوئے (غالب)

○

ہوا ہے تاراج گلستاں کل
رہے نہ آثار لالہ و گل
پکارتے ہیں چمن کے بلبل
ز حال مسکیں مکن تغافل

کٹھن ہیں راہیں اندھیری رتیاں
ہیں غیر بیٹھے لگائے گھتیاں
سنو نبیؐ جی ہماری بتیاں
ز حال مسکیں مکن تغافل

کچھ ایسے آئے ہیں کالے بادل
کہ درد و غم کی ہوئی ہے جل تھل
نیا ستم ٹوٹتا ہے پل پل
ز حال مسکیں مکن تغافل

کرم ہو، رحمت ہو، روشنی ہو
عطا ہو، الطاف ہو، نبیؐ ہو
بھرو مری جھولی تم سخی ہو
ز حالِ مسکیں مکن تغافل

حضارتِ جدید

شفیق فاطمہ شعریٰ

(۱)

کسی ربیع کا کبھی گزر ہوا'
نہ اس کے ریگ زار میں
سموم بخت
رائیگانیٔ حیات ہی کے
دور لائی پے بہ پے
ذرا سا وقفۂ سکون و آشتی کبھی
جو مل سکا تو اس لیے
کہ فصل ایک اور'
حلقہ حلقہ بین کرتی' نائمات سینہ کوب کی
اگے' پلے' بڑھے

حضارتِ جدید
آ کھڑی ہوئی
فرازِ یاس کی اسی چٹان پر
جہاں سے وادیٔ ہبوط کی
مہیب کھائیاں
دکھائی دے رہی ہیں
پوچھتی ہوئی
یہ دیر اور اتنی دیر کس لیے؟
نہیں------
وہ گلِ بکاؤلی امید------ وہ تو اب
جن و پری کے خانۂ باغ ہی کا خواب

کہ آدمی بشر کو دے گئی خود آگہی
سلف بزرگ ایسے جھنڈ جھنڈ
جبلّتوں کی باڑیوں میں جو اتر کے
چر کے، چگ کے، پتّی پتّی اس نہال کی
کلیلیں کرنے میں مگن

سنو وہ موٹ، وہ رہٹ کی نور چشم
اسی گلِ مراد کے فراق میں تو کر رہی ہے بین
ہائے میرا پھول
میرے دل کا چین------
ببول! یہ نہ بھول
تیرے خار زار سینچنے میں
میری زندگی کٹی
تو کیا اسی لیے
کہ دیکھنا پڑے یہ دن
دھتورے! تو بھی زہر کھا کے
سو رہا تھا اس سے
زمانے! ہائے تیرے درمیاں سے اٹھ گئی وفا
ہوا بدل گئی
کہ لا سکی نہ ڈھونڈ کر کہیں سے اس کی بو
تھمی ہوئی ہے کیسے اب نظر کے سامنے
وہ تھان سرخ رو
(گھڑی وہ ایسی جاں گداز جب
غشی کی سنسناہٹیں قرینِ کفر تھیں
نہ نافہ سنگھانے کا رواج بد عقیدگی)
سسکتی دوب نے گلے لگایا
اور پھٹ پڑی------

نظر کسی کی اس کو کھا گئی سکھی
کہا کسی نے اپنی چشم بد کے ساتھ
بد گہر وہ ڈوب کر مرے
کہا کسی نے حال اس کا یوں ہو
اور مآل اس کا یوں
تو الغرض
بہ اتفاق رائے
نار اور سقر کا باب داخلہ
پہاڑ کی چٹان ہی بنی

حضارتِ جدید
پسینہ میں پسیجی بھاپ بھاپ!
تو میں اسے سنبھالتی ہوں------
برق خانہ سوز!
پیچ و تاب کھا رہی ہے کیوں
محجرات میں دبی
پرانی ہڈیاں چبا رہی ہے کیوں
کہ کب کہاں ہوا تھا واقعہ یہ رونما
مبالغہ سمجھ رہی ہے خود نوشت کو
ہٹیلی طنطنہ بھری------
تو کھل اٹھی
کہ اس کے ڈھب کی بات تھی
وہ اب دھڑی جما رہی ہے
لپسنک کی شوخ وشنگ

ہتھیلیوں پہ تتلیوں کا رنگ
ذرا سا جس نے مل لیا

وہی اجنتۂ حیات کا
بزعم خویش آفریدگار
مگر حیاتیات و نفسیات و وضعیات
لگا سکے نہ قدغن سکوت
چہکتے ہی رہے طیور صبح و شام
چہکتے ہی رہیں گے بے شعور
یہ صبح و شام کا لزوم بھی عجیب
کہ عقل دنگ ہے
ہزار سبقت وجود بخش دو انھیں
مگر نہ باز آئیں گے
یہ اس روش سے' ان کا جو پرانا ڈھنگ ہے
کہ صبح و شام کے سوا' دیا گیا' مزید وقت
دانہ دنکا چگنے میں گنوائیں گے
ہمارا مصرف اس جہاں میں بس یہی
کہ چیچوں میں گونجتی'
پہیلیوں کو بوجھنے میں مات کھائیں' زک اٹھائیں
تو ہارمان کر مجدّدینِ دینِ آزری
تراشتے ہیں طاق دل کے شمعدان میں
اک ایسی لو
جو گل شدہ رہی ہے مدتوں
تراشتے ہیں اک مجسمہ عصا بدست
قوام ذرہ ہائے تابکار سے ڈھلا
اسی کے پاس
اپنی چوکڑی میں منجمد
تلازمہ بھی ایک آہوئے رمیدہ کا
ادھر گیا وہ گل بکف ہوائیں
اک صلائے عام

مرے خدا
ادھر وہی قدیم دام

چبوترہ نہیں
یہ گھر کی منہدم حدود ہیں
شرورِ نفس کے بچھیرے بے لگام
جس کے سقف و بام روند کر گزر گئے
طفولیت کے خواب کہفِ خوف میں پناہ گیر
کہ آرۂ مشاہدات
اب جڑوں پہ چل رہا ہے بے دریغ
شعورِ طفلِ شیر خوار میں گڑے
قیافے کیا ہیں، دیکھنا ہے،
ماننا ہے کیا
شفق کا رنگ کونپلوں میں
جن کے لاشعور نے کیا کشید
ان جڑوں کا ماجرا ہے کیا------
یہیں سے شاخساروں کا
ہرا بھرا وہ سائباں
سروں سے اٹھ گیا
طفولیت اجیر
آجروں مہوسوں کے جال میں اسیر
ہزار حیف! اَلاماَن والعیاذ
یہ جنگلات
شحنۂ و سپاہ کی شکستِ فاش کا محاذ
ہمارے ہاتھ کی لکیروں میں جو سانحات
بانچ کر وہ کف شناس
واصلِ اَجل ہوئے

انھیں کے پے بہ پے نزول کو
بھٹکنے کا یہ وقت ہے
یہیں سے وہ سرشت
جس کی بندش حدود میں
بندھے ہوئے تھے ذی نفس تمام
زوج زوج
بکھر رہی ہے------
یہیں سے بے مہار خامکار گری سخن کا سلسلہ
مذاکرات اور فکر و فن کے جائزے شروع
ردائے گوشت پوست سے خروج کردہ
پنجروں کے ڈھیر جابجا------
یہ کیسی گونج پھڑپھڑائی مقبروں کے درمیاں
یہ سرد بھٹیاں
اڑا رہی ہیں سرد راکھ کا غبار کس لیے------
یہی وہ انبیا کا انتباہ تھا / کہ جس کی دھار کو /
صلیب و خنجر و تبر جب آزما چکے
تو جنبش قلم بھی اب / بنامِ حریّت /
الجھ رہی ہے اس سے زر خرید
بنامِ حریّت
مجسمہ تراش جس کا دست سامری
تو جنگ زرگری کا سورما
مجسمہ فروش------
سنائی دے رہی ہے شیطنت کے منتروں کی گونج
نشان نیل اپنی اپنی شہ رگوں پہ ڈھونڈنے کا دور ہے .
جسے بھی ڈس گئی وہ نوکِ خامۂ سیاہ
وہ تم نہیں وہ میں نہیں وہ کوئی اور ہے

بھڑک بھڑک کے جل بجھا
الاؤ بو لہب کا
صر صر فنا نے اس کی راکھ بھی
اڑا کے ساتویں تلی میں جھونک دی
مگر جبلت نباح پھر
جو رو رہی ہے منہ اٹھائے سوئے آسماں
تو بات کیا ہے------
کیا یہ چودھویں رات ہے

حضارتِ جدید!
باش تا بہ بینمت
بہ سیل بے پناہ نورلم یزل
بہ پَرتو نگاہ کاشف دجیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سرودِ کلمۂ نخست

(۲)

بہاؤ میں وہ جاوداں سرود
سرود کے بہاؤ میں،
خلائے بے تہی بھی ناپدید،
ملائے اتفاق بے سیاق و بے سباق بھی------
تمام خار و خس کے ڈھیر
دھوئیں کے شہر، راکھ کے دیار
راج کا گماں نراج کا خمار
کثیف حبس، لا علاج ہول
سیاہ دلدلوں سے اٹھتے ابخرات
چھپی ہوئی غبار در غبار،

دیو زاد قدروں کی قطار'
وہ ان کے ہاتھ اونچے اونچے آسنوں سے
نذر گیر
اور کچلیاں لہو بھری------
کھنڈر ثقافتوں کے
جبر کے حصار
اٹا ہوا تمام ان میں روح کا کباڑ
تن کے روگ من کا ہیر پھیر
تمام خار و خس کے ڈھیر
غرق درطہٴفنا

سرود--- زندہ رود
مہیب تودہ ہائے ریگ میں دبی
حیات کی کراہ
اپنی بند پلکوں پر جمی
تہیں سیاہ ریت کی
ہٹا کے سوچتی ہے--- خواب ہے کہ واقعہ
دمک اٹھی ہیں ناگہاں جو گھاٹیاں وداع کی
کھلی فضا میں کیسے
نغمہٴ طلوعِ بدر
گا رہی ہیں دَف بجا رہی ہیں لڑکیاں
کسے خبر تھی ایک دن
یہ کونجیں پر شکستہ بے نوا
الاپتی ملیں گی
شکر جاوداں کی بے کراں الاپ

ہزار جذبے اشک اشک

راز راز جن کے نام
خروش زن نفس کے تار میں
وہ قصد پر شتاب میں
ان اڑتے گیسوؤں کی لمعہ لمعہ تاب------
سوادِ چشم سی / کسی سیاہ سرزمیں کے بخت پر
کہیں قیامتیں گزر رہی ہیں انتظار میں
ابل ابل کے آتما کی تھاہ سے
رندھی رندھی پکار
ہاں یہی تو ہے / وہ نالۂ ذبیح میں /
فِدْیتَک کی شرح زار زار'
بلالؓ اور صہیبؓ کے دیار میں

صد ہزاراں آفریں بر جانِ او

(۳)

محمد ﷺ ان کا نام
وہ شہ سوارِ رہ گزارِ نور
وہ حسن تام، رحمت عمیم
سب جہانوں کے لیے
نگاہ ان کی ساعتِ حساب سی
نئی پرانی داد خواہ بستیوں کی داد گر
وہ شارع عظیم، وہ حکم
سبھی زمانوں کے لیے
شبانِ وامّی و یتیم
فاتح رحیم
شہریار دردمند
معلّمِ امم

انھیں کا جلوۂ مکارمِ اتم
بنا جوازِ آفرینش
آسمانوں کے لیے

یتیم کی ہنسی، اسیر کی رہائی،
پھولوں کی شگفتگی،
کھلی فضاؤں میں طیور کی اڑان--- انھیں پسند

درندوں کی نگاہوں کے
شراروں سے بھرے
گھنے بنوں میں راستے تراشتے
مچانیں باندھتے جواں--- انھیں پسند

پیاؤ کے قریں
سوالوں کے ہجوم
پلانے پینے میں
یگانگت کی وضع دلربا
برابری کی شان------ انھیں پسند
محبت ان کی چاندنی
وسیلۂ شناخت
محبت ان کی شان اور نشانِ امتیاز
مقامِ ناز جادۂ نیاز
محبت ان کا راز ان کا معجزہ
محمد ﷺ ان کا نام

محمد ﷺ ان کا نام
وہ فصلِ نو بہار

پھول پھول کا اٹھائے بار

کفیل و حق گزار رنگ و نم------

کرن کرن فدائیانِ آفتاب'

وہ مرد و زن'

شریک وہم جوار و ہم قدم'

یہ مجلسِ شرف یہ دشت ابتلا یہ جادۂ حرم

یہ پرتوِ مہہِ تمام خود سپار و تلاطم وجود

وہ موج موج اعتبار بحر!

کشاد در کشاد دار و بست!

نہیں------!

حضارتِ قدیم!

یہ سہانے لمحوں کا بہاؤ

یہ نمودِ پُر شکوہ

کسی زمانے کے لیے بھی

گاہوارۂ فتن نہیں

کسی بھی دور میں نواح جاں

نواح جاں نہیں

جو اس میں جنت مشام

وہ بوئے پیرہن نہیں------

کہاں سے آگئیں

یہ دو جہاں کے درمیاں بھی

گھاٹیاں وداع کی------

مگر یہ پھول چُننے والے مانتے ہیں کب

کہ جاگتے ہیں اب بھی صبح دم

اُلاپتے ہوئے وہی

ترانۂ فروغِ نو بہار------

ربیعِ کشت زارِ ہاجرہؑ

(۴)

وہ رنگِ ابتسام
جس سے نام منکشف
نسب عیاں------
مہک لہک یگانگت کی جیسے معنویت وجود ہو وہی------
وہ بانیٔ حرمؑ کے ورثہ دار
بچاؤ کر رہے ہیں زمزمِ قدیم کا
جو فاطرِ عظیم کا نوشتہ زمزمہ
جو فطرت بشر------
یہ آندھیاں جو اٹھ رہی ہیں بار بار
یہ سنگریزوں کا پٹاؤ جابجا
کبھی کبھی اسی میں ممکنات بھی نہاں
وبال مسخ کی
تو التزام------
پاک صاف تہہ کا التزام------
زیرِ سطحِ آب روشن و خنک'
وسیلۂ بقا بھی چارۂ دفاع بھی ہے کارگر

وہ دامنِ صفا میں سعیِ و جہد ہاجرہؓ کی روائیداد
جو یاد آگئی
تو دل میں چشمۂ رواں کی گنگناہٹیں جگا گئی------
وہ مصر دیس کی حضارتِ کہن کو تیاگ کر
اسی نواح میں ہوئی تھیں خیمہ زن------
بہت دنوں سے یادداشت سے مٹے
سنگھاسنوں کے آسرے میں

دور تک گئے ہوئے
وہ معبدوں کے سلسلے------
ممی کے روپ میں وہ زندگی سے کٹ کے
جینے کا رواج------
گھرانوں کی حواس باختہ وہ بھاگ دوڑ
جس کا منتہا وہی حرم سرا کا راج
وہاں سے پھر کسی حرم کی سمت کوچ
تو ماجرا عجیب اس طلسم زار کا
کسی بخور دان میں مہک نہ زیورات میں کھنک
سلاسلِ رباب چپ
گلوئے سنگِ بستہ بے صدا
ادھر اَنا کا افعی سیاہ
اٹھا رہا تھا اپنا پھن کہ بس ادھر وہ جنبش نگاہ منجمد

ابھی دھلا نہ تھا مسافت دراز کا غبار
کہ فرقتِ خلیل کا یہ موڑ
راستے میں آگیا------
یہاں پہنچ کے ہجر کا بیان ہی
اثاثۂ حیات------
یہ بحرِ بے کرانِ ریگ اور اس میں ڈوبتی ہوئی
اکیلے پن کی یہ نمود------
تبھی پکار ایک طفل ناتواں کی گونجتی ہے
اور ہیکل مراقبہ شکست و ریخت سے دوچار------

کئی دنوں سے شور آب کی بھی ضد یہی
کہ چار ہاتھ نازک و سبک سہی
مگر مجھے بھی اپنے ساتھ لیں

تو ہم سبھی مزار ہیں کشت بے نبات ------
بہاؤ رفتہ رفتہ تیز ہو رہا ہے شاہراہ کا
اتر رہے ہیں کوچ کر رہے ہیں قافلے------
قریب و دور کے پنپتے نخل زار آج کل
ہمارے اس پڑاؤ کو
پکارنے لگے ہیں
میزبان زائرین و زائرات (پیار سے)
وہ کل کا طفلِ ناتواں
دلیر و نرم خوجوانِ خوبرو ہے اب (خدا رکھے)
یہاں سے ان کی سوچ کا سہانا سلسلہ
خلیلؑ کی دعا سے جا ملا

☆ ☆ ☆

حضارت جدید

تجزیاتی مطالعہ

حمید نسیم

شعریٰ صاحبہ نے کبھی خالص نعت نہیں لکھی۔ ان کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم متعدد نظموں میں یکایک روشنی کے فوارے کے مانند ابل پڑتا ہے جیسے "ذوق و شوق" میں فارسی اور اردو زبانوں کی عظیم ترین نعت ایک بند میں آگئی:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

اس نعت میں ایک شعر ایسا آگیا ہے جو دونوں زبانوں کی نعتیہ شاعری کا حاصل اور اس صنف سخن کی معراج کمال ہے۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

شفیق فاطمہ شعریٰ اسلام کے rational اور غایتی پیغام' ضابطہ اقدار اور لائحہ عمل سے عاشقانہ یکسوئی کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان کی وابستگی dynamic اور creative ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے دوسرے مکاتب فکر و عمل سے' دوسری روحانی روایتوں سے اور جدید علوم سے بھی کسب فیض کیا ہے۔ ان کی روحانیت ایک مسلسل creative evaluation اور عقلی تجزیہ کی روشنی سے جلا پاتی ہے۔ چنانچہ ان کے وجدان میں عقل و عشق کا نہایت کامیاب وصال نظر آتا ہے۔

اب میں نظم "حضارت جدید" کی پرتیں قاری کی معیت میں کھولنے کی کوشش کروں گا۔ اسے پڑھ کر مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی تھی۔ پہلے پوری توجہ سے خواندگی کے باوجود میں اس نظم کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ پھر میں نے چھ آٹھ دن کے وقفوں سے اسے بار بار پڑھنے کا عمل شروع کیا۔ چھ آٹھ مہینے کی intense involvement کے بعد مجھے معنی کی ہلکی سی لو ذہن میں دکھائی دی۔ میرے دل نے کہا فی الوقت یہی غنیمت ہے۔ اب نظم کو تحت الشعور تک پہنچنے دو۔ وہاں رچ بس جائے تو پھر اسے پورے ادب اور شوق سے پڑھنا کہ یہ شعریٰ صاحبہ کے ایک ہمہ ادب' ہمہ شوق سفر کا سطح کمال پر مرقع ہے۔ "حضارت جدید" یہ لفظ ہماری ادبی تحریروں میں کم ہی کبھی استعمال ہوا ہے۔ میں نے اسے اب سے پہلے نہ کسی لکھنے والے کی نثر

میں نہ ہی شاعری میں دیکھا تھا۔
نظم اس تعارفی بند کے ساتھ شروع ہوتی ہے جو شاعرہ کے وجدان میں مرتب شدہ نظم کا، ماحولیاتی، تاریخی اور معاشرتی تناظر قایم کرتا ہے۔

کسی ربیع کا کبھی گزر ہوا
نہ اس کے ریگ زار میں
سموم بخت
رایگانی حیات ہی کے
دور لائی پے بہ پے
زرا سا وقفہ سکون و آشتی کبھی
جو مل سکا تو اس لیے
کہ فصل ایک اور
حلقہ حلقہ بین کرتی نائمات سینہ کوب کی
اگے، پلے، بڑھے

یہ طبیعی اور تاریخی environment ہے۔ اس خطہ زمین کی جہاں جاوداں نور ہدایت کتاب الٰہی کے حامل رحمتہ للعالمین خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان کامل کی شکل میں مبعوث ہونا تھا۔ جزیرۃ العرب کا وہ وسیع و عریض خطہ زمین جو حجاز و نجد کے علاقے پر مشتمل ہے ایک بنجر رہ گزار ہے، اس لاکھوں میل کے رقبہ میں کوئی ندی ہے نہ کوئی دریا کوئی موسمی ندی بھی نہیں کہ جب کبھی بارش ہوتی ہے وہ کتنے زور کی، کتنی موسلادھار کیوں نہ ہو برستا پانی پیاسی نگاہوں کو تسکین نہیں بخشے گا۔ پل بھر کے لیے بھی نہیں کہ صبح والی آندھیوں کی چیخوں میں ڈوبی، العطش العطش کی فریاد کرنے والی، ریت میں جذب ہوکر ناپید ہوجاتا ہے اور ریگ زار کی سطح ہمیشہ کی طرح لب تشنہ ہی نظر آتی ہے۔ یہاں زراعت نہیں ہوتی، باغ و گلستان کا تو یہاں تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ چناں چہ مصرع اول الفاظ کے انتخاب میں ید طولیٰ رکھنے والے وجد کی گواہی دیتا ہے۔ شاعرہ نے موسم بہار نہیں کہا۔ پھول رت نہیں کہا۔ اچھی سطح کا شاعر بھی یہاں بہار کا لفظ لاتا کہ ہماری شعری روایت میں ہریالی کی رت کو بہار اور ہریالی کے نہ ہونے والے موسم کو خزاں کہا جاتا ہے۔ ربیع کاشتکاروں کی اصطلاح ہے۔ جاڑوں میں بوئی ہوئی فصل مارچ اپریل کے مہینوں میں تیار ہوتی ہے۔ اس فصل کا موسم ربیع کہلاتا ہے تو ایک لفظ سے شاعرہ نے بتادیا کہ یہ خطہ زراعت سے محروم ہے۔ یہاں کبھی گندم کے کھیت نظر نہیں

آتے۔ پھولی ہوئی سرسوں نگاہوں کو فرحت نہیں بخشتی۔ یہاں کی اجتماعی زندگی کھلیانوں کی فراوانی سے ہمیشہ محروم رہی ہے۔ یہ ساری بات پہلے دو مصرعوں میں کہہ دی کہ اس ریگ زار میں کبھی ربیع کی رت نہیں آئی۔ یہاں تو ہمیشہ سے تند آتش بکنار آندھیاں جھکڑ اور باد سموم کے ریلے اور بگولے آتے ہیں۔ اس خطے کا مقدر صرف یہ جھکڑ ہیں اور صرصر و سموم کی تند کا یہاں اک عام منظر ہے۔ پے بہ پے گاہ گاہ۔ اس بے برگ و گیاہ علاقے میں کہیں کہیں زیر زمین جمع شدہ پانی فوارہ بن کر ابل پڑتا ہے تو وہاں نخلستان پروان چڑھتے ہیں۔ جیسے مدینہ منورہ نخلستانوں کا شہر ہے۔ کہیں کوہستانی علاقہ ہوا' طائف جیسی موسمی کیفیت ملی تو اور انواع کے درخت بھی نشوونما پانے لگتے ہیں۔ لیکن وہ علاقہ جہاں اب سے چار ہزار برس پہلے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی عمر بھر کی رفیقہ حیات بی بی سارہ کی مسلسل طعن و تشنیع کے باعث حضرت بی بی ہاجرہؓ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صفا اور مروہ کی وادی میں چھوڑ آئے تھے' ہمیشہ ویران رہا ہے۔ نظم کا تاریخی تناظر ابوالانبیاء کی بی بی اور بیٹے کا اس ارض غیر مزروعہ میں ورود ہے۔ سو دیکھو چند مصرعوں میں اس خطہ کی جان لیوا موسمی شدت اور زندگی کے اساسی وسیلے پانی کی کمی کے ذکر سے ہوا۔ پانی کی کمی کا راست ذکر کہیں نہیں لیکن جو بات ان مصرعوں میں کہی گئی ہے قلب آب اس میں لازما" مضمر ہے۔ شاعرہ کے قلب میں ڈھلا ہوا یہ منظر ہول انگیز ہے۔ دل کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ خطہ لطف رب سے ہمیشہ محروم رہا ہے۔ آخری مصرعے میں شواہد فطرت کی نقش بندی بڑے سادہ مگر بڑی اندرونی شدت اور کرب رکھنے والے لہجے میں کی گئی ہے کہ یہاں کوئی زندگی بخش رزق' زمین سے حاصل نہیں ہوتا۔ کوئی فصل اگتی ہے تو وہ حلقہ حلقہ آہ و بکا کرتی "نائمات سینہ کوب" کی فصل ہوتی ہے۔ نائمہ (نوم) سے ہے نوم کے پہلے معنی نیند ہیں۔ مشتقات میں بہت ایسی چیزوں کے نام شامل ہیں جو موت کی سی بے حسی یا موت کی کیفیت پیدا کردیتی ہیں۔ نائمات یعنی ماتم کرتی مرگ آفریں چیزیں جو زمین سے باہر آئیں۔ نائمہ کے معنی ہیں موت یا سانپ سو' نائمات کے معنی ہیں مختلف قسم کی اموات کی فصل جیسے سانپوں کی فصل' جن کی پھنکار ہی مرگ ساماں ہے۔ نظم کے مفہوم کا یہ تعین میں نے قیاس کیا ہے شاعرہ کے ذہنی ابعاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ ان کے اپنے گرد و پیش کا کوئی اور ویرانہ ہو جس کا کوئی مخصوص منظرنامہ ان کے ذہن میں ہو جسے انھوں نے اس نظم "حضارت جدید" کا پس منظر بنادیا:

حضارت جدید

آکھڑی ہوئی

فراز یاس کی اسی چٹان پر
جہاں پہ وادی ہبوط کی
مہیب کھائیاں
دکھائی دے رہی ہیں
پوچھتی ہوئی
یہ دیر اور اتنی دیر کے لیے؟
نہیں----
وہ گل بکاؤلی امید----وہ تو اب
جن و پری کے خانہ باغ ہی کا خواب
کہ آدمی بشر کو دے گئی خود آگہی
سلف بزرگ ایسے جھنڈ جھنڈ
جبلتوں کی باڑیوں میں جو اتر کے
چر کے، چگ کے پتی پتی اس نہال کی
کلیلیں کرنے میں مگن

اس طویل نظم کی بند بہ بند مصرعہ بہ مصرعہ معنوی سطح پر گرہ کشائی کرنے لگوں تو بات پھیل جائے گی، صرف اشارے کرنے پر اکتفا کرتا چلوں گا۔ حضارت کے معنی عربی زبان میں تہذیب کے ہیں۔ "حضارت الجدید" جدید عربی میں تہذیب جدید کو کہتے ہیں۔ Modern Times جو High Rise تعمیرات، آواز سے دگنی رفتار سے تیز اڑان رکھنے والے طیاروں، اعضا کی پیوند کاری، ہلاکت کلی لانے والے ہائیڈروجن بموں کی تہذیب ہے۔ یہ علاقہ تو وہی ہے، صرصر و سموم کے ریلے جس کی شناخت ہیں۔ یہ خطہ وہی ہے بے ثمری اس کی سرشت میں ہے، یہ بنجر ویران کھائیوں چٹانوں کا علاقہ یاس و نومیدی کی کیفیت کی Peak پر واقع تھا۔ شاعرہ کے اندر بھی ویسا ہی ویران منظر تھا اور اس کی اپنی نہایت تک پہنچی ہوئی ناامیدی کی خارجی مماثل چٹان پر، جو ازل سے اب تک وہی ہے کہ چوتھی "حضارت جدید" آکھڑی ہوئی۔ انسان جہاں کرہ ارض پر وارد ہوا تھا اس وادی کی ہول انگیز کھائیاں یہاں صاف نظر آرہی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کھائیاں، یہ ویران نشیبی منظر پوچھ رہے ہیں کہ اے سائنسی انقلاب اے تسخیر فطرت سے کائنات کو مسخر کرنے والی تہذیب، تو نے آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی؟ اب تو تاخیر کا ہر لمحہ عذاب ناک ہے۔ وہ دور تو کب کا گزر گیا جب

گل بکاؤلی جیسی کہانیاں دلوں میں امید کی لو کو بجھنے نہیں دیتی تھیں کہ اب اپنا قدیم Archetyapal آدمی بشر خوش آیند خواب دیکھتا اور عہد بہ عہد ان خوابوں کو حقیقت بناتا ہوا خود آگہی کے مقام پر آپہنچتا ہے۔ یہ سلف بزرگ Homo Eructus کے لیے شاید کہا گیا ہے جو پھل پھول پر گزارہ کرتا تھا مگر پیش رفت کے سہانے خواب دیکھنے لگا تھا' جیسے آج کا بچہ جوہری کھلونوں کے خواب دیکھتا ہے۔ سلف بزرگ Homo Eructus کے بالکل ابتدائی دور کے لیے کہا گیا ہے۔ انسان کے ارتقائی سفر کا مرحلہ بہ مرحلہ ذکر کیا جارہا ہے۔ Homo Eructus نے جو آدمی کی نسل کا Precursor تھا کئی جگ اس کیفیت میں گزارے پھر اس نے ایک مقام پر آکر Biological جست لگائی اور وہ آدمی بشر بن گیا جس کا ذکر پہلے بند میں کیا گیا۔ وہ قریب ننگے پھرتے تھے۔ ریوڑوں کی شکل میں ایک ساتھ' مل جل کر رہنا بقا کی جنگ میں دوسری Species درندوں اور مارو آثار سے مقابلے میں کامیاب رہنے واحد صورت تھا۔ میں نے کئی عشرے ہوئے The National Geographical میگزین میں انسان کے Homo Sapien تک پہنچنے کے مدار کا تفصیلی ذکر تصویروں کے ساتھ دیکھا تھا' اس میں قدیم ترین "آدمی بشر" کے ایک Horde کی بہت علم افروز تصویر کسی مصور کی بنائی ہوئی شامل مقالہ تھی' ایک مرد کوئی پھل کھاتے دکھائی دیا' بچے مختلف انواع کے پھل اور سبزیاں کھاتے دکھائے گئے' کئی ننگی عورتیں بچوں کو دودھ پلاتی دکھائی گئی تھیں۔ ایک آدھ مرد کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار سا تھا' مضبوط نوکیلا لٹھ سا۔ اس بند کے آخری چار مصرعوں میں اس سطح ارتقا کے آدمی کی تصویر پیش کی گئی ہے:

سلف بزرگ ایسے جھنڈ جھنڈ
جبلتوں کی باڑیوں میں جو اتر کے
چر کے' چگ کے پتی پتی اس نہال کی
کلبلیں کرنے میں مگن

اب آدمی صاحب عقل تخلیق بن چکا ہے اور ترقی کرتے کرتے زراعت سیکھ چکا ہے۔ یہاں ابتدائی طرز کے کاشتکاروں کی ایسی زندگی کا بیان ہے جب کھیتی کے لیے پانی حاصل کرنے کے لیے رہٹ سے پہلے موٹ بنانا آدمی نے سیکھ لیا تھا۔ آدمی مناظر قدرت کے مشاہدے سے سبق سیکھتا تھا۔ جہاں ندی کا پانی پہنچا وہاں ہریالی فروغ پانے لگی جہاں نہ پہنچا زمین ننگی رہی۔ سو اس نے ندیوں سے کنوؤں سے پانی حاصل کرنے کا گر حاصل کرلیا۔ "چر کے' چگ کے" ان کی ارتقائی سطح کا تعین کرنے کے لیے کہا گیا۔ کاشتکار پورے آدمی ہیں یہ قدیم کاشتکاری کرنے

والے انسان سے ایک درجہ پہلے کی منزل ہے:

سنو وہ موٹ' وہ رہٹ کی نور چشم

اسی گل مراد کے فراق میں تو کر رہی ہے بین

ہائے میرا پھول

میرے دل کا چین

قدیم آدمی آسایش کے خواب دیکھتا تھا۔ جاگتا تو ان خوابوں کو حقیقت بنانے کی سوچتا۔ کہانیاں قصے اس نوع کو بھوتوں' دیوؤں' عفریتوں سے مقابلے کا حوصلہ بخشتے۔ موٹ چمڑے یا لکڑی کے ڈول کو کہتے ہیں جس سے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ رہٹ تو اب بھی ہمارے دیہات میں نظر آتا ہے۔ "گل مراد" حاصل کرنے کا خواب جو گل بکاؤلی حاصل کرنے والے شہزادے نے دیکھا تھا اور اس کے لیے نکلا تو کیا جوکھم تھے جو نہ جھیلے۔ ہمارے "قدیم آبا" نے بھی ویرانوں کو شاداب بنانے خار دار بنوں کو گل گشت بنانے' آبیاری سے لہلہاتے کھیت اور پھلوں کے باغ بنانے میں کتنی بڑی جست اپنی اس سے پہلے کی حالت سے لگائی تھی۔ اس کا بہت Graphic بیان اگلے مصرعوں میں ہے۔

بول! یہ نہ بھول

تیرے خار زار سینچنے میں

میری زندگی گئی

تو کیا اسی لیے

کہ دیکھنا پڑے یہ دن

دھتورے! تو بھی زہر کھا کے

سو رہا تھا اس سے

یکایک کسی آندھی' ژالہ باری یا سیلاب سے فصل تباہ ہوگئی تو یہ فریاد بے اختیار زباں پر آگئی۔

زمانے! ہائے تیرے درمیاں سے اٹھ گئی وفا

ہوا بدل گئی

وہ تباہی کا منظر دو تین مصرعوں میں Realistic سطح پر نہیں اسی رومانی آہنگ میں جو پرانے قصہ کہانیوں کا ہوتا تھا' یہاں پیش کیا گیا ہے کہ یہ نوع کا دور طفلی تھا اور اسے آج کی جدید سائنسی پیش رفت کے منظرنامے کے متقابل رکھ کر نقش بند کیا گیا ہے۔ اس وقت شدت

غم سے بے ہوش ہو جانے والے کو ہوش میں لانے کے لئے سب ٹونے جادو جائز تھے۔ مدہوشی یا بے ہوشی کفران نعمت نہ تھی اور نخلخہ سنگھانا بھی اساسی عقیدے سے روگشی کے مترادف نہ تھا۔ یہ اپنے روایتی مذہبی رویے کو سامنے رکھتے ہوئے خطوط وحدانی میں بطور Aside کہا گیا ہے۔ یہ سارا بیان موت کی زبان سے ہے جو بنوں کو سبزہ زار بنانے کے لیے سارا سارا دن روبکار رہتی تھی۔ وہی طرز بیاں جاری ہے۔ اسے دانستہ حضارت جدید کے زمانے کے منظر کے Back Curtain کے طور پر سجایا جارہا ہے۔

سسکتی دھوپ نے گلے لگایا (موت کو۔ ح۔ ن)

اور پھٹ پڑی----

(اس نے موت کو گلے لگایا اور تسلی دیتے ہوئے کہا کہ تیری کوشش ناکام اور کشت ویران ہوگئی)

کہا کسی نے اپنی چشم بد کے ساتھ

بد گہروہ ڈوب کر مرے

کہا کسی نے حال اس کا یوں' ہو

اور مال کار اس کا یوں

تو الغرض

بہ اتفاق رائے

نار اور سقر کا باب داخلہ

پہاڑ کی چٹان ہی بنی

ساری باتیں ان مصرعوں میں ویسی ہی ہیں جیسی مثنوی سحرالبیان اور دیا شنکر نسیم کی "گلزار نسیم" کے قصہ گل بکاؤلی میں سہیلیاں کسی دشمن کی درگت بناتی تھیں۔ بات پلٹ کر پھر اس چٹان کی طرف آگئی جس کے بیان سے نظم کی ابتدا ہوئی تھی۔

اب حضارت جدید یعنی مشینی دور کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ پہلے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ حضارت جدید آکھڑی ہوئی اور کہا گیا تھا کہ اتنی دیر اتنی تاخیر! پھر Flash Back کے طور پر اس دیر کی پوری شدت سے طوالت اور صعوبتوں کی تفصیل پیش کی گئی ہے اور اسی انداز سے رومانی لہجے میں منظر کشی کی گئی ہے۔ دور جدید کا منظر Realistic ہے اور ماضی بعید اور قرون وسطیٰ کو اس بیانیہ میں پیش کیا گیا ہے جو مثنویوں کی شاعری اور "باغ و بہار" اور "طلسم ہوشربا" کی نثر کا اسلوب تھا۔ اب "حضارت جدید" کی بات Resume ہو رہی ہے:

حضارت جدید

پسینہ میں پیچی بھاپ بھاپ!

تو میں اسے سنبھالتی ہوں----

برق خانہ سوز!

پیچ و تاب کھا رہی ہے کیوں

محجرات میں دبی

پرانی ہڈیاں چبا رہی ہے کیوں

کہ کب کہاں ہوا تھا واقعہ یہ رونما

مبالغہ سمجھ رہی ہے خود نوشت کو

ہٹیلی طنطنہ بھری------

تو کھل اٹھی

کہ اب ڈھب کی بات تھی

وہ اب دھڑی جما رہی ہے

لپ اسٹک کی شوخ و شنگ

یہاں پہلے دو مصرعوں میں شاعرہ حضارت جدید کی دریافت' ایجاد و تحقیق اور سائنسی پیش رفت کی ان تھک کاوش و محنت' کی فضا قائم کرتی ہے۔ پوری تہذیب کو personify کیا ہے' عورت کے پیکر میں۔ اسے عورت بنا کر پیش کرنے میں ایک اہم نقطہ پیش نظریہ تھا کہ اس نئی تہذیب کا ایک ظاہری نمائشی پیکر ہے اور ایک اس کی اصلی کلیت کی روح ہے۔ ظاہری صورت میں اس تہذیب نے عورت کو اپنا آئینہ بنا کر پیش کیا ہے۔ بجی سجائی تتلی جو آزاد ہے۔ آج کی Permissive سوسائٹی نے جو سوشل Norms بنائی ہیں ان میں عورت فیشن کا ماڈل ہے۔ گلیمر کا سمبل ہے۔ فلموں کی دلوں کی دھڑکن کو تیز کرنے والی نیم برہنہ حسینہ ہے' سحر طراز۔ دفتر میں سیکریٹری ہے۔ بڑے بڑے انتظامی عہدوں پر بھی نظر آتی ہے۔ ہمارے ظاہر میں لکھنے والے اس نئی تہذیب کا یہ روپ دیکھتے ہیں' تو حفیظ جالندھری مرحوم کی طرح پکار اٹھتے ہیں۔ عورت کو جوانی میں بناتے ہیں تماشا۔ ڈھل جائے جوانی تو سمجھ لیتے ہیں لاشا۔ عورت کی موجودہ آزادی بڑے بڑوں کو بری لگتی ہے۔ علامہ اقبال فرما گئے:

آزادی نسواں کہ زمرد کا گلوبند!

دوسری طرف اس تہذیب کی سائنسی پیش رفت ہے جو انقلاب آفریں ثابت ہوئی۔ اس

نے قوت بازو یعنی Musical Power کی جگہ ذہنی قوت کی فوقیت قایم کردی کہ اب تو جنگی شمشیر زنی میں مطلوب "بازوئے فولاد" کی جگہ Push Button کا کام ہے۔ بٹن دبایا تو ایک ایٹم بم بردار میزائل آدھ گھنٹے میں سات ہزار میل کے فاصلے پر ٹھیک نشانے پر گا Bulls Eye میں۔ اور لاکھوں کی آبادی والا شہر چشم زدن میں دھول بن کر اڑ گیا۔ عہد قدیم میں جو کرشمہ ارجن مہاراج کرسکتے تھے اب ایک ۲۵ برس کی سائنس میں مہارت رکھنے والی لڑکی کرسکتی ہے۔ لاکھوں گنا زیادہ ہلاکت انگیز سطح پر۔ مشہور مورخ فلسفہ ول ڈیوراں نے اپنی کتاب The Mansions of Philosophy میں اب سے کئی عشرے پہلے لکھا تھا کہ صنعتی اور سائنسی پیش رفت کے نتیجے میں عورت مرد سے سبقت لے جائے گی' اور یہ بات بہت جلد حقیقت بن کر سامنے آ جائے گی۔ اس لیے کہ عورت کی ساری ذہنی صلاحیت اب تک بروئے کار نہیں لائی' اس لیے پوری مضمر مستعدی کے ساتھ محفوظ ہے۔ جب یہ سب استعداد روبکار ہو گی تو مرد بیشتر ذہنی کارکردگی میں عورت سے پیچھے رہ جائیں گے۔ اتنی بات تو تاریخی سطح پر ایک ناگزیر صداقت بن جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تمام تر علمی و تحقیقی دریافت اور ایجاد میں مہارت بھی اس کے حصے میں آجائے۔ اب دیکھو طب' جوہری ریسرچ' تعلیم' اقتصادیات' ادب ہر شعبے میں عورت صدیوں کا فاصلہ برسوں میں طے کر رہی ہے۔ کئی قدامت پسند اور کئی روایت پسند ملکوں میں بھی عورتیں سب سے برتر منصب (Chief Executive) پر فائز ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ اسرائیل میں گولڈا اسمتھ' بھارت میں اندرا گاندھی' جس نے ہمارے ملاؤں کے محبوب مرد مومن کو ایسی شکست دی کہ ہمارا ملک دونیم ہو گیا۔ مارگریٹ تھیچر جسے انگریزوں نے مان لیا کہ ایک سو بیس برس کی تاریخ میں سب سے زیادہ مضبوط اور سیاسی بصیرت سے بہرہ مند وزیراعظم ثابت ہوئی ہیں۔ پاکستان میں سب سے پہلی مسلمان عورت وزیراعظم' دو بار اس منصب پر قوم کی رائے سے منتخب ہوئی۔ ترکی کی بھی ایک خاتون وزیراعظم رہ چکی ہیں۔ بنگلہ دیش میں ایک وزیراعظم نے چار برس یہ منصب سنبھالے رکھا' اب ان کی جگہ ایک اور مسلمان خاتون وزیراعظم یعنی (Chief Executive) ہیں۔ یہ اس لیے کہ اب جدید علوم نے عورت کو بھی وہی علم' وہی اہلیت' وہی بصیرت اور فراست عطا کردی ہے جو نصف صدی پہلے تک ہمیشہ مردوں کو حاصل رہی تھی۔

تو کہا گیا ہے کہ میں نے جدید تہذیب سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو گڑے مردے اکھاڑنے پر کیوں اتنی مصر ہے۔ اہرام مصر سے ممیاں نکال کر ان پر تحقیق کر رہی ہے بابل و مصر کی لوحیں اور Papyrus پر لکھی یادداشتیں اور داستانیں Decode کرنے میں کیوں دن رات

ایک کر رہی ہے۔ نینڈرتھل میں اور اسے پہلے کے بشر نما کی ہڈیاں کیوں ڈھونڈ رہی ہے۔ تجھے اس سب مشقت سے کیا حاصل ہوگا اور نوع انسانی کا اس سے کیوں کر بھلا ہوگا۔ تو حضارت جدید کے نسوانی سمبل نے یہ باتیں سن کر فخر سے سربلند کیا اور اس کا چہرہ فرط مسرت سے کھل اٹھا کہ یہ اس کے من بھاتی بات تھی اور پھر بالکل ایک ایسی بات کہی جو ایسے مسرت آمیز فتح مندی کے لمحوں میں عورت کا جبلی ردعمل ہوتا ہے۔ آئینہ سامنے ہوتا تو اگلے زمانے کی عورتیں اپنا چہرہ ازرہ امتحان دیکھنے لگتیں۔ اس سمبل نے اپنے ہونٹوں پر شوخ رنگ کی Lipstick لگانا شروع کردی۔ لپ اسٹک ماڈرن تہذیب کے لیے ایک نسوانی سمبل بھی ہے یعنی فتح کے جذبے سے سرشار' خود کو سجانے لگی:

ہتھیلیوں پہ تتلیوں کا رنگ
ذرا سا جس نے مل لیا
وہی اجنتہ حیات کا
بزعم خویش آفرید گار
مگر حیاتیات و نفسیات و وضعیات
لگا سکے نہ قدغن سکوت
چہکتے ہی رہے طیور صبح و شام
چہکتے ہی رہیں گے بے شعور
یہ صبح و شام کا لزوم بھی عجیب
کہ عقل دنگ ہے
ہزار سبقت وجود' بخش دو انھیں
مگر نہ باز آئیں گے
یہ اس روش سے ان کا جو پرانا ڈھنگ ہے
کہ صبح و شام کے سوا' دیا گیا' مزید وقت
دانہ دنکا چگنے میں گنوائیں گے
ہمارا مصرف اس جہاں میں بس یہی
کہ چہچہوں میں گونجتی
پہیلیوں کو بوجھنے میں مات کھائیں' زک اٹھائیں----
تو ہار مان کر مجددین دین آذری

تراشتے ہیں طاق دل کے شمع دان میں

اک ایسی لو

جو گل شدہ رہی ہے مدتوں

تراشتے ہیں اک مجسمہ عصا بدست

قوام ذرہ ہائے تابکار سے ڈھلا

اسی کے پاس

اپنی چوکڑی میں منجمد

تلازمہ بھی ایک آہوئے رمیدہ کا-----

ادھر گیاہ و گل بکٹ، ہوائیں

اک صلائے عام

مرے خدا

ادھر وہی قدیم دام

اس بند میں بہت سے مفاہیم یکے بعد دیگرے آئے ہیں۔ پہلے اس دور کی انا پرستی کی عام روش کا ذکر ہے۔ جمہوریت سے انفرادی آزادیوں کو پنپنے کا موقع جدید تہذیب کے علم بردار ملکوں میں ملا تو ہر ایرا غیرا موقلم اٹھائے کاغذ پر خط و رنگ لگانے والا شخص نابغہ روزگار بن بیٹھا۔ ہر شخص عہد ساز، روایت ساز بننے کا مدعی ہونے لگا۔ یہاں بات اجنتا کے حوالے سے کی گئی ہے۔ اجنتا کے غاروں میں جو سنگ تراشی کے زندہ جاوداں شاہکار بے نام تخلیق کاروں نے سنگین چٹانیں تراش کر بنائے اس کی مثال دنیا آج تک پیش نہیں کر سکی۔ ان خارا تراشوں کی تخلیقی کارکردگی کا کمال دیکھو کوئی جدید پکاسو، کوئی مکتب مصوری یا Sculpture کا ادارہ اپنے عام افراد کی مجموعی کوشش سے اس کا عشر عشیر بھی تخلیق نہیں کر سکا ہے۔ لیکن آج کل اخباروں، جریدوں، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے وسیلے سے ہر تیسرے درجے کا شخص بڑے بڑے دعوے کرتا ہے اور شرماتا نہیں۔ اس بند میں کہا گیا ہے کہ وہ "بزعم خویش آفریدگار ہیں" ساتھ ہی کہا گیا کہ اس دور نے حیاتیات اور نفسیات اور دوسرے ادب و شائستگی سکھانے والے Disciplines جن میں آداب و اطوار Social Graces سکھاتے ہیں، انھیں کم گوئی اور علم و انکسار نہ سکھا سکے۔ اب فوراً" ان خودستائی کرنے والوں، خود اپنے قصیدہ خوانوں کی یا وہ گوئی کا ایک متقابل منظر فطرت سے مل گیا ہے۔ پرندے صبح و شام چہکتے ہیں۔ صبح ہوتی ہے تو اسے خوش آمدید کہتے ہیں، مناجات گاتے ہیں۔ پھر دانہ دنکا چگنے آشیانوں

سے اڑ جاتے ہیں۔ شام ہوتی ہے تو واپس آشیانوں میں آتے ہیں اور رزق پانے اور بہ سلامت واپس آنے پر خوشی کا اظہار مل کر کرتے ہیں۔ ایک زمانے میں میرے گھر کے اردگرد گھنے درخت تھے، صبح و شام میں چڑیوں کی چہکار سنا کرتا تھا۔ اس سے ایک دل پذیر نغمگی اور سرشاری مجھ پر طاری ہو جاتی تھی اور میرا جی بے اختیار چاہتا تھا کہ میں ان کے ساتھ مل کر انھی کی طرح چہکوں۔ اس مقام پر بہت نازک بہت جمیل بات کہی گئی ہے کہ معصوم نواگروں کو خلعت امتیاز عطا کر کے، انھیں تاج پہنا کر کہیں کہ تم اپنی دنیا کے تاجور ہو، مگر یہ چہکنا نہیں چھوڑیں گے۔ صبح و شام کی چہکار کے علاوہ جو وقت انھیں ملتا ہے وہ حصول رزق میں صرف کرتے ہیں۔ یہاں انھیں "بے شعور" اسی محبت سے کہا گیا جس طرح قرآن پاک میں انسان کے بڑھ کر بار امانت اٹھا لینے پر کہا گیا کہ وہ ظلوما" جہولا ہے۔ نادان نہیں جانتا کہ اس بار کو فرشتے اور کہسار اور سمندر اور صحرا اٹھانے کی جرات نہ کر سکے تھے۔ اس نے عواقب سے بے نیاز آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا۔ یہ تحسین کا زیادہ پہلودار انداز ہے۔ ان چڑیوں کے برعکس ہمارا کام یہ ہے کہ ہم فطرت کے اس سرو دازلی کو سمجھنے، اس کا راز پانے کی بار بار کوشش کریں اور ہر بار ناکام ہو کر رہ جائیں۔ پھر بات آگے بڑھائی گئی۔ اسرار فطرت کو سمجھنے میں ناکامی کے بعد پرانی بت گری کی روایت کے جدید آذر اپنے دلوں کے طاقچوں میں سجانے اپنے شعور کے محرابوں میں رکھنے کے لیے ایسے دیے بناتے ہیں جن کی لو مدت مدید ہوئی ختم ہو چکی تھی۔ وہ آگے بڑھتے ہیں تو جوہری توانائی کے ذرے بہم کر کے بت بناتے ہیں ایک عصا بدست شخص کا۔ یہاں اتنا اشارہ کر دینا کافی ہے کہ وی آنا (آسٹریا) میں مائیکل اینجلو کا تراشا ہوا حضرت موسیٰ کا ایک مجسمہ کم و بیش اسی نوع کا موجود ہے۔ جدید سنگ تراش "بت گری کے متشاعر" خیال تازہ کہاں سے لاتے، نقل بنا دی، مہلک مواد ہے اور اس بت کے پاس ہی ایک رم آمادہ آہو کا مجسمہ بنا کے رکھ دیا جیسے کہ وہ چوکڑی بھرنے میں Freeze کر دیا گیا ہو۔ یہ آج کے کلاکاروں کی سعی کا حاصل ہے۔ اس عصابدست پیکر میں ایک پنہاں اشارہ یہ بھی ہے کہ یہ جدید بت گر یہودی سرمایہ کے پروردہ ہیں اور یہودیوں کی Proxy ہیں۔ پھر فطرت کی طرف نگاہ کی تو نظر آیا کہ سامنے جنگلوں اور باغوں میں نرم ہوائیں گیاہ و گل کو اپنے دامن میں لیے آرہی ہیں اور دعوت نظارہ دے رہی ہیں کہ فطرت کے جمال بے کراں کو کلیت میں دیکھنے والی نگاہ رکھتے ہو تو آؤ یہ دید دیکھو۔ تو بے ساختہ یہ Sublime الفاظ تشکر نکلے، کہ مرے خدا ادھر وہی قدیم دام۔ غالب نے بھی تو کہا تھا۔

اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا   آسماں نے بچھا رکھا تھا دام

ہماری شاعرہ نے اور ہمارے عظیم کلاسیک شاعر غالب نے اس ارفع منظر کو دام کہا۔ اقبال نے ایک اور نوع کا دامن کش دل منظر قایم کر کے کہا۔

آئی ندائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی' اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی

یہ عیش دوام بھی تو ایک دام ہی ہے!

اس سے اگلا بند سراپا حسن کلام ہے۔ لمحہ موجود کی عام کیفیت کو گھر کی حسدم حدود کہا گیا کہ 'یہ چبوترہ نہیں ہے۔ تباہ شدہ گھر ہے۔ جسے اجتماعی نفس کے مختلف النوع شر نے نفس کے اندر ابلتی ہوئی ان گنت بدلیوں نے روند ڈالا ہے۔ اس کی چھت' اس کی دیواریں' اس کی منڈیر سب کو منہدم کر ڈالا۔ اب عالم یہ ہے کہ گھر نسلوں کی تربیت گاہ نہیں رہا۔ سو معصوم طفولیت کے خواب خوف کے کہف میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ یہاں اصحاب کہف کی تلمیح سے استفادہ کیا گیا ہے جو ظالم بادشاہ سے اپنے سچے کیش کو اور اپنی جانوں کو بچانے کے لیے کہف کے ایک غار میں تین سو سال تک پناہ گیر رہے تھے۔ خداوند نے ان پر گہری نیند طاری کردی تھی اور ان کے جسموں کو موسموں کے تغیر سے' درندوں سے' اور بھوک سے محفوظ رکھا تھا۔ یہ بچے خواب میں اس لیے حقیقت موجود سے پناہ لینے پر مجبور ہوئے کہ حضارت جدید کی مشاہدہ گاہوں میں صدیوں کی آزمائی ہوئی روحانی اور جمالیاتی صداقتوں کی جڑوں پر آراء چلانا شروع کردیا گیا جس کے نتیجے میں ان کے نونہال اپنے سرمایہ اعصار سے Alienate ہوجاتے ہیں۔ مشاہدہ یہ کیا جارہا ہے کہ بچپن کی نفسیات میں کیا apriori جذبے کے موروثی اثرات کارفرما ہیں۔ ماتا کی حقیقت کیا ہے۔ یہ رشتہ اتنا مضبوط کیوں ہے۔ وہ نباتات کی' گلاب کے پھول کی' گلبن کی جڑیں جنھوں نے اپنی کونپلوں کے وسیلے سے شفق کا سرخ رنگ اپنے پھولوں کے لیے کشید کرلیا اس کا سبب اور احوال یعنی Process کیا ہے۔ ایسے ہی اور بہت سے اساسی معاملات ہیں جن کا تقدس ان مشاہدات سے پامال ہورہا ہے اور اب خاندان میں وہ شیرازبندی باقی نہیں رہی جو اب سے سو برس پہلے تک موجود تھی۔

اس کے بعد کہا گیا کہ انھی تحقیقات اور مشاہدات کی وجہ سے زندگی اس مہربان ہرے بھرے سائبان سے جو روایتوں کے جھنڈے نے بنا رکھا تھا' محروم ہوگئی۔ اب انسانی زندگی جنم لیتے ہی تاجروں اور کاروباری مہوسوں کے جال میں گرفتار ہوجاتی ہے۔ مہوس ہوس سے ہے۔ دکانداروں اور کاروباری لوگوں کو مہوس کہتے ہیں۔ کیمیاگروں کو بھی مہوس کہتے ہیں۔ یہاں مراد ان سرمایہ داری کے اداروں سے ہے جو نوع انسانی کی معصومیت کو بھی جنس تجارت بنارہے ہیں یعنی طفولیت کے خواب بچوں سے چھین رہے ہیں۔ اس پر شاعرہ بے بسی میں الامان و الحفیظ پکار

اٹھی ہے۔ العیاذ۔ بچائے، محفوظ رکھے۔ اس کے مقابلے میں فطرت کو دیکھو وہ اپنے کار فرما اصول اپنی سنت پر قایم ہے اور حضارت جدید کی تمام سپاہ، تمام محافظوں، تمام کارندوں کوتوالوں، کے طاغوتی لاؤ لشکر کو ناکام بنانے کی قوت رکھتی ہے۔ یہاں حضارت جدید کے سارے عزایم ناکام ہو جائیں گے۔

اگلے بند میں، نوع انسانی کو، اجتماعی زیاں کے جو خدشات، اہل نظر بتا کر رخصت ہو گئے، ان کے مسلسل پیش آنے کا بیان ہے۔ نئے علوم میں سفاک مقتدر قوتوں نے جو بذاتہ برے نہ تھے بلکہ انسان کی علمی پیش رفت میں بے پناہ امکانات منکشف کرنے کا وسیلہ تھے، ایسے عناصر شامل کردیے ہیں جن سے پوری نوع کی بہت اکثریت کو برے نتایج بھگتنا پڑ رہے ہیں اور محبت و مروت کی وہ سرشت جو نوع انسانی کی شیرازہ بند تھی، بدل گئی اور شیرازہ بند Factors، میں جن میں خاندان، قبیلے، کیش، بہت اہم تھے ایک ایک کرکے اپنی معنویت کھو رہے ہیں اور اب ان کی جگہ کیا نظر آرہا ہے؟ بے مہار ادب و شعر جو تمام جمالیاتی اور اخلاقی اور روحانی قدروں سے عاری ہے۔ لوگوں کی باہم افہام و تفہیم کی روایت رو بہ فنا ہے، فکر و فن غلط بینی و غلط اندیشی کی نذر ہو رہے ہیں۔ انتشار کا عمل تمام اجتماعی زندگی پر محیط ہو رہا ہے اور نفس اجتماعی بکھر رہا ہے۔ شاعرہ وہ منظر، اپنی "ظاہر" سے آگے بڑھ کر دیکھنے والی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں جو ایک پرانے نبی پرسیاہ نے یروشلم کے قبرستان میں دیکھا تھا کہ انبوہ در انبوہ زندہ جسم ادھڑ کر پنجر رہ گئے اور قبروں سے سرد راکھ ایک خوف ناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ اوپر اٹھ کر ہوا میں شامل ہو رہی ہے اور ہر طرف راکھ سے غبار چھا گیا ہے۔ یہاں کہا گیا کہ یہ وہ ہنگام ہے، جس کی انبیائے قدیم نے وعید دی تھی کہ جب مہم جو اپنے فولاد کے ڈھالے ہوئے اسلحہ کی مختلف انواع کی دھار اور کاٹ آزما کر یہ جان لیں گے کہ نوع انسانی تیغ و تیر و تبر سے ختم نہیں کی جاسکتی۔ اسے نوعی سطح پر مغلوب بھی نہیں کیا جاسکتا، تو صلیب و دار کو، جلاد کی تلوار کی دھار کو، آزما لینے کے بعد، حریت کے نام پر قلم کو مہلک ہتھیار کی طرح استعمال میں لایا جائے گا۔ بنام حریت قلم کار، مصور، مجسمہ تراش، یعنی سب فنون جمیلہ کے کارگزاروں کو خرید لیا جائے گا۔ اور بے ضمیر قلم کار اور مصور اور فن کار نوعی ہلاکت کے لیے اپنے اپنے چھوٹے فن کو، حرف کو، رنگ و خط کو، مجسمہ سازی کو، نوعی استحصال کے لیے استعمال کریں گے۔ یہ خود فروش سب جنگ زرگری کا ناپاک آلہ کار بن گئے ہیں۔ اور ہر طرف نئے Witch Doctors اور روحانی پیشوا اپنے شیطانی منتر پڑھ رہے ہیں۔ Chant کررہے ہیں۔ اب وہ وقت ہے کہ ہر شخص ہر لحہ اپنی رگ جاں کا تحفظ کرے تو جسے بھی نوک قلم کی چبھن یا خراش محسوس ہو وہ جان لے کہ اب وہ اپنی شناخت کھونے کو ہے۔ تم تم نہ

ہو گئے ہیں میں نہ ہوں گی۔ ہر ڈسا ہوا فرد کچھ اور ہی بن کر رہ جائے گا۔

اب بات بیانیہ سے استفہامیہ سطح پر آئی اور فکری سطح پر عمیق تر ہو گئی۔ کہا گیا ہے کہ شرار بولہبی جو مصطفائیت کا ازلی دشمن ہے، منکر شرف انسانیت ہے، الاؤ بنا۔ اور بھڑک بھڑک کے آخر کار جل بجھا۔ باد فنا نے اس کی راکھ اڑائی اور جہنم کے سب سے گہرے پاتال میں جھونک دی تو پھر یہ سگ و شغال کی ساری برادری آسمان کی طرف منہ کرکے کیوں رو رہی ہے۔ ہمارے ہاں بڑی بوڑھیاں کہا کرتی تھیں۔ اور یہ بات میں نے بھی اپنے بچپن میں کانوں میں سنی تھی کہ کتے چاندانی رات میں چاند کی طرف منہ کرکے رونے لگیں تو وہ کسی آفت ناگہانی کو آتے دیکھ کر روتے ہیں۔ کتوں کا رونا بہت منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ کیا یہ حضارت جدید کی پورن ماشی رات ہے؟ وقفہ دے کر شاعرہ کہتی ہے۔ اے تہذیب تو ٹھہر کہ میں تجھے نور لم یزل کے مظہر کامل سرور کائنات حضور خاتم المرسلین کی نگاہ پاک سے دیکھوں کہ تیری اصل کیا ہے؟

یہاں نظم کا پہلا طویل Canto ختم ہوا۔ اس نظم کے چار Canto ہیں۔ پہلے Canto کے آخر میں شاعرہ نے بات یہ کہہ کر ختم کی کہ اے منبع علوم جدید ٹھہر کہ میں تجھے اللہ کے نور بے کراں کے سیل تلے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کاشف دی ہے، نگاہ سے دیکھوں کہ تو کیا ہے۔ تیری ماہیت کیا ہے۔ اب دوسرے بند کا عنوان ہے "سرود کلمہ نخست اس نظم کے تعارف کے آغاز میں کہا گیا تھا کہ یوحنا کی انجیل کا آغاز اس کلام سے ہوتا ہے کہ "ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام خدا تھا۔" قرآن پاک میں فرمایا گیا کہ آدم کی پشت سے باری تعالیٰ نے ساری نوع انسانی کو نکالا اور اس سے کہا الست بربکم۔ نوع انسانی نے کہا "بلیٰ" کہ آپ بے شک ہمارے پروردگار ہیں۔ تو کلمہ اول "الست بربکم" ہے اور اس کا جواب "بلیٰ" ہے۔ تیسرا Canto جناب رسالت مآبؐ کی شان میں قصیدہ ہے۔ چوتھے Canto یعنی آخری Canto کا عنوان ہے "ہاجرہ کی کھیتی کی فصل ربیع" یعنی آل اسماعیل میں آنے والے نبی آخر الزماں کا دین اور اس کی دائمی بہار۔ تو اس نظم کا مرکزی موضوع حضارت جدید کے پیدا کردہ نوعی انتشار اور نوعی بقا کے ضامن تمام Institutions کی تباہی کی Environment میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور ان کی سنت۔ کہا گیا ہے کہ یہ وحی و سنت نوعی بقا کا وسیلہ ہے۔ شاعرہ نے اس وسیلے کو فلاح دائمی کے طور پر پیش کیا ہے۔

میں نے نظم کی کلید پہلے Canto کی علامتوں کی مفصل توضیح کرکے باقی تین Cantos کی معنوی Thrust مہیا کردی ہے۔ اب میں باقی تین Cantos کا اجمالی تجزیہ کرنے پر اکتفا کروں گا۔ "سرود کلمہ نخست" جیساکہ نظم اپنی فضا سے بتاتی ہے، میرے ایسے عمیق مفاہیم کی تہ تک نہ پہنچ

سکنے والے قاری کے لیے یہ بند ازل کے لمحہ سے جناب رسالت مآب کی' جاہلیہ کے کینہ ساز مقتدر طبقہ کے مرکز قوت ام القریٰ سے' ہجرت اور مدینہ پہنچنے پر ہمہ شوق' ہمہ طاعت و ایمان لوگوں کے انبوہ کا کلمہ پڑھتے ہوئے استقبال کرنے اور لڑکیوں کا دف بجاکر اپنے آقا کی خدمت میں ہدیہ سپاس نذر کرنے کی بات ہے۔ اور اس قیاس کو نظم کے آخری تین مصرعوں کی لفظیات سے تقویت ملتی ہے:

ہاں یہی تو ہے
وہ نالہ ذبح میں
فدیتک کی شرح زار زار
بلالؓ اور صہیبؓ کے دیار میں

بلالؓ اور صہیبؓ ابھی مکہ ہی میں ہیں۔ اور بہت سے ام القریٰ کے مسلمان بھی کہ ابھی صرف حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کررہے ہیں۔

کینتو کا آغاز بہت ڈرامائی ہے اور بیان' اس کیفیت جتنی ہی ندرت اور تاب رکھتا ہے۔

بہاؤ میں وہ جاوداں سرود
سرود کے بہاؤ میں
خلائے بے تہی بھی ناپدید
ملائے اتفاق بے سیاق و بے سباق بھی

یہاں بہاؤ بڑے ارفع حکیمانہ تلازمات کا حامل ہے۔ کائنات وجود سے ورا' ساکت وقت ایک بے انت بہاؤ ہے۔ ہمیشگی کا بہاؤ جسے برگسان نے Duration کا لفظ استعمال کرکے لفظ کی حد تک Define کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو یہ بہاؤ وہ ہے جس میں جاوداں سرود ہے۔ یہ سرود تمام ذریت آدم کے جواب "بلیٰ" کی کائناتی اور فوق الوجود لے اور اس کا سحر طراز آہنگ بھی ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ شاعرہ کہہ رہی ہے کہ اس سرود کے بہاؤ میں سب دیسرتی تصورات ناپید ہوچکے ہیں۔ یہ نغمہ ایسا ہوش ربا ہے کہ فطرت اور ماورائے فطرت جو کچھ ہے جہاں ہے' ماسوا ذات مطلق کے' سب ناپید ہوچکا ہے۔ اس نغمہ کے تاثر میں ڈوب چکا ہے اور لمحہ تخلیق سے تاحال زندگی کے سارے آثار خس کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں۔ دید کا منظر سارے کائناتی جہان میں دھواں ہے اور بے نشاں راکھ ہے۔ منظم شہر و ملک' منتشر' زاج کی شکار بستیاں' راجدھانیاں' اپنے گمان اپنے نشہ و جاہ کے ٹوٹنے کے کرب میں اب صرف دم گھٹنے والا کثیف حبس ہے۔ تصور میں لاؤ بوجہل نم سے معمور ساکت ہوا اور تپش' اس کیفیت کو کثیف حبس کہا گیا۔ اور ایسا ہول' ایسا مہیب ڈر جو

کسی تدبیر سے دور نہ ہو سکے' زمانہ قبل از تاریخ سے دور بہ دور نوع ترقی علم کی سطح پر تو کر تی جارہی تھی' رہن سہن میں تو علم کی ترقی کے ساتھ ناگزیر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں مگر نفس اجتماعی کی اوپر کی سطح ایسی تھی جیسے Blackhole Murky Misty میں عمل تخیر روبکار ہو۔ عظمت کے سارے تصورات اچھائی کی سب رفیع و بالا قدریں اس باطنی اور ظاہری صوت کی وجہ سے بے حسی کے غبار میں چھپی ہوئی ہیں اور ان قدروں' روحانی آدرشوں کے کھوٹے دلوں والے علم بردار طبقے عامتہ الناس کی قامتوں سے اونچی مسندوں پر براجمان محصول وصول کرتے ہیں۔ ان "جبارین" کی کچلیاں معصوم لہو سے بھری ہوئی ہیں۔ سارا منظر سارے نشیب و فراز کے ساتھ مسموم حبس کی دھند میں کھویا ہوا ہے۔ ہر طرف جبر و قہر کے حصار ہیں۔ زمین پر بھی' دیوی دیوتاؤں کے عالم بالا میں بھی ایک Central Authority کی لاشریک ربوبیت پر یقین سے محروم حیات اجتماعی ایسے ہی دھندلکے اور ایسے ہی جبر میں محصور ہوتی ہے۔ کہا گیا کہ نزاع کی شکار روحوں کے "کباڑ" حصار در حصار آفاق گیر ہیں۔ ساری تفاصیل سے جو خشت بہ خشت منظر نامہ تعمیر کیا گیا ہے اس کا کلائی میکس نہایت خیال انگیز ڈکشن کے حامل تین مصرعوں میں لایا گیا ہے:

تن کے روگ من کا ہیر پھیر
تمام خار و خس کے ڈھیر
غرق ورطہ فنا

کینٹو کے آغاز میں پانچویں مصرعے میں پہلے چار مصرعوں میں بیان کیے گئے زندگی کے حاصل کو خار و خس کے ڈھیر کہا گیا تھا۔ اب تو سب کچھ' آخری تجزیہ میں' خاک کے ڈھیرے کے سوا کچھ نہیں۔ ساری تفاصیل ایک مصرعے میں Sum Up کردی گئیں۔ تن کے لوگ۔ تن یہاں عامتہ الناس ہیں۔ من متقتدر طبقہ جاہلیہ ہیں اور ان کا حاصل ہیر پھیر ہے۔ تو یہ لوگ یہ ہیر پھیر جو اب تک کی زندگی کا نفس اجتماعی کا اخلاقی معاشرتی سطح پر حاصل ہے۔ سب خار و خس کا ڈھیر ہے جو غرق ورطہ فنا ہوچکا ہے۔ لیکن

سرود زندہ رود!

وہ ازلی سرداب بھی ہمیشہ کی طرح وجود گیر اور روح افروز ہے۔ اور اصل حقیقت وہی سرود ہے۔ آگے کے چار مصرعے بہت سمجھ سوچ کے بعد وجدان میں کہنے کی بات رچا کے کہے گئے ہیں۔ حیات جو بے نم ریت کی تہوں کے نیچے دبی پڑی ہے۔ اس نے جان لیوا حالت میں اپنی بند پلکوں پر سے جمی ہوئی ریت کی تہہ ہٹاکر آنکھ کھولی اور سوچنے لگی کہ یہ جو کچھ سننے میں آرہا ہے خواب ہے یا حقیقت؟ زندہ رود سرود کی رواں نغمگی! اور یہ کیا ہے کہ وداع کی گھاٹیاں یعنی مقام

فراق کے فراز یکایک دمک اٹھے ہیں۔ (مقام فراق' جہاں بی بی ہاجرہ' اور ان کے بچے کو چھوڑ دیا گیا تھا بے سہارا)۔ یہ اس گھٹن سے باہر کھلی فضا میں پورے چاند کے طلوع کا طربیہ نغمہ کیسے شروع ہوگیا۔ یہ نغمہ تو دف بجاتی لڑکیاں گارہی ہیں۔ یہ سابق جاہلیہ کی نوخیز مومن لڑکیاں' اس معاشرے کی جہاں لڑکی کو بوجھ سمجھ کر اکثر لوگ پیدا ہوتے ہیں زندہ دفن کردیتے تھے۔ پر شکستہ گونجیں کیسی اچھی تمثیل ہے۔ یہ پر شکستہ گونجیں اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتیں۔ یہ لڑکیاں بھی تو تا ایں دم اکثر و بیشتر Womans Destiny تک کم ہی پہنچ پاتی تھیں۔ ریت سے اٹے پپوٹوں کو ہٹاکر یہ منظر دیکھا۔ اور اس منظر کو دیکھ کر نوعِ حیات حیرت سے سوچ رہی ہے کہ کچھ دن پہلے تک کون یہ سوچ بھی سکتا تھا کہ یہ لڑکیاں خاموشی میں تڑپتی سینہ فگار بے زبان جانیں آج شکر جاوداں کا نغمہ مسرت و سپاس الاپتی سنائی دیں گی۔ اب نظم بڑھتی ہے اس کینٹو کے کلائی میکس کی طرف۔

ابل ابل کے آتما کی تھاہ سے
رندھی رندھی پکار
ہاں یہی تو ہے
وہ نالہ ذبح میں
فدیتک کی شرح زار زار
بلالؓ صہیبؓ کے دیار میں

بلالؓ اور صہیبؓ ابھی مکہ کی اذیت گاہوں میں ہیں۔ جہاں کفار مسلمانوں پر' بالخصوص غریب غیر عرب مسلمانوں پر' جن میں کوئی ان کا غلام یا آزاد کرایا ہوا غلام ہے۔ ادھر بھی ایک نغمہ ہر وقت ان شدائد کے ہدف اہل ایمان کے قلوب سے نکلتا ہے فدیتک۔ "ہم تم پر قربان" ان مدینے کی لڑکیوں کے گلے سے ایسے بھی کبھی کبھی مسرت کے وفور سے آواز رندھی سے نکلتی ہے۔ ان کے نغمہ خوش آمدید کا آہنگ بلالؓ اور صہیبؓ کے شہر سے اٹھے والی لے "فدیتک" سے مماثل ہے۔ یہاں تک آتے آتے نظم۔ اگلے کینٹو کے لیے فضا کاملاً" تیار تیار کردیتی ہے۔ بڑا rich پس منظر قایم کردیا گیا۔

تیسرے کینٹو کا عنوان ہے۔ صد ہزاراں آفرین برجان او۔ یہ مصرع مولانا روم کے تین اشعار پر مشتمل نذرانہ نعت کا مصرعہ اول ہے' اس کینٹو کے پہلے پندرہ مصرعے ایک بے مثال کلام ہیں۔ اس دور کی دو تین عظیم نعتوں کے ساتھ یہ نعت آپ اپنی مثال ہے۔ اس ارفع سطح پر اقبال اور حالی کے سوا آج تک کوئی نہیں پہنچا تھا۔ ابھی دو تین ہفتے ہوئے ضیا جالندھری نے ایک

نعت حضور اور حضور کے رفیق ہجرت ثانی اثنین کے قیام غار ثور سے inspire ہو کر کہی ہے۔
ضیاء پاک دل ہمیشہ سے تھا۔ اب اپنی اصل کی طرف لوٹا ہے تو سراپا عشق ہے، سراپا ادب ہے۔
اور یہ نعت مقام عشق سے کہی گئی ہے۔ خالد احمد کی طویل نظم جو دو ڈھائی برس پہلے کہی گئی تھی
قبیل کی ہے۔ وہ بھی عشاق رسولؐ کے دلوں کو ہمیشہ چھوتی رہے گی۔ مقام رفعت پر۔ میں ان ارفع
نعتیہ مصرعوں کی توضیح نہیں کروں گا۔ کئی مصرعے یکایک ایک جست ارفع معانی میں اپنے لفظوں
میں رکھتے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس تعارف کو پڑھنے والا ادب دوست بھی ہمہ ادب ہے سو
وہ ان کے ساتھ ساتھ چلے گا:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کا نام
وہ شہسوار رہ گزار نور
وہ حسن تام، رحمت عمیم
سب جہانوں کے لیے
نگاہ ان کی ساعت حساب سی
نئی پرانی داد خواہ بستیوں کے داد گر
وہ شارع عظیم، وہ حکم
سبھی زمانوں کے لیے
شبان امی و یتیم
فاتح رحیم
شہریار دردمند
معلم امم
انھیں کا جلوہ مکارم اتم
بنا جواز آفرینش
آسمانوں کے لیے

پندرہ مصرعوں میں حضور کی شخصیت اور سیرت کا ایک دل نواز اور مکمل خاکہ رقم کردیا گیا۔
یہ شاعرہ کی قدرت کلام اور اپنے موضوع سے دل و جاں سے وابستہ رہنے اور عشق رسول کے
مقام قبولیت پر ہونے کی گواہی ہے۔ اب آگے ایک اور قصیدہ ہے جو حالی مسدس میں نعت کے
پہلے بند "وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا۔" سے اپنی وجدانی کیفیت میں مماثل ہے۔ شعری
صاحبہ نے اس کیفیت کو اوج کمال سے محسوس کیا اور بیان کی عظمت کی سطح پر قلم بند کیا:

یتیم کی ہنسی، اسیر کی رہائی

پھولی شگفتگی

کھلی فضاؤں میں طیور کی اڑان------انھیں پسند

(یہ بند ظاہری معانی میں بھی دل پذیر ہے۔ دوسرے اور تیسرے مصرعے میں پھول اور طیور استعارے بھی ہوسکتے ہیں۔ اس سطح پر اس کو دیکھو تو یہ اور بھی جمیل رفیع اور تابندہ کلام ہیں۔)

درندوں کی نگاہوں سے

شراروں سے بھرے

گھنے بنوں میں راستے تراشتے

مچانیں باندھتے جوان------انھیں پسند

(وہ ظلم وعدوان کو مٹانے آئے تھے)

پیاؤ کے قریں

سوالوں کے ہجوم

پلانے پینے میں

یگانگت کی وضع دلربا

دلبری کی شان------انھیں پسند

(جوان کی ہمدردی، غریب نوازی کو جان لیتا تھا وہ ان کا دلدادہ اور جاں نثار ہوجاتا تھا۔)

محبت ان کی چاندنی

وسیلہ شناخت

محبت ان کی شان اور نشان امتیاز

(وہ نوع انسانی سے محبت رکھتے تھے یہ محبت بے انتہا تھی اور ان کی امتیازی شان تھی۔)

مقام ناز جادہ نیاز

محبت ان کا راز، ان کا معجزہ

محمدؐ ان کا نام

(یہ نغمگی سے بھرپور نعتیہ قصیدہ سارا بہار چمن ہے۔ سادہ اور دل نواز۔ دیکھو یہ نعتیہ Canto کیسے مصرعہ بہ مصرعہ ایک اکمل تخلیق بن رہا ہے۔)

محمد ان کا نام

وہ فصل نو بہار

پھول پھول کا اٹھائے بار
کفیل و حق گزار رنگ و نم
کرن کرن فدائیان آفتاب
وہ مرد و زن
شریک وہم جوار وہم قدم
یہ مجلس شرف یہ دشت ابتلا یہ جادہ حرم
یہ پر تومہ تمام خود سپار وہ تلاطم وجود
وہ موج موج اعتبار بحر!
کشاد در کشاد دار و بست!
نہیں------!
حضارت قدیم!
یہ سہانے لمحوں کا بہاؤ
یہ نمود پر شکوہ
کسی زمانے کے لیے بھی
گاہوارہ فتن نہیں
کسی بھی دور میں نواح جاں
نواح جاں نہیں
جو اس میں جنت مشام
وہ بوئے پیرہن نہیں------
کہاں سے آگئیں
یہ دو جہاں کے درمیاں بھی
گھاٹیاں وداع کی------
مگر یہ پھول چننے والے مانتے ہیں کب
کہ جاگتے ہیں اب بھی صبح دم
الاپتے ہوئے وہی
ترانہ فروغ نوبہار------
میں نے اس کینٹو کو کئی بار پہلے اور اب یہ تعارف لکھتے ہوئے بھی پڑھا۔ اس کے تین

قطعات مل کر ایک Complete Ode بنتے ہیں۔ یہ نعت فکری، جذباتی اور وجدانی ہر سطح پر لازوال عظمت کی حامل ہے اور تینوں دھارے Inspiration ،Emotion ،Thought مل کر اس قصیدہ کو ایک بے مثل روحانی اور جمالیاتی مبداء نشاط جاں بنا دیتے ہیں۔ اگر شعریؔ صاحب اور کچھ نہ لکھتیں صرف یہ Canto لکھ دیتیں تو شاعری میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہتا، جیسے انگریز شاعر Gray کا نام اس کی Elegy سے انگریزی شاعری میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ آخری حصہ حضارت جدید کے لیے ایک پیغام ہے۔ تالیف قلوب اور تسکین شعور کی سطح پر۔ لیکن اس میں یہ بات خاص طور سے Stress کیگئی کہ ان کی ذات تہذیب قدیم کے دلدادہ لوگوں کے لیے کسی آزار، کسی فتنے کا سبب نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اخوت انسانی اور ان کے پیش کردہ نظام کی اساس عدل و احسان کے دو بہم کار فرما اصولوں پر تھی۔ وہ انسانوں کو گروہوں میں بانٹنے نہیں آئے تھے۔ انسانیت کو ایک وحدت بنانے کے لیے آئے تھے۔ ان کی دعوت کی بنیاد یہ نوید تھی کہ لوگو تم ایک ماں باپ آدم اور حوا کی اولاد ہو۔ یوں سب برابر ہو۔ تم میں دوسروں سے افضل وہ ہے جو نیکی، تقویٰ اور انسان دوستی میں دوسروں سے سبقت لے جائے۔ یہ نعتیہ قصیدہ اس عشق کا یگانہ اظہار ہے جس کی تعریف میر صاحب نے یوں کی تھی۔

دور بیٹھا غبار میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

غالب کا نعتیہ کلام

ضیاء احمد بدایونی

لفظ نعت اگرچہ لغت میں تعریف و وصف کردن' کے معنی میں آیا ہے مگر اصطلاحاً" وہ اس کلام (خصوصاً" کلام منظوم) کے لیے مخصوص ہو گیا ہے جس میں حضرت رسول خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و مدحت اور آپ کی ذات قدسی صفات سے اظہار شوق و محبت ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مدح اور اظہار محبت نعت کے خاص اجزائے ترکیبی ہیں۔

یہ درست ہے کہ مدّاحی کو عموماً" اسلام پسند نہیں کرتا۔ خود آں حضرت کا ارشاد ہے کہ لاتطرونی کما اطرف النصاریٰ عیسیٰ بن مریم یعنی مجھے حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ۔ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ بن مریم کو بڑھایا۔ سب جانتے ہیں کہ تعریف کرنے سے عام طور پر مدّاح میں دناءت اور ممدوح میں نخوت پیدا ہوتی ہے۔ تاہم اس کا مقصد یہ نہیں کہ صحیح تعریف' جو جائز حدود کے اندر ہو' وہ بھی ممنوع ہے۔ احادیث و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ نے نعت کے اشعار پڑھے اور حضورؐ نے نہ صرف ان کو روا رکھا' بلکہ ان کی تحسین اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ جب ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے آپ کی ہجو لکھی' تو اس کے جواب میں حضرت حسانؓ بن ثابت نے اپنا مشہور نعتیہ قصیدہ پیش کیا۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے ؎

هجوت محمدا فاجبت عنه   وعند الله فی ذاک الجزاء (۱)

تو آپ نے فرمایا! جزاک علی اللہ الجنۃ تمہاری جزا خدا کے یہاں جنت ہے۔ اور جب یہ شعر پڑھا ؎

فان ابی و والدتی و عرضی   لعرض محمدٍ منکم وقاء (۲)

تو ارشاد ہوا: وقاک اللہ هول المطلع۔ خدا تمہیں قیامت کے ہول سے بچائے۔ رہا آپ سے محبت کرنا تو ظاہر ہے کہ اس کے بغیر ایمان ہی ناقص ہے۔ صحاح میں ہے کہ جو شخص حضورؐ کو اپنے ماں باپ' اولاد اور تمام دنیا سے زیادہ دوست نہ رکھے' وہ مومن ہی نہیں ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس کسی کو دوسرے سے حبّ فی اللہ ہو' تو چاہیے کہ وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار بھی کر دے۔

عرفا کا قول ہے کہ محبت کے محرکات تین ہوتے ہیں: جمال' کمال اور نوال۔ اگر ہم کسی کو دوست رکھتے ہیں تو اس لیے کہ وہ صاحب جمال ہے اور جمال سے متاثر ہونا تقاضائے فطرت ہے' یا با کمال ہے اور کمال کا گرویدہ ہونا اصل آدمیت ہے' یا اس کا ہم پر احسان ہے اور احسان شناسی شان شرافت ہے۔ اب یہ ایک

دارند' تو تنہا داری۔ آپ کے جمال ظاہری کے بارے میں صحابہؓ کرام کی شہادت ہمارے سامنے ہے۔ حضرت ابو ہریرہ۔ فرماتے ہیں: **ماراُیت احسن من النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان الشمس تجری فی وجہہ** یعنی میں نے حضورؐ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کے چہرۂ انور میں آفتاب گردش کر رہا ہے۔ حضرت حسان کہتے ہیں:

خلقت مبرأ من کلّ عیب　　کانک قد خلقت کما تشاء'(۳)

و احسن منک لم ترقط عینی　　و اجمل منک لم تلد النساء'(۴)

صحیحین اور ترمذی میں اسی قسم کی روایات حضرت انسؓ و جابرؓ سے بھی منقول ہیں۔ آپ کے کمالات و فضائل کے متعلق صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ دوست تو دوست' دشمن بھی آپ کو صادق و امین مانتے تھے۔ آج بھی ہزاروں انصاف پسند غیر مسلم آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللّسان ہیں۔ رہا آپ کا بذل و نوال' اس کے ذکر سے احادیث و سیر کے دفتر معمور ہیں۔ سچ پوچھیے تو آپ کی تبلیغ و دعوت اور اپنی امت سے غیر معمولی شفقت آپ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ یہی وجوہ تھے کہ لوگوں نے ہر زمانے اور ہر خطۂ ارض میں نعت گوئی کو اپنے لیے طغرائے امتیاز اور اس نسبت کو اپنے حق میں سرمایۂ ناز جانا۔ اگر عربی' فارسی' ترکی' پشتو' چینی' جاوی' ملایشی' سوڈانی' حبشی زبانوں اور پھر ہمارے برّ صغیر ہندو پاک کی زبانوں اردو' ہندی' دکنی' گجراتی' بنگالی' پنجابی' کشمیری' سندھی وغیرہ کا تمام نعتیہ کلام جمع کیا جائے' تو بیسیوں ضخیم مجلّدات تیار ہو سکتے ہیں۔

غالب کے نعتیہ کلام پر بحث کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نعت کی تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے۔

کسی علم یا فن کی عظمت و اہمیت اس کے موضوع کی عظمت و اہمیت کے تابع ہوتی ہے تو جس فن کا موضوع خود سرورؐ عالم کی ذات بابرکات ہو' اس کی برتری میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ یہ سب مسلّم۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے پہلا نعت گو کون تھا۔ یوں تو تمام صحف سماوی میں اور خصوصاً" قرآن مجید میں آپ کی نعت کے مضامین ملتے ہیں' لیکن ہم یہاں نعت کے اصطلاحی مفہوم سے بحث کر رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ شرف سب سے پہلے عمّ رسول ﷺ ابو طالب کے حصے میں آیا۔ ذیل کے اشعار تذکروں میں ان کی جانب منسوب ہیں:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهہ شمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل
فاصبح فینا احمد فی ارومۃ تقصر عنہ سورۃ المتطاول
فایدہٗ رب العباد بنصرہٖ واظہر دیناً حقہٗ غیر باطل

یعنی آپ ایسے نورانی شکل والے ہیں جن کے چہرے کے وسیلے سے لوگ طلب باراں کرتے ہیں۔ یتیموں کے فریادرس' بیواؤں کے محافظ' احمدؐ ہمارے اندر ایسے درخت کی جڑ سے تعلق رکھتے ہیں جس تک درازدستوں کی دراز دستی پہنچنے سے قاصر ہے۔ پروردگار نے اپنی نصرت سے آپ کی تائید فرمائی اور اس دین کو غالب کیا' جس کی صداقت یقینی ہے۔

اگرچہ اکثر اہل علم ان اشعار کی نسبت پر شبہہ کرتے ہیں' مگر کم از کم پہلے شعر کے استناد میں کوئی کلام نہیں۔ صحیح بخاری کے باب الاستسقاء میں اس کو ابو طالب ہی سے منسوب کیا گیا ہے۔

اصحاب رسول ﷺ میں جن بزرگوں نے نعت نگاری میں نام پایا' ان کی تعداد خاصی ہے مثلاً حضرت ابوبکرؓ' عمرؓ' علیؓ' ابو ہریرہؓ' حسان بن ثابتؓ' ضرار بن الخطابؓ' عبداللہ بن رواحہؓ' عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ' عدی بن حاتم الطائیؓ' عمرو بن معدی کربؓ' کعب بن زہیرؓ' کعب بن مالکؓ' لبید بن ربیعہؓ' خنساءؓ' عاتکہ رضی اللہ عنہم (۵)۔ جگہ کی تنگی اجازت نہیں دیتی کہ ان سب کی نعتوں کے اقتباس پیش کیے جائیں۔ تاہم ان میں سے بعض کا کلام بطور نمونہ نقل کیا جاتا ہے:۔

حسان بن ثابت۔ (۶)

الا ابلغ ابا سفیان عنّی فانت مجوّفٌ نخبٌ ہواءٌ
بان سیوفنا ترکتک عبداً و عبدالدار سادتہا الاماءُ
ہجوت محمداً فاجبت عنہ و عنداللّٰہ فی ذاک الجزاءُ
اتہجوہ ولست لہٗ بکفوءٍ فشرّ کما لخیرکما الفداءُ
ہجوت مبارکاً برّاً حنیفاً امین اللّٰہ شیمتہ الحیاءُ
فمن یہجو رسولَ اللّٰہ منکم ویمدحہ و ینصرہ سواءُ
فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاءُ

ہاں ابوسفیان (۷) کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو کہ تو محض بے عقل' بزدل اور ناکارہ ہے۔ ہماری تلواروں نے تجھے اور قبیلہ عبدالدار کو (جن پر لونڈیاں حکومت کرتی ہیں) غلام بنا چھوڑا۔ تو نے محمدؐ رسول

اللہ کی ہجو کی، جس کا میں ان کی طرف سے جواب دے رہا ہوں اور خدا کے یہاں میری جزا مقرر ہو چکی ہے۔ تو آنحضرتؐ کی کیا ہجو کرتا ہے، جب کہ تو ان کی برابر کا نہیں۔ تو بد ہے اور وہ نیک۔ تجھ کو ان پر سے قربان کر دیا جائے تو روا ہے۔ تو نے ایسی ذات کی برائی کی جو بابرکت۔ نیکو کار راست باز اور خدا کی امین ہے اور جس کا شیوہ شرم و حیا ہے۔ تم میں سے کوئی رسولؐ مقبول کی ہجو و منقصت کرے یا مدح و نصرت، کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ میرے ماں باپ اور خود میری عزت رسولؐ اللہ کی عزت کی حفاظت کی خاطر تمہارے مقابلے میں سپر ہیں۔

ضرار بن الخطاب:

یا نبی الھدیٰ الیک لجاحیۃ ئی قریش ولات حین لجاءِ
حین ضاقت علیھم سعتہ الار ض و عاداہم الہ السماءِ

اے ہدایت کرنے والے نبی! قریش کا قبیلہ آپ سے پناہ کا طالب ہوا (حالانکہ پناہ کا وقت گزر چکا) جب کہ اس پر زمین کی وسعت تنگ ہو گئی اور آسمان کا مالک اس سے انتقام لینے پر آمادہ ہوا۔

کعب بن زہیر: (۸)

انبئت ان رسول اللّٰہ اوعدنی والعفو عند رسول اللّٰہ مامولٗ
فقداتیت رسول اللّٰہ معتزرا" والعزر عند رسول اللّٰہ مقبولٗ
مہلاً" ھلک الذی عطاک نافلۃ القرآن فیھا مواعیظ و تفصیلٗ
لاتا خذنی باقوال الو شاۃ ولم اذنب وان کثرت فی الاقاویلٗ
ان الرسول لنور یستضاء بہ مھندمن سیوف اللّٰہ مسلولٗ

مجھے خبر دی گئی تھی کہ رسول خدا نے مجھے تعزیر کی دھمکی دی ہے مگر مجھ کو آپ کی ذات سے عفو کی امید ہے۔ میں آپ کے یہاں عذر لے کر آیا ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ کے حضور میں عذر قبول کیا جاتا ہے۔ ٹھہریئے، خدا جس نے آپ کو نصیحت و ہدایت والا قرآن عطا کیا ہے آپ کا بھلا کرے۔ آپ سخن چینوں کی باتوں پر میری گرفت نہ فرمایئے۔ اگرچہ کہنے والوں نے میرے خلاف بہت کچھ کہا ہے مگر میں بے قصور ہوں۔ رسول خدا ایسا نور ہیں جس سے سب روشنی حاصل کرتے ہیں اور آپ خدا کی تیغوں میں سے برہنہ تیغ ہندی ہیں۔

کعب بن مالک:

وردناه بنوراللہ یجلو دجی الظلماء عناد الغطاء
رسول اللہ یقدمنا بامر من امر اللہ احکم بالقضاء

ہم بدر کے مقام پر خدا کے اس نور کے ساتھ اترے جو سیاہ رات کی تاریکی کو منور کرتا ہے۔ یعنی رسول اللہ جو خدا کے حکم سے (جس کی استواری تقدیر سے ہو چکی ہے) ہمارے پیش رو ہیں۔

عہد صحابہ کے بعد ہر زمانے میں عربی شعرا نعت لکھتے اور سرکار نبویؐ میں خراج عقیدت پیش کرتے رہے۔ مگر ہم یہاں بخوف طوالت ان کے ذکر اور کلام سے قطع نظر کرتے ہیں۔

عربی کے بعد فارسی اور اردو میں نعت رسولؐ کا معتدبہ ذخیرہ محفوظ ہے۔ ایران و ہند میں اکثر اہل ذوق نے ذکر حبیبؐ کا محبوب مشغلہ اختیار کیا اور ملک و ملت سے قبول عام کا صداقت نامہ لیا۔ متقدمین' متوسطین اور متاخرین میں کم ایسے افراد ہو نگے' جن کا کلام نعت سے خالی ہو۔ البتہ اس امر کا افسوس ہے کہ قدما میں بعض مشہور شعرا مثلا" رودکی۔ فرخی۔ منوچہری۔ انوری۔ ظہیر وغیرہ جن کے قصیدے فارسی ادب کا مایہ ناز سرمایہ ہیں' ان میں سے کسی کے ہاں نعت نبوی میں دو شعر بھی نہیں ملتے۔

یوں تو دواوین یا مثنویات میں تبرکا" یا رسما" چند شعر اکثر شعرا کے یہاں مل جاتے ہیں' مگر صرف اتنی کوشش کسی شخص کو نامور نعت نگاروں کی صف میں جگہ پانے کا مستحق قرار نہیں دے سکتی۔ ایسے فارسی مشاہیر جنہوں نے نعت گوئی کو حاصل حیات جانا اور جنہیں زمانے نے کامل فن مانا' ان کی تعداد بھی خاصی ہے اور ان کی تخلیقات بھی کیت اور کیفیت' دونوں لحاظ سے قابل قدر ہیں۔ ان میں سب سے پہلے ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی غزنوی (ف ۵۴۵ھ) کا نام آتا ہے۔ فارسی شعرا میں تین صوفی شاعر سب سے زیادہ بلند رتبہ گذرے ہیں سنائی اور عطار اور رومی۔ خود رومی فرماتے ہیں:

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پے سنائی و عطار آمدیم

سنائی سے ایک ضخیم دیوان (جو قصائد۔ غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے) اور سات مثنویاں' جن میں حدیقۃ الحقیقۃ زیادہ مشہور ہے' یادگار ہیں۔ انہوں نے توحید و زہدیات سے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ نعت بھی خوب ہے۔ فرماتے ہیں:

اے سنائی! گرہمی جوئی زلطف حق سنا عقل را قربان کن، اندر بارگاہ مصطفےٰ

آگے چل کر کہتے ہیں کہ رسولِ پاک کے ہوتے ہوئے ظاہری عقل کی پیروی ایسی ہی ہے جیسے سورج کی موجودگی میں کوئی سُہا کا نام لے۔ نبوت کے شفاخانے میں جاؤ، تو نہار منہ جاؤ (یعنی فلسفہ کی غذا کھائے بغیر) کیونکہ نبض کی صحیح تشخیص نہار منہ ہی کی جاتی ہے۔

اسی عہد کے ایک دوسرے نامور شاعر سید حسن غزنوی ہیں (ف ۵۵۶ھ تقریباً")۔ موصوف کا ترجیع بند جو انہوں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر مواجہہ شریف میں پڑھا، اپنے اندر ذوق و شوق کی ایک دنیا رکھتا ہے۔ اس کا مطلع ہے:

یارب! ایں مائیم وایں صدر رفیع مصطفےٰ ست یارب! ایں مائیم و ایں فرق عزیز مجتبےٰ ست

اس کی بیت عقیدت کی دلیل اور مقبولیت کی سند ہے۔

سلّموا یا قوم بل صلّوا علی الصدر الامین مصطفیٰ ماجاء الاّ رحمۃً للّعالمین

خاقانی شروانی (ف ۵۹۵ھ) کو نعت نگاروں میں جو بلند مقام حاصل ہے، اس سے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ناقدین کا فیصلہ ہے کہ عرب میں حسان بن ثابت، ایران میں خاقانی شروانی اور ہندستان میں محسن کاکوروی کے پایے کا نعت گو پیدا نہیں ہوا۔ اسی لیے خاقانی کو حسان العجم، اور محسن کو حسان الہند کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ خاقانی نے نعت میں متعدد طویل الذیل قصائد اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ اس کے ہاں خیالات کی تلاش، عقیدت کا جوش، تراکیب کی ندرت، اور بیان کا زور لاجواب ہے۔ اس کے وہ نعتیہ قصائد جو حبسیات میں شامل ہیں، یا وہ جو اس نے روضۂ مقدسہ پر حاضر ہو کر پیش کیے تھے، تعریف کے مستغنی ہیں۔ خوف طوالت سے ہم یہاں اس کا کوئی پورا قصیدہ نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ تاہم اس موقع کے چند اشعار جب کہ وہ مدینۂ طیبہ سے بالینِ مزار اقدس کی خاک بطور ارمغان لے کر آیا ہے۔ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ خیال کی لطافت اور تشبیہات و استعارات کی بداعت کے ساتھ جوش عقیدت کی فراوانی، غرض کون کونسی چیز کی تعریف کی جائے۔ ایک ایک خوبی پر روح وجد کرنے لگتی ہے۔

صبح دارم کآفتابے درنہان آوردہ ام آں تنم کز دم عیسیٰ نشان آوردہ ام

میسیم کزبیت معمور آمدہ وزخوان خلد خوردہ قوت و زلّۂ اخواں زخوان آوردہ ام

ہیں، صلائے خشک بے پیران تردامن کہ من ہر دو قرص گرم و سرد آسمان آوردہ ام

طفل ذی مکتب بردناں، من زکتب آمدہ بہر پیران زآفتاب و مہ دوناں آوردہ ام

گرچہ عیسیٰ وار زینجا بار سوزن بردہ ام گنج قاروں بین کز آنجا سوزیان آوردہ ام

آگے چل کر کہتا ہے کہ میں حرم نبوی میں حاضر ہوا۔ میزبان (رسولؐ خدا) حجرۂ خاص میں آرام فرما ہیں اور باہر فیض عام کا دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ اب پاسبان (۹) کی اور اپنی روداد سناتا ہے:

دوست خفتہ در شبستان است و دولت پاسباں من بچشم و سر سجود پاسباں آوردہ ام

پاسباں گفتا: "چہ داری نورہاں؟" گفتم: "شما کان زر دارید، ومن جاں نور ہاں آوردہ ام"

پاسبان نے پوچھا تھا کہ اس دربار میں آئے ہو تو کوئی تحفہ بھی لائے ہو۔ خاقانی کہتا ہے کہ کان زر (ذات نبوی) تو یہاں ہے۔ میرے پاس کیا تھا جو تحفہ میں پیش کرتا۔ البتہ جان حاضر ہے۔

نئی نئی تراکیب اور نادر نادر استعاروں کے بعد صاف صاف بتاتا ہے:

یعنی امسال سر بالین پاک مصطفیؐ خاک مشک آلودہ بہر حرز جاں آوردہ ام

اس خاک پاک کی قیمت بھی سن لیجیے:

کیست خاقانی کہ گویم خوں بہائے جان اوست خوں بہائے جان صد خاقاں و خاں آوردہ ام

پھر کھل کر کہتا ہے کہ میں نے یونہی کہہ دیا تھا: میں تو کسی قیمت پر بھی اسے دینے کو تیار نہیں ہوں:

وقف بازوئے من است ایں حرز نفروشم بکس گرچہ اول نام دادن برزباں آوردہ ام

نظامی گنجوی (ف ۵۹۹ھ) کی نعتیں بھی، جو ان کے خمسہ میں پائی جاتی ہیں، فارسی زبان کے شاہکاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ مولانا ایک واجب الاحترام صوفی اور ایک نامور معلم اخلاق ہیں۔ ان کی اخلاقی، عشقیہ، تمثیلیہ اور رزمیہ مثنویاں ادبیات عالیہ میں محسوب ہیں، اور اکابر شعرا نے ان کی تقلید کی کوشش کی ہے۔ ان مثنویات میں جہاں نعت کا موقع آیا ہے، مولانا نے خوب خوب داد سخن دی ہے۔ مخزن الاسرار میں کہتے ہیں:

اے مدنی برقع و مکّی نقاب سایہ نشیں چند بود آفتاب

گر مہی، از مہر تو موئے بیار ور گلی، از باغ تو بوئے بیار

مختصراں رالبلب آمد نفس اے زتو فریاد' بفریاد رس
پانصد و ہفتاد نہ بس بود خواب روز بلند است' مجلس شتاب

کہتے ہیں سرکار! بہت آرام فرما چکے۔ ۵۷۰ سال تھوڑے نہیں ہوتے۔ دن چڑھ گیا ہے۔ اب مجلس میں تشریف لائیے اور امت کے حال پر نظر فرمایئے۔

دشمنان اسلام کی جفاکاری اور ملت کی ناچاری کا نقشہ ایسے مؤثر انداز میں کھینچا ہے کہ ممکن نہیں کوئی پڑھے اور اس پر اثر نہ ہو۔

عطّار' رومی' سعدی اور خسروؔ نے بھی نعت لکھی ہے اور خوب لکھی ہے مگر وہ بات نہیں' جو خاقانی یا نظامی کے یہاں ہے۔ یہاں تک کہ مولانا جامی کا عہد (۸۱۷ ـ ۸۹۸ ھ) آجاتا ہے۔ وہ ایک تبحّر عالم' ممتاز صوفی اور نامور شاعر تھے۔ بعض متشرقین کا تو یہ خیال ہے کہ ان کے بعد خاک ایران سے کوئی بڑا شاعر اٹھا ہی نہیں۔ ان کے کلام اور خاص کر مثنویات میں نعت رسول کی بہت پاکیزہ اور نفیس مثالیں ملتی ہیں۔ خصوصاً یوسف زلیخا ذات اقدس سے ان کا خطاب جوش واثر میں جواب نہیں رکھتا:

زمہجوری برآمد جان عالم ترحّم یا نبی اللہ! ترحّم
نہ آخر رحمتہ للعالمینی زمحروماں چرا غافل نشینی؟

اسی طرح تحفتہ الاحرار میں ان کا استغاثہ بیحد مؤثر اور دردانگیز ہے:

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

متاخرین شعرائے فارسی میں بھی بڑے بڑے اہل کمال گذرے' جن میں سے بعض کو نعت گوئی میں یدطولیٰ حاصل تھا ان میں فیضی اور عرفی کو جو مرتبہ حاصل ہے' وہ دوسرے معاصرین کو نہیں۔

فارسی شاعری کے آخری دور میں دو عالی رتبہ شاعر پیدا ہوئے' جنہوں نے نعت میں بھی بیش بہا سرمایہ چھوڑا ہے یعنی قاآنی اور غالب۔ قاآنی (۱۲۰۰۔ ۱۲۷۰ھ) قصیدے کا استاد اور زبان کا بادشاہ ہے۔ اس کی نعت کا زور دیکھنا ہو تو اشعار ذیل ملاحظہ ہوں:

شاہے کہ بر سر است ز لولاک افسرش تشریف کبریات زدا دار دربرش

اقبال و بخت شاطر میدان رفرفش خورشید و ماہ خادم شبنیز و شبرش

شام ابد جنیبۂ موے مجعدش صبح ازل طلیعۂ روے منورش

شب چہرہ سیاہ بلال مؤذنش مہ غرۂ جبین براق تکاورش

تابر سر خطایم وخط عطا کشند سوگندمی دہم بخداوند تیرش

مرزا غالب قاآنی کے معاصر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب قاآنی کا کلام ہندوستان پہنچا اور غالب کی نظر سے گذرا' تو انہوں نے ارادہ کر لیا کہ میں آیندہ یہی رنگ اختیار کرونگا' مگر عمر نے مہلت نہ دی۔ سچ پوچھیے تو خدا کو کچھ اچھا کرنا تھا' ورنہ غالب کی انفرادیت مجروح ہو گئی ہوتی اور ان کی شاعری نری لفاظی کی نذر ہو جاتی۔ اردو میں غالب کا نعتیہ کلام نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ فارسی میں جو نعتیں انہوں نے لکھی ہیں' وہ ایک طرف ان کی استادی کی برہان اور دوسری طرف عقیدتمندی کی جان ہیں۔ فارسی زبان پر ان کی غیر معمولی قدرت اور شاعری میں ان کی فوق العادہ صلاحیت کا ناقدان سخن اور ارباب فن نے ہمیشہ اعتراف کیا ہے۔ ان کے ہم عہد اور زمانہ مابعد کے تذکروں اور نیز آج تک (۱۰) کے انتقادی سرمایے پر نظر ڈال جائیے جس سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اس حیرت انگیز قدرت اور صلاحیت کے اسباب کیا تھے؟

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ قدرت کی طرف سے شعر و ادب کا ایک غیر معمولی ملکہ لے کر آئے تھے جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خداے بخشندہ

خود انہوں نے اپنے اس ملکہ کا کئی موقعوں پر فخریہ ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

سخن آفرینی خداے گیتی آراے راستایم کہ تاتہاں خانۂ ضمیرم را از فراوانی رنگا رنگ معنی بہ لعل و گہر انباشت' بازویم را تر ازوے مرجاں سنجی و خامہ ام را ہنگامۂ گہرپاشی ارزانی داشت۔ ان کی نظم و نثر فارسی و اردو میں اس قسم کے فخریہ مضامین بکثرت ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فخر بیجا تھا۔ دوسرے انہیں خوبی قسمت سے اوائل عمر ہی میں ہرمزد (عبد الصمد) جیسا باکمال استاد مل گیا۔ مولانا حالی کا بیان (۱۱) ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ عبد الصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اس سے کم و بیش فارسی زبان سیکھی تھی چنانچہ مرزا نے جابجا اس کے تلمذ پر اپنی تحریروں میں فخر کیا ہے۔" خود عبد الصمد کو بھی اپنے نادر

عصر شاگرد پر ناز تھا۔ جیسا کہ اس نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا: (۱۲) "اے عزیز، چہ کسی کہ باایں ہمہ آزاد یساگاہ گاہ بخاطرمی گذری۔"

اس کے علاوہ وہ اساتذۂ فارسی کی نظم و نثر کو ہمیشہ مطالعے میں رکھتے تھے اور انہیں اساتذہ مذکورہ کی تخلیقات سے کامل ممارست اور ان کے اسالیب سے پوری مناسبت ہو گئی تھی۔ ان کے زمانے میں فارسی زبان عموماً معیار لیاقت اور نشان شرافت سمجھی جاتی تھی۔ تاہم اس عہد میں بھی کم لوگ تھے جو ان کی برابر زبان کے نکات پر نظر رکھتے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زبان کے معاملے میں خود کو بھی مجتہد نہیں، بلکہ مقلد مانتے اور اہل ہند کی فارسی پر چیں بجبیں ہوتے تھے۔ ملّا غیاث الدین رامپوری، محمد حسین دکنی، قتیل فرید آبادی، واقف بٹالوی وامثالہم پر مرزا غالب کے ایرادات کی یہی بنیاد ہے۔

ایک خاص چیز جس نے ان کی فنکارانہ خصوصیات کو آگے بڑھایا اور ان کے جوہر کمال کو چمکایا۔ وہ اس زمانے کی دلّی کا علمی و ادبی ماحول (۱۳) تھا۔ جس کا مرزا نے بڑی فراخدلی سے اعتراف کیا ہے:

اے کہ راندی سخن از نکتہ سرایان عجم   چہ بمامنت بسیار نہی از کم شاں
ہندرا خوش نفسانند سخنور کہ بود   باد در خلوت شاں مشک فشاں ازدم شاں
مومن و نیّر و صہبائی و علوی و آنگاہ   حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شاں
غالب سوختہ جاں گرچہ نیرز د بشمار   ہست دربزم سخن ہم نفس و ہمدم شاں

یہ سپہر سخن کے ستارے جب کسی بزم میں مل بیٹھتے ہونگے تو بقول شخصے آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔" ان میں (ایک آدھ کو چھوڑ کر) سب کے سب مرزا کے ادبی مرتبے کے معترف تھے۔ تاہم ان ناقدین فن کی وجہ سے انہیں اپنے فن کو بار بار جانچنے اور سنوارنے کا کافی موقع ملا۔ غالب نے جو کہا تھا:

غالب بفن گفتگو، نازد بدیں ارزش کہ او   ننوشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

تو یہ محض شاعری ہی نہ تھی۔

یہ سب حقائق اپنی جگہ مسلّم، لیکن جن اوصاف نے غالب کو علیٰ کلّ غالب بنا دیا وہ ان کی تقلید سے نفرت، مجتہدانہ رنگ طبیعت، غیر معمولی قوت متخیلہ، اور حیرت انگیز قوت آخذہ تھی۔ چونکہ اس موضوع پر کافی لکھا جا چکا ہے، اس لیے ہم تفصیل سے قطع نظر کرتے ہیں۔

جیسا کہ غالب نے خود کہا ہے (۱۴) انہوں نے اول اردو زبان میں شعر کہنا شروع کیا تھا، فارسی کی طرف وہ بعد کو مائل ہوئے۔ تاہم اردو کا سلسلہ بھی آخر تک چلتا رہا۔ ان کی ابتدائی اردو اور فارسی غزلوں میں

رنگ بیدلؔ نمایاں ہے۔ دس گیارہ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ نہ مزاج میں غیر معمولی پرواز' نہ بازوؤں میں طاقت پرواز' نہ کوئی حوصلہ بڑھانے والا' نہ صلاح دینے والا' تاہم ان کی نظر کی داد دیجیے کہ انھوں نے اپنے لئے جو نمونہ منتخب کیا' وہ بیدلؔ کا تھا۔

متاخرین شعرائے فارسی کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شبلی نے چند امور پر خاص زور دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان آکر فارسی شاعری نے ایک خاص جدّت اختیار کی۔ یہ جدّت "تازہ گوئی" ہے۔ جس کے بارے میں عبد الباقی رقمطراز ہے:

مستعدان و شعر سنجان ایں زماں را اعتقاد آن ست کہ تازہ گوئی کہ دریں زماں درمیانۂ شعرا مستحسن است و شیخ فیضی و مولانا عرفی شیرازی وغیرہ بہ آں روش حرف زدہ اند' بہ اشارہ و تعلیم ایشاں (حکیم ابوالفتح) بود"

عرفی سے متعلق اس کا بیان ہے کہ "مخترع طرز تازہ ایست کہ الحال مستعدان و اہل زبان و سخن سنجان تتبع اوی نمایند۔"

یہ طرز جس کی خصوصیات جدّت ادا' نازک خیالی' مضمون آفرینی' لطافت استعارات اور زور کلام ہیں ہندوستان میں خوب پھلا پھولا۔ اور واقع یہ ہے کہ یہاں کے سلاطین و امرائے جو شعر کے نکتہ سنج اور شعرا کے قدر دان تھے' ان کی ترقی میں خاصی مدد دی۔ آگے چل کر مولانا کہتے ہیں کہ مضمون آفرینی میں طرز خاص جلال اسیر۔ شوکت بخاری' قاسم دیوانہ کا کارنامہ ہے اور "بیدل اور ناصر علی وغیرہ اسی گرداب کے تیراک ہیں۔" (شعر العجم)

اوپر کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مولانائے موصوف بیدل کی شاعری کے قائل نہ تھے اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ بیدل کے یہاں اس قدر اشکال و اغلاق ہے کہ کلام کا بڑا حصہ معمّا بن کر رہ گیا ہے۔ ان کی غزل میں (اور غزل ہی اس عہد کی سب سے مقبول صنف ہے) اور دوسرے اصناف میں تصوف اور فلسفے کے مسائل بڑی نزاکت اور بداعت کے ساتھ نظر آتے ہیں' وہ حقائق کائنات' خصوصاً" خودی' زمان و مکان' تجدّد امثال' دنیا' عقبیٰ حشر' تجرید و تفرید پر ایسے نئے نئے پیرایوں میں بحث کرتے ہیں کہ قاری دنگ رہ جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ بیان کی ندرت' استعارات کی رنگا رنگی' جدید تراکیب کی لطافت' بحور کا ترنّم ان کے یہاں بدرجۂ کمال ملتا ہے' جس کی مثال دوسروں کے کلام میں کمیاب ہے۔

غالب کی مشکل پسند اور نادرہ کار طبیعت نے اسی رنگ کو شروع شروع میں پسند کیا۔ چنانچہ انکے ابتدائی کلام میں بیدل کا تتبع نمایاں ہے۔ انھوں نے متعدد جگہ بیدل کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مثلاً"

اسدا ہرجا سخن میں طرح باغ تازہ ڈالی ہے	مجھے رنگ بہار ایجادی بیدل پسند آیا

گر ملے حضرت بیدل کا خط لوح مزار	اسد آئینہ پرداز معانی مانگے

مطرب دل نے مرے تار نفس سے، غالبا	ساز پر رشتہ پے نغمہ بیدل باندھا

دل کار گہ فکرو اسد بینوائے دل	یاں سنگ آستانہ بیدل ہے آئینہ

لیکن چند سال بعد ہی وہ اس رنگ سے دست بردار ہو گئے۔ تاہم شروع کی فارسی اور اردو غزلیات میں ایسے اشعار کی خاصی تعداد ملتی ہے۔ جیسے:

بشغل انتظار مہوشاں در خلوت شبہا	سر تار نظر شد رشتہ تسبیح کو کبہا

کند گر فکر تعمیر خرابی ہائے ما گردوں	نیاید خشت مثل استخواں بیروں ز قالبہا

چناں گرم است بزم از جلوۂ ساقی کہ پنداری	گداز جوہر نظارہ درجام است مستاں را

ز لکنت می تپد نبض لب لعل گہر بارش	شہید انتظار جلوہ خویش است گفتارش

بساطے نیست بزم عشرت قربانی مارا	مگر یا فند از تار دم ساطور قصابش

زنار شمع نیز آہنگ ذوق نازی بالد	بشرط آنکہ سازی از پر پروانہ مضرابش

رفتیم از کار و ہماں در فکر صحرا گردیم	جوہر آئینہ زانوست خار پاے من

اس ضمن میں اردو کے یہ چند شعر ملاحظہ ہوں:

جنوں گرم انتظار و نالہ بے تابی کمند آیا	سویدا تالب زنجیر سے درد چپند آیا

فضائے خندہ گل تنگ و ذوق عیش بے پروا	فراغت گاہ آغوش وداع دل پسند آیا

مگر ہو مانع دامن کشی ذوق خود آرائی	ہوا ہے نقش بند آئینہ سنگ مزار اپنا

رنگ نے گل سے دم عرض پریشانی بزم	برگ گل ریزۂ مینا کی نشانی مانگے

وحشت شور تماشا ہے کہ جوں نکہت گل	نمک زخم جگر بال فشانی مانگے

شبنم آسا کو، مہل سبحہ گردانی مجھے	ہے شعاع مہر زنار سلیمانی مجھے

بلبل تصویر ہوں جتاب انکار تپش	جنبش فال قلم جوش پریشانی مجھے

لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا' آخر ان کے ذوق سلیم نے اس طرز سے لیا کیا۔ (۱۵) وہ ایک خط میں لکھتے ہیں: (۱۶)

قبلہ ابتدائے فکر سخن میں بیدل و اسیر و شوکت کی طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع تھا۔

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا اسد اللہ خاں قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔
آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا۔ اوراق یکقلم چاک کیے۔
دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دیے۔"

دوسرے خط میں تحریر کرتے ہیں۔(۱۷)

ناصر علی اور بیدل اور غنیمت، ان کی فارسی کیا۔ ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔

کلیات فارسی کے خاتمے پر صاف صاف فرماتے ہیں:(۱۸)

ہر چند منش کہ یزدانی سروش است، در سر آغاز نیز پسندیدہ گوے و گزیدہ جوے بود۔ اما بیشتر از فراخ روی بے جادہ ناشناساں برداشتے و کشی رفتار آناں را لغزش مستانہ انگاشتے۔ تا ہمدراں تکاپو پیش خراماں را بجستگی ارزش ہمقدمی کہ در من یا فتند مہر بجنبید، و دل از آزرم بدرد آمد۔ اندوہ آوارگیہاے من خورد و دلد آموزگارانہ در من نگریستند۔ شیخ علی حزیں بہ خندۂ زیر لبی بیراہ روی ہاے مرا در نظرم جلوہ گر ساخت و زہر نگاہ طالب آملی و برق چشم عرفی مادۂ آں ہرزہ جنبش ہاے نارواد رپاے رہ پیماے من بسوخت۔ ظہوری بہ سرگرمی گیرائی نفس حرزے بہ بازو و توشہ بر کمرم بست۔ و نظیری لاابالی خرام بہنجار خاصۂ خودم بہ چالش آورد۔(۱۹)

یوں تو مرزا غالب نے جو کچھ بھی لکھا ہے اس پر ان کی پرواز تخیل اور ندرت بیان کی چھاپ ہے۔
لیکن بقول حالی ان کو چند موضوعات سے خاص مناسبت تھی۔ یعنی تصوف، حب اہل بیت، فخر، شوخی و ظرافت، رندی و بیباکی، بیان رنج و مصیبت، شکایت و زارنالی، اظہار محبت و ہمدردی، حسن طلب۔ ہم ان پر نعت و حب رسولؐ کا اضافہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں (۲۰) کیونکہ انہوں نے مثنوی و قصیدہ و غزل کی شکل میں اس موضوع پر جو لکھا ہے، وہ یقیناً" ان کے سچے جوش طبیعت کا آئینہ ہے۔ مرزا نے سلاطین و امرا کی مدح میں بڑی بڑی نکتہ سنجیاں کی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ ان میں نعت کا سا سچا جذبہ اور خلوص کہاں! ان کا نعتیہ کلام حسن عقیدت اور جدت تخیل کے امتزاج کا نہایت پاکیزہ اور لطیف نمونہ کہے جانے کا مستحق ہے۔

سب سے پہلے مثنویات کو لیجیے ان میں مثنوی ششم کا عنوان ہے "بیان نموداری شان نبوت و ولایت که در حقیقت پرتو نور الانوار حضرت الوہیت است" ہوا یہ کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویت الایمان میں لکھ دیا:

اس شہنشاہ کی تو شان یہ ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کُن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتے، جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے اور ایک دم میں سارا عالم عرش سے فرش تک الٹ پلٹ کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کر دے کہ اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے۔

اس پر دوسرے خیال کے علماء خصوصاً" مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا فضل رسول بدایوانی نہایت برافروختہ ہوئے اور بحث و مناظرہ کا دروازہ کھل گیا۔ آخر الذکر حضرات کی دلیل یہ تھی کہ آں حضرت ﷺ کا مثل پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ خاتم النبیّین ہیں اور عقلاً" خاتم صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کا مثل ممتنع بالذات ہے یعنی یہ قدرت الٰہی میں آتا ہی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں جس طرح حق تعالیٰ کا اپنا مثل پیدا کرنا' یا اپنے آپ کو فنا کر دینا ذاتی طور پر 'ممتنع ہے' یہ بھی ممتنع ہے۔ ظاہر ہے کہ عقل دو خاتموں کے وجود کا تصور ہی نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ اس سے معاذ اللہ امکان کذب الٰہی لازم آتا ہے جو خود محال ہے۔ ان کے برخلاف مولوی محمد اسمٰعیل کہتے تھے کہ خاتم النبیّین کا مثل ممتنع بالغیر ہے۔ مراد یہ ہے کہ تحت قدرت تو ہے 'مگر چونکہ آپ کی خاتمیت کے منافی ہے' اس لیے آپ کا مثل پیدا نہیں ہوگا' یا نہیں ہو سکتا۔

چونکہ مولانا فضل حق سے غالب کے دوستانہ تعلقات تھے۔ انہوں نے فرمائش کی کہ ایک مثنوی لکھو جس میں ندا' استمداد' تبرک بہ آثار صالحین' عرس' فاتحہ وغیرہ کے جواز کے ساتھ عقیدہ امتناع نظیر (۲۱) پر خاص زور دیا جائے۔ غالب ایک دوست کی فرمائش کیونکر ٹال سکتے تھے۔ چنانچہ یہ مثنوی وجود میں آئی۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

ندا ۔ "یا محمد" جاں فزاید گفتنش — "یا علی" مشکل کشاید گفتنش

استمداد ۔ چوں اعانت خواہی ازیزدان پاک — "یامعین الدین" اگر گوئی چہ باک

محفل میلاد۔ در سخن در مولد پیغمبرؐ است — بزمگاہ دلکش و جاں پرور است

آثار شریف ۔ تہمت موے مبارک جانفزاست — بارگ جانش ہمی پیوند ہاست

ہر کرا دل ہست و ایمان نیز ہم — چوں نہ ورزد عشق بانقش قدم

کے شنید دردل آں بدگہر کش دلے از سنگ باشد سخت تر

عرس وغیرہ۔ عرس وایں شمع و چراغ افروختن بود در مجمرہ آتش سوختن

کز پے ترویح روح اولیات در حقیقت آں ہم از سر غفلت

غرض ان مسائل کے بعد اصل مسئلے پر آتے ہیں۔

ویں کہ می گوئی توانا کردگار چوں محمدؐ دیگرے آرد بکار

باخداوند دو گیتی آفریں ممتنع نبود ظہورے ایں چنیں

نغز گفتی، نغز تر باید شگفت آنکہ پنداری کہ ہست اندر نہفت

گرچہ فخر دودہ آدم بود ہم بقدر خاتمیت کم بود

قدرت حق بیش ازیں ہم بودہ است ہرچہ اندیشی کم از کم بودہ است

لیک دریک عالم ازروے یقیں خود نمی گنجد دو ختم المرسلیں

یک جہاں تاہست، یک خاتم بس است قدرت حق را نہ یک عالم بست است

خاتم النبیینؐ کی یکتائی کا اقرار کرتے ہوئے انہوں نے ایک دوسرا پہلو اختیار کیا، اور بتایا کہ اگرچہ خاتمیت دوئی کی متحمل نہیں، تاہم خدا چاہے تو اس پر قادر ہے کہ بہت سے عالم پیدا کردے اور ہر عالم کا ایک جدا خاتم ہو۔ اس طرح انہوں نے اپنے نزدیک دونوں فریقوں میں مفاہمت کی کوشش کی۔

خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے ہم بود ہر عالمے را خاتمے

ہر کجا ہنگامہ عالم بود رحمۃ للعالمینے ہم بود

لیکن مولانا فضل حق اس مفاہمت پر راضی نہ ہوئے، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اس سے بھی خاتم کی یکتائی کے عقیدے پر زد پڑتی ہے۔ آخر غالب نے نہایت خوبصورتی سے یہ دکھایا کہ خاتم النبیینؐ یا ختم المرسلین میں الف لام استغراق کا فائدہ دیتا ہے اور تمام انبیا و مرسلینؑ پر (وہ جس عالم میں بھی ہوں) اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ نیز آنحضرتؐ کی اولیت جو دونوں فریق کو مسلّم ہے، عقلاً" انقسام پذیر نہیں ہو سکتی۔ اسی کے ساتھ یہ جو کچھ حق تعالیٰ نے کیا، اپنے اختیار سے کیا۔ اس میں معاذ اللہ مجبوری کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اس لیے ذات نبوی

منفرد اندر کمال ذاتی است لاجرم مثلش محال ذاتی است

چونکہ اس مثنوی میں فقہی اور کلامی مباحث آگئے ہیں، جن کا آنا ناگزیر تھا۔ اس لیے اس میں قدرۃ شعریت کی کمی ہے، اور نعت کا اسلوب ہلکا۔

اس کے برخلاف مثنوی یازدہم جس کا نام ابر گہربار ہے، ان کی تمام مثنویوں میں امتیازی درجہ رکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اول ان کا ارادہ اس مثنوی میں غزوات نبوی بیان کرنے کا تھا، مگر زمانے نے فرصت نہ دی اور مثنوی ناتمام رہی۔ اب یہ توحید، مناجات، نعت بیان معراج، منقبت کے عنوانات پر مشتمل ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے، اس میں تخیل کی بداعت اور بیان کی لطافت ذروہ کمال تک پہنچ گئی ہے۔

توحید میں وحدت کی ترانہ سنجی اور مناجات میں حق سبحانہ سے رندانہ شوخی کے بعد وہ نعت اور بیان معراج کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور بڑے نفیس و نادر پیرایے اختیار کیے ہیں۔ ہم ان میں سے دو عنوانات سے یہاں بحث کریں گے۔ اول تمہیدا" قلم سے خطاب ہے، جس کا پیرایہ شاعرانہ تخیل کا بڑا دلکش نمونہ ہے۔ پھر نعت شروع کرتے ہیں:

محمدؐ کز آینہ روے دوست جز نیش ندانست دانا کہ اوست

یعنی رسول مقبولؐ کی یہ شان ہے کہ آپ کی ذات کے بارے میں جو حق تعالیٰ کا مظہر اتم و اکمل ہے، عارفوں نے زیادہ سے زیادہ بس اس قدر جانا کہ آپ ہیں، مگر آپ کی حقیقت کیا ہے، یہ کوئی نہ جان سکا۔

زراز نہاں پردہ برزدہ زذات خدا معجزے سرزدہ

آپ ہی نے راز وحدت کا پردہ اٹھایا۔ دراصل آپ کی ذات ایک معجزہ تھی جو خود خدا سے صادر ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ شق القمر، نطق حجر، مشی شجر اور بہت سے معجزے آپؐ سے سرزد ہوئے، مگر آپ خود ایک معجزہ تھے، جو حضرت حق سے سرزد ہوا۔ اسی لیے مولانائے روم نے فرمایا:

دردل ہر کس کہ از ایماں مزہ ست روے و آواز پیمبر معجزہ ست

مشہور ہے کہ کسی صحبت میں جہاں علامہ اقبال بھی تشریف رکھتے تھے صفات باری پر بحث ہو رہی تھی۔

معراج ۲۷ رجب ۱۲ بعثت نبوی کو ہوئی تھی۔ **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا**۔ اور تاریخ مذکور کو آسمان پر چاند نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمارے شعرائے اس "نورانی" رات کے تاریک ہونے کی بڑی نادر توجیہیں کی ہیں۔ مرزا غالب کا شبدیز قلم بھی اس تگ و دو میں کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ فرماتے ہیں:

ہمانا در اندیشۂ روزگار شے بود سرجوش لیل و نہار

شے دیدہ روشن کن دل فروز زاجزاے خود سرمۂ چشم روز

وہ رات دیدہ و دل کو روشن کرنے والی تھی۔ اس لیے اگر اس کو دن کی آنکھوں کا سرمہ کہا جائے تو بیجا نہیں۔ آگے چل کر کہتے ہیں کہ وہ رات عید کی برکات کی فہرست تھی، جس پر اس قدر مدیں کھنچی تھیں کہ سفیدی نظر سے چھپ گئی تھی۔ ایسی راتیں ہر روز نہیں آتیں۔ ایک ہی دن تھا جس کو قسمت سے یہ رات ملی تھی۔ جب دن ڈوب گیا تو لیلائے شب نے رسم عرب کے مطابق اپنا محمل سجایا۔ سیاہ ریشمی برقع سے اس کا چہرہ یوں جلوہ گر تھا، جیسے پتلی سے نور نظر۔ وہ ایک ماہوش دلبر تھی جس کے زیوروں میں آفتاب کی حیثیت محض ایک گوہر کی تھی۔ اگر زیور میں سے ایک گوہر کم ہو جائے تو اس سے اس دلبر کے حسن میں کیا فرق آئے۔ اس کی تابش کا یہ حال تھا کہ عجب نہ تھا کہ چشم کور اہل قبور کا حال دیکھ لے، یا مخلوق خط سرنوشت پڑھ لے، اس روز سے اگر رخسار کی تشبیہ شب سے دینے کا دستور پڑ جاتا تو بعید نہ تھا (غرض اسی طرح ۲۹ اشعار میں نئی نئی تشبیہات اور توجیہات پیش کرتے چلے گئے ہیں) یہی کیفیت تھی کہ پیش گاہ ایزدی سے حضرت جبریل حاضر ہوئے اور معراج کی نوید لائے۔

شعرا کا دستور ہے کہ جب شوخی پر آتے ہیں تو انبیا اور ملائکہ جیسی مقدس ہستیوں پر بھی طعن کر جاتے ہیں۔ غالب بھی مستثنیات میں نہیں، لیکن یہ ادب کا محل تھا۔ کہتے ہیں:

جب لوگوں نے علامہ سے رجوع کیا، تو آپ نے کہا کہ خدا کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے محمدؐ سا عظیم انسان پیدا کر دیا۔

تمنائے دیرینہ کردگار بوے ایزداز خویش امیدوار

خیال نازک بھی ہے اور مزلۃ الاقدام بھی۔ تشریح نگار کو ڈر ہے کہ مبادا قدم پھسلے اور وہ سوء ادب کی دلدل میں جا گرے۔ بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول پاک کی ذات خالق کی دیرینہ آرزو تھی۔ گویا اس کو اپنی ذات سے جو امیدیں وابستہ تھیں۔ ان کا تحقق آنحضرت کے وجود سے عمل میں آیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ جس طرح حسن آئینہ جو، اور تماشا طلب ہوتا ہے، حسن مطلق بھی اپنی جلوہ گری کی دید کے واسطے ایک آئینے کا مقتضی تھا اور وہ "روشن آئینہ ایزدی" ذات محمدیؐ کے سوا اور نہیں۔ ہماری ناقص رائے میں یہ نادر تخیل اس انوکھے اسلوب کے ساتھ دوسرے شعرا کے یہاں ملنا مشکل ہے۔

تن از نور پالودہ سرچشمۂ ولے ہچو مہتاب در چشمۂ

تن اطہر نور کا مصفّا سرچشمہ ہے، جس کی مثال چاند کے عکس کی ہے جو چشمے میں نظر آئے یعنی اس عالم کثیف میں رہتے ہوئے بھی کثافتوں سے دور اور لطافتوں سے معمور، جیسے چاند پانی میں رہ کر پانی سے تر نہیں ہوتا۔

بود در دنیا و از دنیا نبود

اس کے بعد فرماتے ہیں:

بہ رفتار صحرا گلستاں کنے
بہ گفتار کافر مسلماں کنے

بدنیا زدیں روشنائی دہے
بعقبیٰ ز آتش رہائی دہے

بخوے خوش اندوہ کاہ ہمہ
بہ آمرزش امید گاہ ہمہ

لب نازنینش گزارش پذیر
جہاں آفرینش سپارش پذیر

خمے قبلۂ آدمی زادگاں
نظر گاہ پیشین فرستادگاں (انبیائے سلف)

کسائی (بلندی) دہ نسل آدم بخویش
روائی دہ نقد عالم بخویش

بلندی دہ کعبہ بالائے او
گرامی کن سجدہ سیمائے او

یمن روشن از پر تو روے او
ختن بستۂ چین گیسوے او

زخونے کہ در کربلا شد سبیل
ادا کرد وام زمان خلیلؑ

یعنی کربلا میں آپ کے پیاروں کا جو خون بہایا گیا، وہ دراصل اس قرض کی ادائی تھی، جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے واجب الادا تھا۔ آگے چل کر کہتے ہیں:

بہ معراج رایت بگردوں برے
بدیں شبروان بر شبیخون برے

معراج میں جو شرف آپ کو عطا ہوا، اس سے آپ کی رفعت کا علم آسمان تک پہنچ گیا اور مدعیان باطل کو کامل ہزیمت نصیب ہوئی۔

معراج کا نام آنا تھا کہ شاعر کی فکر بلند جوش نشاط میں آسمان کے تارے توڑ لائی۔ ہوا یہ کہ

سخن تا دم از ذکر معراج زد
بہ من چشمک خواہش تاج زد

سخن نے (یہاں "تجسیم" کے طور پر سخن کو انسان فرض کیا ہے) معراج نبوی کا بیان کرتے وقت مجھ

سے اشارۃً خواہش کی آج تو اس مبارک تقریب کی خوشی میں میرے لیے ایک تاج ضرور ہے' شاید اس نے مجھے نادار سمجھ کر رسوا کرنا چاہا ہو' مگر میں نے اس کی فرمائش کو ٹالنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ میں نے طے کر لیا کہ منزل قمر سے خانہ مشتری تک چھان ڈالوں' آفتاب کی کرنیں اور ستاروں کے ریزے چنوں' شب معراج (جس کی آج تعریف لکھنا ہے) کی نچھاور بٹور کر آسمان سے زمین پر لاؤں اور ان موتیوں اور جواہرات کا تاج بناؤں اور سخن کے حوالے کروں' تاکہ اس کا سربلندی میں آسمان سے باتیں کرے۔ اب یہاں سے معراج کا بیان شروع ہوتا ہے:

مہین پردہ دار در کبریا کشایندہ پردہ بر انبیا

ہمایوں ہمائے پیام آورے بہ آوردن نامہ نام آورے

روان و خرد راروانی بدو نبیؐ را دم رازدانی بدو

امینے نخستین خرد نام او ز سر جوش نور حق آشام او

فروزاں بہ فرّ فروغ یقین چنان کز محمدؐ دل ازوے جبین

نوید کا مضمون سننے کے قابل ہے۔ حضرت جبریلؑ اس طرح عرض کرتے ہیں:

خداوند گیتی خریدار تست شب است ایں' ولے روز بازار تست

روز بازار پینٹھ کے دن کو کہتے ہیں جبکہ گاؤں میں بڑی چہل پہل ہوتی ہے۔ مجازاً "گرم بازاری' رونق۔ یعنی چلیے' خدائے پاک آپ کا خریدار (طالب) ہے۔ اگرچہ اس وقت ہر طرف رات کی ظلمت ہے' مگر یہی آپ کے کمال عروج کی ساعت ہے۔ شعر کے زور اور آمد کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ مصرع ثانی میں تو ضرب المثل بننے کی صلاحیت ہے۔

چنیں لنگر ناز سنگیں چرا بہ طور' اظہار تمکیں چرا

کساں جلوہ برطور گر دیدہ اند زراہ تو آں سنگ برچیدہ اند

یہ درست کہ دوسروں (مراد حضرت موسیٰؑ) نے طور پر تجلی الٰہی دیکھی تھی' مگر آپ کی راہ سے ایسے روڑے (مراد طور) دور کر دیئے گئے ہیں۔

بدور تو شد لن ترانی کہن فصاحت مکرر نہ سنجد سخن

ترا خواستار است یزدان پاک ہر آینہ از لن ترانی چہ باک

آپ کے دور میں لن ترانی کی رسم پرانی ہو گئی۔ کیونکہ فصاحت تکرار کلام کو پسند نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ جب خود خدا نے آپ کو بلایا ہے' تو لن ترانی کا کیا اندیشہ ہے۔

آگے دو شعروں میں شاعر نے عجیب بات عجیب پیرایے میں کہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انتقال ذہن حیرت انگیز ہے:

نگویم کہ یزداں ترا عاشق است ولے زاں طرف جذبۂ صادق است
جہان آفریں را خور و خواب نیست تو فارغ بہ بستر چہ خسپی' بایست

شعرا اکثر اس قسم کے مضامین باندھتے آئے ہیں کہ (عاشق ہے خدا بھی رسولؐ مدنی پر) مگر ایمان کی بات یہ ہے کہ عشق جس کو اطبا نوع من الجنون کہتے ہیں' اس کی نسبت اس ذات اقدس کی طرف اگر کفر نہیں' تو جہالت ضرور ہے۔ غالب کی سلامت طبع کی داد دیجئے کہ وہ عشق' کے ذکر سے تحاشی کرتے ہوئے صرف اتنا کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی جانب سے طلب جذبۂ صادق' پر مبنی ہے (اس میں شک کیا ہے)۔ پھر کہتے ہیں کہ (خدائے پاک نہ سوتا ہے' نہ کھاتا ہے) آپ اطمینان سے کیا سو رہے ہیں۔ اٹھیے' آپ کو بلاتا ہے۔ آخری جملہ یعنی وہ نہ سوتا ہے' نہ کھاتا ہے' بظاہر سوء ادب پر دال ہے' لیکن حضرت حق تعالیٰ شانہ کے بارے میں حقیقت نفس الامری سے متجاوز نہیں۔ جب کہ **ھو یطعم ولا یطعم** (۲۲)۔ نیز **لاتاخذہ سنۃ ولانوم** خود اس (۲۳) کا ارشاد ہے۔ اس مژدۂ جانفزا کے بعد فرستادۂ ایزدی نے آپ کی سواری کے لیے براق کی پیشکش کی۔ چند شعر براق کے وصف میں بھی ملاحظہ فرمائیے اور شاعر کی لطافت و بداعت کو سراہیے:

بہ چشمی ہور ساغر مُے بہ ہمدوشی حور گیسو دُے
سبک خیزیش خندہ زن بر نسیم کہ درجنبش انگیز د از گل شمیم
ہم از باد صبح سبک خیز تر ہم از نکہت گل دل آویز تر
براق از قدم خار در راہ سوخت پیمبرؐ بہ دم ماسوی اللہ سوخت

براق کی گرم خرامی کا یہ حال تھا کہ راہ کے کانٹے جل گئے اور آنحضرت کے انفاس کی حرارت کی یہ کیفیت تھی کہ ماسو اللہ کی ہستی تحلیل ہو کر رہ گئی۔

اس کے بعد مختلف آسمانوں کی سیر' ہر آسمان کے سیاروں کا نظارہ' سیاروں کی انفرادی خصوصیات کا فلک ثوابت پر بروج کا منظر اور آخر میں فلک الافلاک (عرش) کا بیان' طلسمات کا سا محیّرالعقول سماں پیش کرتا ہے۔ تفصیل میں طوالت کا خوف ہے جستہ جستہ چند اشعار سن لیجے۔

جب حضور کی سواری فلک دوم پر پہنچی جو عطارد (منشی فلک) کا مسکن ہے تو وہ (عطارد) غالب کی شکل میں جلوہ گر ہو کر مدح سرا ہوا۔ گویا جو نعت عطارد کی زبان سے ہے، وہ دراصل خود غالب کی طرف سے نذر عقیدت ہے کیونکہ غالب اور منشی فلک ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں:

کہ اے ذرۂ گرد راہ تو من ز خود رفتہ جلوہ گاہ تو من
نظر محو حسن خدا داد تو ستم کشتۂ غمزہ داد تو
خراج تو بر گنج گلشائیاں نثار تو پارنج مشائیاں
جہان آفرین را گرائش بجو گنہ بخشی اش رانمائش بجو
سر من کہ برخط فرمان تست نجاتش ز دوراں بدوران تست
دریں رہ ستائش نگار توام بہ بخشائش امیدوار تو ام

آخری مرحلہ عرش معلّٰی کا تھا جس کے وصف میں شاعر بلند پروازیوں زمزمہ سنج ہے:

زہے نامور پایۂ سرفراز سرا پردۂ خلوتستان راز
سررشتہ، نازش چون و چند بہ پیوند ہستی بداں پایہ بند

یہ وہ مقام ہے جس کی عظمت کے روبرو کیفیت و کمیت دونوں سپرانداختہ نظر آتی ہیں:

بود گرچہ برتر ز او[illegible]ے لرزد از نالۂ خاکیاں
دل بینوالے گر آید بدرد تپسند بداں پایۂ پاک گرد
صدائے شکست کمر گاہ مور درینجاست ہیچ و دراں پردہ شور

اگرچہ عرش الٰہی رتبے میں ملاء کہ مقربین سے بھی بلند ہے مگر ادھر کسی خاکی (انسان) نے فریاد کی، ادھر وہ کانپ اٹھا۔ یہاں کسی غریب کا دل دکھا، وہاں اس کی فضا گرد آلود ہو گئی۔ چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کیا اور اس کی پامالی کیا، زمین پر کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی لیکن عرش اعظم پر اس سے ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔

عرش سے بھی آگے وہ سالک منازل قرب بڑھتا ہے اور وہاں پہنچتا ہے، جہاں سے جہت و مقام، زمان و مکان پیچھے رہ جاتے ہیں:

بہ اِلّا رسید و زلا درگذشت رسیدن ز پیوند جادر گذشت

یہی وہ منزل ہے جہاں ایک طرف شاعر کا ناطقہ بند اور دوسری طرف شارح اپنی نارسائی کا گلہ مند۔ خود زبان سرمدی نے اس موقع پر اپنے موجزو معجز انداز میں کہا تو اس قدر کہا: **فاوحیٰ الیٰ عبدہ مااوحیٰ۔** یعنی مالک نے اپنے بندے کو وہ راز بتائے جو بتانا تھے۔

مثنویات کے بعد نعتیہ قصائد کا جائزہ لیجیے۔ نعت شریف میں غالب کے یہاں صرف ڈھائی قصیدے ملتے ہیں۔ دو خالصتہً نعت میں اور ایک نعت و منقبت میں مشترک۔ ان کے قصائد کو پڑھ کر ہر شخص اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ان میں قصیدے کے تمام لوازم بدرجہ احسن موجود ہیں۔ تشبیب کا زور' گریز کا لطف' مدح کا جوش اور حسن طلب کا ہوش۔ اور اس لحاظ سے یہ قصائد دربار اکبری کے شعرا کے قصائد سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کا حسن عقیدت اور زور طبیعت قدم قدم پر نمایاں ہے۔ پہلے قصیدے کی تمہید میں اپنے مصائب کا ذکر کرنے کے بعد حاسد پر طعن کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آندھی جو غبار راہ کو اٹھائے پھرتی ہے' اپنے ہی ہنگاموں میں گرفتار ہوتی ہے نادان سمجھتے ہیں کہ اسے غبار سے کدورت ہے۔ اسی طرح میں اپنے ہی حال میں مبتلا ہوں۔ حاسد ناحق میرا شکوہ گذار ہے۔ وہ لاکھ میرا ہم فن سہی مگر میں نے اپنی شاعری کی بدولت ننگ ہم فنی کا داغ دھو دیا ہے۔ البتہ اس کو میری شہرت کمال سے جو دکھ پہنچا' اس کا قدرت کی طرف سے مجھے یہ بدلا ملا کہ دنیا کے سامنے عرض ہنر کرتا ہوں جو میرے لیے سزا سے کم نہیں ہے۔

چو بادتند کہ ہنگامہ نخ خویشتن است ستیزۂ بودش باغبار پنداری
ملال خاطر حاسد زمن بداں ماند کہ گرد رہ بہ ہوا پیچد باز بیکاری
چہ ننگ اگر سخن ہمفن است چون سخن زدودہ ام زورق داغ ننگ ہمکاری
مرا کہ عرض ہنر دوزخ پیشمانی ست ہمیں بس است مکافات حاسد آزاری

اس کے بعد نہ صرف معاصرین بلکہ اسلاف پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتے ہوئے۔ رقم طراز ہیں:

شد آنکہ ہمقدماں راز من غبارے بود زرفتگاں بگذشتم بہ تیز رفتاری
مسنج شوکت عرفی کہ بود شیرازی مشو اسیر زلالی کہ بود خو انساری
بہ سومنات خیالم در آئے' تابینی رواں فروز برو دوشہائے زنّاری
بساط روے زمیں کار گاہ ارژنگی بتان دیر نشیں شاہدان فرخاری

یعنی میری متخیلہ سومنات کے مندر سے مشابہ ہے' جس میں برہمنوں کے برودوش پر بتوں کی حسین مورتیاں (مراد خوبصورت خیالات) بجی ہوئی ہیں' جن کے جلوے سے روح منور ہو جاتی ہے۔

یہاں سے گریز شروع ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میری سانس سے دوزخ بھڑکتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دشمنانِ نبیؐ کو جلاؤں اور میرے پیرہن سے جنت کی مہک آتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے حضورؐ کی مداحی کا شرف میسر ہے۔

شہنشہے کہ دبیرانِ دفترِ جاہش بہ جبرئیلؑ نویسند عزت آثاری
عدو کشے کہ زچاک کنار تو تیغش دو دیدہ تا دلِ خسرو جراحت کاری

آپ کے دفترِ جاہ کے منشی جب حضرت جبریلؑ کو خط لکھتے ہیں تو القاب میں "عزت آثار" تحریر کرتے ہیں۔ (قاعدہ تھا کہ سلاطین کی طرف سے امرا کو فرامین میں "عزت آثار" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے)۔ آپ سے عداوت رکھنا مخالف کی ہلاکت کا سبب ہے۔ دیکھو ادھر خسرو پرویز نے آپ کا نامہ مبارک چاک کیا، ادھر اس کے فرزند شیرویہ نے اس کا شکم چاک کر کے قصہ پاک کیا۔ پھر وحدت الوجود کی سرمستی چھا جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضورؐ کو حق تعالیٰ سے جدا نہ سمجھنا چاہیے۔

چناں بود کہ بہ بیند بخواب کس خود را از و مشاہدۂ حق بعین بیداری

یکایک خیال آتا ہے کہ یہ بیراہروی کب تک! اب شروع کا سرا لیتا اور قاعدے سے دادِ مدح کرتا ہوں۔ کعبہ آپ کی بساطِ عزت بننے والا تھا۔ جب ہی تو خالقِ عالم نے اس کا نگران اور جناب خلیلؑ نے اس کا معمار بننا قبول کیا۔

سخن یکے ست ولے در نظر ز سرعت سیر کند چو شعلۂ جوّالہ نقطہ پرکاری

آپ کی نعت کی بات ایک ہے مگر سب نے اپنی بساط کے مطابق نئے نئے پیرایے اختیار کیے ہیں جیسے شعلۂ جوّالہ ایک نقطہ ہوتا ہے مگر گھمانے سے دائرہ بن جاتا ہے۔ آخر میں پھر مخالفوں کے جور و ستم کی شکایت ہے۔ یہ شکایت رسمی و روایتی نہیں معلوم ہوتی۔ انداز صاف بتا رہا ہے کہ واقعی اور حقیقی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان ظالموں نے ڈول اور رسّی کو تو کنویں میں چھوڑ دیا اور کنویں کی من پر میرا سبو توڑ دیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ میری تدبیر کے تیر سے وہ محفوظ ہیں اور میں الٹا مجروح۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر نے تیر کے پیکان کو سوفاء کی خاصیت بخش دی ہے۔ دوسرا قصیدہ جو شکوہ و زور میں پہلے سے بڑھا ہوا ہے سنّت الشعرا کے مطابق فخر و تعلّی سے شروع کیا ہے۔ تعلّی کے بعد بڑی خوبی سے اپنے ایامِ عیش رفتہ کو یاد کرتے ہیں۔ روانیٔ کلام، شوکتِ بیان، الفاظ کا تقابل، مصرعوں کا توازن دیدنی ہے:

پیمانہ رابہ نرخ چمن داوے بہار　آئینہ را بموج شفق بستے نگار

شوقم جریدۂ رقم آرزوے بوس ذوقم قلمرو ہوس مژدۂ کنار

ازچشم و دل نہاد مرا بودتاج و تخت ازرنگ و بوبساط مرا بود پود وتار

وقت مراروانی کوثر در آستین بزم مرا طراوت فردوس درکنار

ہموارہ ذوق و مستی و لہو و سرور و سور پیوستہ شعر و شاہد و شمع و مے و قمار

اب دوسرا رخ بھی دیکھیے۔ یعنی عسرت بعد عشرت۔ اور حور بعد الکور۔

اکنوں منم کہ رنگ برویم نمی رسد　تارخ بخون دیدہ نشویم ہزار بار

نقشم بنامہ نیست بجز سرنوشت داغ　تارم بجامہ نیست بغیر از تن نزار

پایم بگل زحسرت کشت کنار جوے　خارم بہ دل زیاد ہم آہنگی ہزار

خوکردنم بہ وحشت شبہاے بیکسی　برداز ضمیر دہشت تاریکی مزار

ہم تن زضعف وقف شکن ہائے بیحساب　ہم دل زرنج داغ الم ہاے بیشمار

آگے والے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ یہ قصیدہ دہلی کی جدائی اور سفر کلکتہ کی یادگار ہے۔

پیمودہ ام دریں سفر از پیچ وتاب عجز　درہر قدم ہزار بیابان و کوہسار

داغے بدل زفرقت دہلی نہادہ ام　کش غوطہ دادہ ام بہ جہنم ہزار بار

بخت از سواد کشور بنگالہ طرح کرد　برخویش رخت ماتم ہجران آں دیار

یعنی دہلی کے فراز میں میری قسمت نے سواد بنگالہ کی بدولت ماتمی لباس پہن رکھا ہے۔

گریز ۔　آیا بود کہ از اثر اتفاق بخت　دیوانہ را بوادی یثرب فتد گذار

مدح ۔　ہم مزد سعی بخشم و ہم مژدہ سکوں　از بوسہ پاے خویش کنم بردرش نگار

میرے پاؤں جو راہ مدینہ میں چلے ہیں، ان کو سعی کا انعام اور سکون کا مژدہ دیتے ہوئے میں اس قدر چوموں کہ زخمی ہو جائیں۔ یہاں غالب نے نام پاک (احمد) سے ایک نکتہ نکالا ہے۔ کہتے ہیں کہ احمد سے اگر میم جو معبود اور عبد میں حجاب ہے، نکال دیں تو احد رہ جائے۔ اسم اقدس احد میں الف اللہ کا ہے اور ح+د جن کے اعداد ۸ + ۴ = ۱۲ ہوتے ہیں ائمہ اہل بیت کی تعداد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضرات ائمہ کا ظہور احمد سے ہے اور ان سب پر اللہ کا سایہ ہے:

ہم گوہر تراز فروغ خود آبرو ہم صانع ترا بہ وجود تو افتخار

جنت بکار گہ ولائے تو حلّہ باف رضواں بہ بارگہ رضائے تو پیش کار

بے رخصت ولائے تو طاعات مدعی ہمبرز ہچو کوشش دہقاں بہ شورہ زار

بے عشرت رضائے تو اوقات زندگی تلخ و تبہ چو دیدۂ موسودہان مار

آخر میں لکھتے ہیں کہ میرا جی چاہتا تھا کہ حضورؐ کی مدح کے شاہد کے جیب و دامن کو موتیوں سے بھر دوں اور سو کی بجائے سو ہزار ابیات معرض تحریر میں لاؤں، مگر ادب مانع آتا اور دعا کی جانب توجہ دلاتا ہے۔

اگلے قصیدے میں تعلّی شاعرانہ سے آغاز کیا ہے اور بتایا ہے کہ میرے کلام میں اور گوہر و لعل میں فرق کیا ہے۔

ہاں وایہ پرستاں زجواہر مشمارید تکتاب رگ قلزم و خونابہ کاں را

گوہر کدۂ راز بود عالم معنی وزلفظ گہر ریزہ بود والوی آں را

کیوں نہ ہو۔ آخر میں مدّاح کس کا ہوں!

ویں پایہ در آنست سخن راکہ ستایم ممدوح خداوند زمیں راوزماں را

عام روایت ہے کہ جسم اطہر کا سایہ نہ تھا۔ غالب کہتے ہیں۔

از فرط محبت کہ بداں جان جہاں داشت نگزاشت قضا سایہ آں سرو رواں را

نازم بہ کسانے کہ بہ تشبیہ خم تیغ دیدند برابر وے تو ماہ رمضاں را

قاعدہ ہے کہ مسلمان رمضان کا چاند دیکھ کر تلوار دیکھتے ہیں۔

حکما خرق افلاک کے منکر تھے، مگر حضورؐ کے سفر معراج نے ان کے زعم کو باطل کر دیا:

رفتار تو آں کرد بافلاک ز شوخی کز چاک بود خندہ بر افلاک کتاں را

اقتباسات خاصے طویل ہو گئے۔ لیکن جی چاہتا ہے کہ آخر کے چند اشعار، جن میں شاعر نے اپنی عمر گزشتہ کی کوتاہیوں کا ماتم کیا اور سچ مچ اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے، مزید نقل کر دیے جائیں۔ یہ حصہ نہایت مؤثر اور دل گداز ہے:

فریادرس ساداد زبے برگی ایماں کایں نخل بتاراج فارفت خزاں را
درخویشتن ایماں شرم لیک ازاں دست کاندر تن محبوب شمارند میاں را

میرے اندر ایمان تو ہے لیکن برائے نام، جیسے حسینوں کے جسم میں کمر۔

از عمر چہل سال بہ ہنگامہ سرآمد سرمایہ بہ بازیچہ تلف گشت دکاں را

(اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ ۱۲۵۲ھ میں سپرد قلم کیا ہے جب غالب کی عمر ۴۰ سال کی تھی)۔

اے گل تازہ کہ زیب چمنی آدم را باعث رابطۂ جان و تنی آدم را
کردہ در یوزۂ فیض تو غنی آدم را "نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را"
"برتر از آدم عالم، توچہ عالی نسبی"

اے لبت رابسوے خلق زخالق پیغام روح رالطف کلام تو کند شیریں کام
ابر فیضی کہ بود از اثر رحمت عام "نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام"
"زاں شدہ شہرہ آفاق بہ شیریں رطبی"

خواست چوں ایزد دانا کہ بساطے از نور گسترد درہمہ آفاق چہ نزدیک، چہ دور
حکم اصدار تو در ارض عرب یافت صدور "ذات پاک تو چودر ملک عرب کرد ظہور"
"زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی"

وصف رخش تو اگر دردل ادراک گذشت نہ ہمیں است کہ از دائرہ خاک گذشت
ہمچو آں شعلہ کہ گرم از تہ خاشاک گذشت "شب معراج عروج تو زافلاک گذشت"
"بہ مقامے کہ رسیدی، نہ رسد ہیچ نبی"

چہ کنم چارہ کہ پیوند خجالت گسلم من کہ چوں مہر درخشاں نبود نور دلم
من کہ از چشمۂ حیواں نبود آب و گلم "نسبت خود بہ سگت کردم وبس منفعلم"
"زانکہ نسبت بہ سگ کوے تو شد بے ادبی"

دل زغم مردہ وغم بردہ زماصبر و ثبات غمگساری کن و بنمائے بما راہ نجات
داد سوز جگر ماچہ دہد نیل و فرات "ماہمہ تشنہ لبانیم، توئی آب حیات"
"رحم فرما کہ زحدمی گذرد تشنہ لبی"

غالب غم زدہ رانیست دریں غمزدگی جزبہ امید ولائے تو تمنائے بی
ازتب و تاب دل سوختہ غافل نشوی "سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی"
"آمدہ سوئے تو قدسی پے درماں طلبی"

روز آخروم من سُست پے وقافلہ بس دور درباختہ ام ازغم رہ تمب وتواں را
زیں روے کہ طاعت نکنم، لیک خداوند ازمن نہ بروا یہٴ آرایش خواں را
ہرگہ کہ خورم ناں، تنم از شرم گدازد چندانکہ زخویش آب کنم دست و دہاں را

میری یہ کوتاہی کہ نفس، عبادت سے جی چراتا ہے اور خدا کی یہ کریمی کہ اس پر بھی برابر رزق دیئے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب روتی کھاتا ہوں تو شرم گناہ سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔

درجلوہ پرستم رخ و گیسوے صنم را درشیوہ پسندم روش وکیش مغاں را
درقاعدہٴ سجدہ سراز پانہ شناسم در روزہ زشوال ندانم رمضاں را
گیرم کہ نمادم بود از سجدہ لبالب اے واے گراز ناصیہ جویند نشاں را
شرع آں ہمہ خودبین ومن ایں مایہ سکبسر کزساقی کوثر طلبم رطل گراں را

مانا کہ میرا تمام وجود سجدے سے معمور ہے، لیکن اگر حشر میں پیشانی سے سجدے کا نشان مانگا گیا تو کیونکر بنے گی۔ شریعت تو اس قدر خودبین، اور میں ایسا نادان کہ ساقی کوثر سے جام شراب کی درخواست کر رہا ہوں۔ ساقی کوثر کا نام آتے ہی شاعر حضرت علیؓ کی منقبت پر، اور قصیدہ چند شعر کے بعد اختتام پر آگیا۔
غالب کی فارسی غزلیات میں نعت کا سرمایہ بہت کم ہے۔ صرف ایک غزل کے تین شعر اور ایک پوری غزل نعت میں ہے:

اے خاک درت قبلہٴ جان و دل غالب کز فیض تو پیرایہ ہستی ست جہاں را
تانام تو شیرینی جاں دادہ بہ گفتن درخویش فرو بردہ دل از مہر زباں را
برامت تو دوزخ جاوید حرام است حاشا کہ شفاعت نکنی سوختگاں را

آپ کے نام مبارک نے میری گفتار میں روح کی سی شیرینی بھر دی ہے یہی وجہ ہے کہ دل نے زبان کو پیار سے اپنے اندر سمو لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی امت پر خلودفی النّار حرام ہے، اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ آپ کی شفاعت آڑے آئے۔ خدا نہ کرے کہ آپ ہم تباہ حالوں کی شفاعت نہ فرمائیں۔
ذیل کی پوری غزل نعت میں ہے اور جوش عقیدت، تاثیر اور سلاست میں نہایت بلند پایہ ہے۔ "تقریباً"

ہر شعر میں کسی آیت یا حدیث کی ترجمانی کی گئی ہے، اور خوبی یہ کہ شعریت میں ذرہ بھر کمی نہیں ہے:

حق جلوہ گرز طرز بیان محمدؐ است آرے کلام حق بہ زبان محمدؐ است (۲۵)

آینہ دار پر تو مہر است ماہتاب شان حق آشکار زشان محمدؐ است (۲۶)

تیر قضا ہر آینہ در ترکش حق است اما کشاد آں زکمان محمدؐ است (۲۷)

دانی اگر بمعنی لولاک واری خود ہرچہ از حق است از آن محمدؐ است (۲۸)

ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد سوگند کردگار بجان محمدؐ است (۲۹)

واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فروگزار کاینجا سخن زسرور وان محمدؐ است (۳۰)

بنگر نیمہ گشتن ماہ تمام را کاں نیمہ جنبشے زبنان محمدؐ است (۳۱)

درخود ز نقش مہر نبوت سخن رود آں نیز نامورز نشان محمدؐ است (۳۲)

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

یہاں بے محل نہ ہو گا اگر غالب کی تضمین جو انہوں نے قدسی کی مشہور و مقبول نعتیہ غزل پر کی تھی بغیر تشریح درج کر دی جائے۔ یہ تضمین صفائی اور روانی کے ساتھ مرزا کے استادانہ انداز کا عمدہ نمونہ ہے اور جیسا کہ تضمین کا تقاضا ہے۔ اصل اور مرزا کے مصرعے باہم پورے دست و گریبان نظر آتے ہیں۔ یہ خمسہ ان کے متداول دیوان میں موجود نہیں ہے: (۳۳)

کیستم تا بخروش آوردم بے ادبی قدسیاں پیش تو در موقف حاجت طلبی
رفتہ از خویش بہ ایں زمزمہ زیر لبی "مرحبا سید مکی، مدنی، العربی"
"دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی"

اے کہ روے تو دہد روشنی ایمانم کافرم کافر اگر مہر منیرش خوانم
صورت خویش کشید است مصور دانم "من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
"اللہ اللہ! چہ جمال است بدیں بوالعجبی"

حواشی

۱۔ تو نے محمدؐ رسول اللہ کی ہجو کی جس کا میں ان کی طرف سے جواب دے رہا ہوں اور خدا کے یہاں میری جزا مقرر ہو چکی ہے۔

۲۔ میرے ماں باپ اور خود میری عزت آں حضرت کی عزت کی حفاظت کی خاطر تم لوگوں کے مقابلے میں سپر ہیں۔

۳۔ آپ تمام برائیوں سے پاک پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا آپ کی تخلیق آپ کی مرضی کے مطابق ہوئی ہے۔
۴۔ آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت فرزند کسی عورت کے بطن سے پیدا نہیں ہوا۔

۵۔ ملاحظہ ہو حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ۔ الجزء الاوّل۔
۶۔ شاعر رسولؐ جو کفار قریش کے مخالف پروپاگنڈے کا حضورؐ کی طرف سے جواب دیتے تھے اس زمانے میں پریس کا وجود نہ تھا۔ اس لیے شعرا کی زبانیں ہی پبلسٹی کا کام دیتی تھیں۔
۷۔ ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔

۸۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمہ مشہور شاعر اور اسلام کے سخت مخالف' غلبۂ اسلام کے بعد گرفتاری کے ڈر سے بھاگ گئے تھے۔ پھر اپنے بھائی بجیر کی تحریک پر حاضر دربار رسالت ہوئے اور یہ قصیدہ پڑھا۔ آخر قصور معاف ہوا اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ قصیدہ بانت سعاد کہلاتا ہے۔ کیونکہ انھیں الفاظ سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔

۹۔ دولت اقبال کے معنی میں ہے۔ شاعر نے "اقبال" کو در دولت کا پاسبان قرار دیا ہے۔

۱۰۔ ایران حال کے ایک نامور اور فاضل اہل قلم آقائے علی اصغر حکمت کا اعتراف ملاحظہ ہو: انھوں نے دہلی میں یوم غالب پر یہ رباعی پڑھی تھی:

غالب کہ شہاب شعر او ثاقب بود
استاد ہزار طالب وصائب بود

در ملک سخن چوں اسد اللّٰہی یافت
بر جملہ سخنوران ازان غالب بود

۱۱۔ یادگار غالب: ۱۳۰

۱۲۔ یادگار غالب: ۱۵
۱۳۔ حالی کہتے ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کا مرزا کے عصر میں موجود ہونا ان کی شاعری کے حق میں بعینہٖ ایسا تھا جیسا عرفی و نظیری کے حق میں خانخاناں' ابوالفتح' فیضی اور ابوالفضل کا ان کے زمانے میں ہونا۔ (یادگار غالب: ۱۷)

۱۴۔ یادگار غالب: ۹۸

۱۵۔ یہ کہنا کہ غالب نے طرز بیدل کو اپنے لیے کار مشکل جان کر چھوڑا یا سعی لاطائل سمجھ کر' نادرست معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں رائیں حقیقت سے دور ہیں۔ دراصل عمر پختہ ہونے پر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ رنگ نہ ہند میں مقبول ہو سکتا ہے' نہ ایران میں۔
۱۵۔ عود ہندی: ۱۵۰ (بنام شاکر)
۱۷۔ عود ہندی: ۳۵
۱۸۔ کلیات فارسی: ۵۵۳

۱۹۔ اس سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ وہ عرفی وغیرہ کے مقلد محض تھے۔ وہ خود کہتے اور بجا کہتے ہیں کہ قدرت نے میرے نسخانہ ضمیر کو فراوانی رنگا رنگ معنی سے مالا مال کیا ہے۔ سبک متاخرین کی رعایت کرنا یا محاورہ اہل زبان کا پابند ہونا دوسری بات ہے۔
۲۰۔ انھوں نے تمام عبادات اور فرائض و واجبات میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں' ایک توحید وجودی' دوسرے نبیؐ اور اہل بیت نبیؐ کی محبت' اور اسی کو وہ وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔ (یادگار غالب: ۶۷)

۲۱۔ مولانا خیر آبادی کی مشہور تصنیف "امتناع النظیر" اسی مبحث سے متعلق ہے۔

۲۲۔ خدا سب کو کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا۔
۲۳۔ اس کو اونگھ اور نیند نہیں ستاتی۔ (قرآن مجید)

۲۴۔ سواد آبادی اور سیاہی کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اہل بنگالہ کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔

۲۵۔ ماینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحیٰ اپنی خواہش سے نہیں بولتے آپ کا کلام وحی الٰہی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔
۲۵۔ (اذا رءوا ذکر اللہ) اللہ والوں کی یہ شان ہے کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔
۲۷۔ (ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی) آپ نے دشمنوں پر (خاک یا تیر) نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا۔
۲۸۔ (لولاک لما خلقت الافلاک) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

۲۹۔ (لعمرک انہم لفی سکرتہم یعمہون علیہ) آپ کی جان کی قسم، منکر اپنی مستی میں مدہوش تھے۔
۳۰۔ (ما رأیت احسن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے آنحضرت سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔
۳۱۔ (اقتربت الساعۃ وانشق القمر) قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا۔
۳۲۔ (کان الخاتم مثل زر الحجلۃ) آپ کی مہر نبوت تخم کبک سے مشابہ تھی۔
۳۳۔ ماخوذ از "حدیث قدسی" مجموعۂ مخمسات بر غزل قدسی۔

برادران اسلام ر محبان طریقت

السلام علیکم

آفتاب چشتیاں، دلبر گنج شکر، شہنشاہ ولایت، مخدوم جہاں، قطب العالم، سرتاج ملت ودین، بادشاہ دو جہاں، سلطان الاصفیا، شاہ شاہاں حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابری کلیریؒ (صابر پیا) کی شخصیت محتاج بیان تعارف نہیں۔ آپ نے برصغیر میں سلسلہ چشتیہ فریدیہ کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کی روحانی اور علمی خدمات کا اعتراف اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی کیا ہے۔ آپ سے محبت کرنے والوں نے آپ کے افکار و نظریات کو عام کرنے کی غرض اور آپ کی تعلیمات کو عام اور سہل زبان میں لوگوں تک پہنچانے کے لیے خالصتاً ایک غیرسیاسی ادارہ بنام بزم صابری پاکستان (ٹرسٹ) کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

۱۔ جملہ سلاسل بالخصوص سلسلہ چشتیہ کے احباب کو مجتمع کرنا۔

۲۔ ایسے طلباء و طالبات کے لیے تعلیمی وظائف اور امداد کے لیے جدوجہد کرنا جو کسی وجہ سے اپنی تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے۔

۳۔ عالم اسلام کے مسائل اور ان کے حل کے لیے حکمرانوں کی توجہ مبذول کراتے رہنا۔

۴۔ پاکستان میں خواجہ خواجگان حضرت خواجہ غریب نواز پوسٹ گریجویٹ تعلیمی ادارہ بنام "خواجہ غریب نواز کالج" کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا۔

۵۔ پاکستان کے علاوہ بیرون ممالک میں موجود چشتیہ سلسلہ کے محبین و مشائخ کی ایک جامع ڈائریکٹری ترتیب دینا۔

۶۔ چشتیہ خانقاہوں میں موجود مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف ر قلمی مسودات ر تبرکات کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے اور ان کے تحفظ کے لیے تدابیر اختیار کرنا۔

۷۔ سلسلہ چشتیہ کی تصانیف ر تالیف ر مضامین ر مقالات اور مختلف تحریرات کو جمع کرنا مرتب کرنا اور شائع کرنا۔

۸۔ سلسلہ چشتیہ فریدیہ نظامیہ صابریہ کے بزرگوں، سجادہ نشینوں، مشائخ عظام اور اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ اپنے سلسلہ کے متعلق تمام تفصیلات شجرہ اور اپنی تمام تفصیلات اور اگر کوئی قدیم اور نادر تصویر یا تحریر ہو تو بھی روانہ کریں ہم اس کی کاپی کرا کر آپ کے حوالے سے (چشتیہ ڈائریکٹری) میں شائع کریں گے۔ یہ ڈائریکٹری اپنی نوعیت کی ایک منفرد ڈائریکٹری ہوگی۔

۹۔ حسب حالات مجالس دینی، محافل سماع، سیمینار، مشاعروں کا اہتمام کرانا۔ ہمیں جب تک آپ کی سرپرستی اور اخلاقی تعاون حاصل نہ ہوگا جب تک ہم ان مقاصد کے حصول میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

ہمیں آپ کے قیمتی مشوروں اور تجاویز کا انتظار رہے گا۔

بزم صابری پاکستان (ٹرسٹ)

پوسٹ بکس نمبر ۵۸۶۰ کراچی سٹی پاکستان

فقط والسلام

صاحبزادہ محمد سلیم فاروقی

معروف حمد و نعت گو طاہر سلطانی کے ادبی شہہ پارے

ایک شمارہ

ایک کتاب
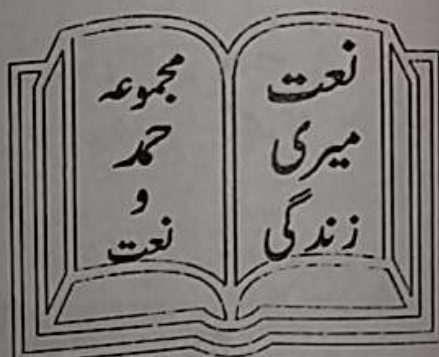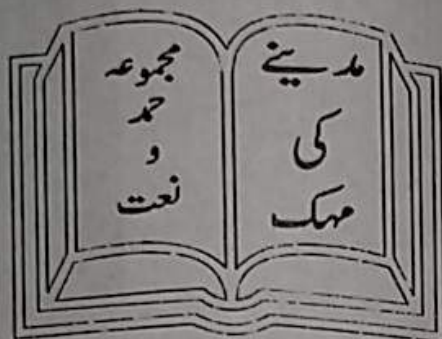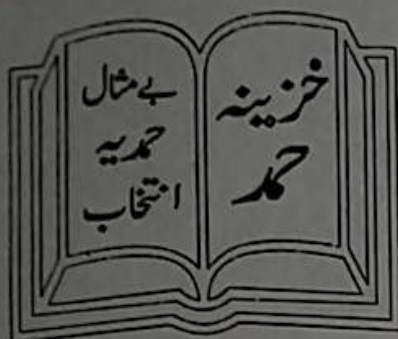
تقسیم کار :

فضلی سنز اردو بازار

مکتبہ رضویہ گاڑی کھاتہ آرام باغ

جہانِ حمد پبلی کیشنز لیاقت آباد ٹی ون ایریا

کراچی۔ پاکستان

ظفر علی خاں کی نعت نگاری

ڈاکٹر شبیہہ الحسن

بیسویں صدی اپنے جلو میں انتشار اور افتراق لے کر ظاہر ہوئی اور جلد ہی اس کے اثرات داخلی اور خارجی سطح پر مرتسم ہونے لگے۔ اس صدی کے عصری آشوب نے ہر چیز کو متاثر کیا اور زندگی سے براہ راست منسلک ہونے کے نتیجے میں ادب بھی اس سے متاثر ہوا۔ یہی سبب ہے کہ بیسویں صدی میں ہیئت اور مواد کے جس قدر متنوع تجربات ملتے ہیں' اس کی مثال شاید گزشتہ صدیوں کی ادبی روایت میں بھی مل نہ سکے۔ اس کے علاوہ ادب کی روایتی اصناف میں بھی غیر متوقع طور پر تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ بیسویں صدی کی شعری روایت میں تغیّر و تبدّل مواد کے ساتھ ساتھ ہیئت میں بھی ظاہر ہوا اور جملہ اصناف نظم و نثر عصری تقاضوں کو اپنے اندر جذب کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس حوالے سے جدید نظم کے مختلف رویّے ہمارے سامنے آئے' غزل نے چولا بدلا' مرثیے میں ندرتیں پیدا ہوئیں' قصیدہ نے مختلف شکلوں میں اپنا اظہار کیا اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز صنف سخن یعنی نعت نے اپنے خد و خال متعین کرنا شروع کر دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے جس قدر رنگا رنگ متنوع ذائقے آپ کو اس صدی میں ملیں گے شاید اس سے قبل نہ ملے ہوں۔ اسی طرح نعت کے اہم شعرا بھی اسی زمانے میں منفرد حیثیت کے حامل نظر آئیں گے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس زمانے میں مثنوی' قصیدے اور غزل نے نعتیہ موضوعات و مضامین کو اپنے مزاج میں داخل کیا۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔۔۔؟؟ اس کا بنیادی جواب تو یہی ہے کہ اس زمانے میں نعت کی صنف دوسری اصناف کی ہم دوش رہی اور اردو ادب میں ظاہر ہونے والی تمام فکری و فنّی تبدیلیوں کو اس صنف نے قبول کیا اور نعت گو شعرا نے انھیں نہایت سلیقے سے استعمال کیا۔ نعت کی صنف کو بااعتبار بنانے والے شعرا میں سے ایک اہم شاعر ظفر علی خاں بھی ہیں۔

ظفر علی خاں ایک ہمہ جہت اور رنگا رنگ طبیعت کے حامل شاعر تھے۔ انہوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور معاصرین نقّادان فن سے اپنی خداداد صلاحیتوں اور قدرت فن کا لوہا منوایا۔ ظفر علی خاں کی شاعری کے دو روپ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان کی شاعری کا پہلا روپ ان کے جذباتی اور ہیجانی مزاج سے تشکیل پاتا ہے۔ اس روپ میں ان کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس کے علاوہ اثراتی اور واقعاتی منظومات بھی اسی

روپ کی دین ہیں۔ دوسرے روپ میں ان کی سنجیدہ شاعری کو شمار کیا جاسکتا ہے اور خاص طور پر اس روپ کا بہترین مظہر ان کی نعتیں ہیں۔ امتداد زمانہ سے ظفر علی خاں کی بلند آہنگ تاثراتی منظومات رفتہ رفتہ اپنا اثر زائل کرتی جارہی ہیں اور اسی سبب سے جدید ناقدین انہیں اہم مقام دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تاہم ان کی سنجیدہ فکر کی نمائندہ نعتیں اپنے طور پر اس قدر زیادہ وقیع، معتبر اور اہمیت کی حامل ہیں کہ قدیم اور جدید تمام نقّادان فن ان کی افادیت کے معترف ہیں۔ اس اعتبار سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا یہ خیال درست ہے کہ ظفر علی خاں کی باقی شاعری اہم ہو نہ ہو لیکن ان کی نعتیہ شاعری ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور اس حوالے سے ان کا نام تا بہ ابد زندہ رہے گا۔ اس بات کو بے محل نہ سمجھئے کیونکہ اس بات کا اندازہ خود ظفر علی خاں کو بھی تھا۔

فرماتے ہیں:

زباں ہے وقف ثنائے خدائے عزّوجل — خدا ہی ہے جو یہ عقدہ ہو زور نطق سے حل

نہ نظم ہی کا سلیقہ نہ نظم ہی کا شعور — نہ میں سنائی ثانی نہ ہمسفر اخطل

سخنوری سے نہیں ہے کوئی مجھے سروکار — نہ لکھ سکوں میں قصیدہ نہ کہہ سکوں میں غزل

خود اپنی قدر سے ہیں بے خبر نہیں کہ مجھے — ہے یاد اچھی طرح سے ایاز والی مثل

پسند آئی ہے لکنت یہاں بسا اوقات — گیا ہے پاؤں فصاحت کا بار بار پھسل

اسی خیال سے تو بہر عرض سجدۂ شکر — سروش خامہ اگر سر کے بل چلا ہے تو چل

ان اشعار کے پیش کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ ظفر علی خاں کو غزل، قصیدہ، نظم یا دیگر اصناف پر قدرت حاصل نہیں بلکہ یہ نکتہ باور کرانا مقصود ہے کہ وہ ان اصناف کی نسبت اپنی نعت گوئی کو بہتر سمجھتے تھے اور اسے افضل گردانتے تھے بلکہ خواجہ حسن نظامی نے تو سند امتیاز دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ محض اپنی نعتوں کی وجہ ہی سے بخشے جائیں گے۔ بہرحال ظفر علی خاں خدا کی حمد اور اسلام کے قصوں کو بھی نعت ہی کے حوالے سے دیکھنے کے عادی ہیں اور یہی موضوعات ان کی شاعری کا محور رہے ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

خدا کی حمد، پیغمبر کی نعت، اسلام کے قصے — مرے مضموں ہیں، جب سے نعت کہنے کا شعور آیا

۱۸۵۷ء کے بعد تمام ادب کو مقصدیت اور افادیت کے ترازو میں تولا جانے لگا اور ادب کو فائدہ مند اور مقصدی بنانے کا رجحان پیدا ہوا۔ نعت گوئی بھی اس ہنگامے کی زد میں آئی اور اس صنف کو بھی ذہنی اور فکری قبلہ درست کرنے کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح نعت میں بھی ایک مقصدی رو سرایت کرگئی۔ جس شخص نے سب سے پہلے اس صنف میں باطنی اور خارجی

دونوں حوالوں سے تبدیلیاں پیدا کیں وہ الطاف حسین حالی تھے۔ حالی نے نعتیہ اشعار کو سماج کی تبدیلی کے لئے بطور ہتھیار استعمال کیا۔ انہوں نے امت مسلمہ کے تمام مسائل کا حل اتباع رسول میں دریافت کیا اور نعت نگاری کو مسلمانوں کے اعمال درست کرنے کا وسیلہ قرار دیا۔ اس حوالے سے ان کی مسدّس مدّ و جزر اسلام کی مثال ہی کافی ہے۔ اقبال نے حالی کے اس بنیادی نکتے کو سمجھ کر اس کی مزید توضیح کی۔ یہی سبب ہے کہ اقبال کے ہاں خودی کی منزلوں سے لے کر مرد کامل بننے تک تمام تر معاملات اتباع نبویؐ ہی کے مرہون منّت ہیں۔ حالی اور اقبال کے اسی بنیادی نکتہ کی تفہیم ظفر علی خاں نے بھی کی۔ انہیں دانشورانہ سطح پر احساس تھا کہ ماحول کیا ہے---؟ عصری ضرورتیں اور تقاضے کیا ہیں---؟؟ اور کن سطحوں پر ان میں تبدیلیوں کی ضرورت ہے---؟؟؟ اور جب حالی اور اقبال کی طرح ان کے پیش نظر یہ نکتہ آیا کہ سایۂ رسولؐ میں ہی عافیت ہے تو انہوں نے ایک وسیع تناظر میں یہ سوچا کہ اگر ایک شخص کی عاقبت اتباع نبوتؐ سے سنور سکتی ہے تو پوری قوم کی عاقبت اس سے کیوں نہیں سنور سکتی---؟؟ لہٰذا انہوں نے نعت کو شخصی پیرائے سے نکال کر ملّی پیرائے میں پیش کیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ریاض مجید کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ ظفر علی خاں کی نعتوں میں ملی عناصر کا کینوس حالی اور اقبال سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ اس حوالے سے ظفر علی خاں کے فخریہ اشعار بھی ملاحظہ فرمایئے:

ہوتا ہے جس میں نام رسول خدا بلند ان محفلوں کا مجھ کو نمائندہ کردیا
سردار دو جہاں کا بناکر مجھے غلام میرا بھی نام تا بہ ابد زندہ کردیا

ظفر علی خاں کی نعتوں کا بغور مطالعہ کریں تو ان کی نعت نگاری کی دو سطحیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ پہلی سطح پر وہ اپنی نعتوں کا سلسلہ اس روایت سے جوڑتے ہیں جن کا تعلق میلاد ناموں اور اسی طرح کی دیگر نعتیہ منظومات سے ہے۔ اس میں شاعرانہ پیرایۂ اظہار سب سے زیادہ جلوہ گر ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

مرا منہ لیا چوم روح الامیں نے لیا میں نے جس وقت نام محمدؐ
پلایا ہے ساقی نے بھر بھر کے مجھ کو خدا کے خمستاں سے جام محمدؐ

قصد یہ کررہا ہوں میں، نعت تری رقم کروں
کوزے میں بھر رہا ہوں میں مایۂ دجلہ و فرات
نور ترا نہ چیرتا گر افق شہود کو
ختم نہ ہوتی آج تک تیرگیٔ شب حیات

دوسری سطح پر وہ اپنی نعتوں میں زمانے کے تقاضوں اور عصری آشوب کو نہایت سلیقے اور

چابک دستی سے پیش کرتے ہیں اور یہیں ان کا اصل ہنر ظاہر ہوتا ہے۔ اس انداز کی نعتوں میں وہ ذاتی سطح سے بلند ہوکر قومی حوالوں سے سوچتے ہیں اور جگہ جگہ التجائیہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ اس حوالے سے سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی مجموعی ناگفتہ بہ تہذیبی اور سماجی صورت حال کو اپنی نعتوں میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھئے:

باور نہ تجھ کو آئے تو ہندوستان میں آ — اور دیکھ لے الٹ کے ملابار کا نقاب
اے قبلۂ دو عالم و اے کعبہ دو کون — تیری دعا ہے حضرت باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پودے سے باہر نکال کر — دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب
حق سے یہ عرض کر کہ ترے ناسزا غلام — عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب

○

سب سے زیادہ مستحق تیری توجہات کے — ہم ہیں کہ ہم پہ آپڑیں سارے جہاں کی مشکلات
تیری نگاہ مہرباں ہم کو ذریعۂ فلاح — تیری دعائے مستجاب ہم کو وسیلۂ نجات
دور افتادہ ہی سہی تیرے مگر غلام ہیں — ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

○

سیکڑوں طوفاں ہیں پنہاں جسکی اک اک موج میں — اس سمندر سے مسلمانوں کا بیڑا پار کر
ہند کو بھی اے خدا قید غلامی سے چھڑا — اپنے گھر کا ہم کو بھی مالک بنا، مختار کر

ہندوستان کی تہذیبی ابتری اور سیاسی انتشار کی پیشکش کے ساتھ ساتھ ظفر علی خاں نے دنیا میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ صورت حال کو بھی نعت کا موضوع بنایا اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کسی ناقد نے ظفر علی خاں کے اس پہلو کی طرف توجہ نہیں دی۔ ظفر علی خاں نے بیسویں صدی میں دنیائے اسلام کو درپیش مشکلات اور ان سے عہدہ برا ہونے کے لئے جو نسخہ پیش کیا ہے وہ بھی ایک نظر دیکھتے چلئے:

جاگ او یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کے آج — مٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج
سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی انہیں ملتا نہیں — جن کی ہیبت لے چکی ہے ایک عالم سے خراج
تیرے بچے ہو رہے ہیں ساری دنیا میں ذلیل — کیا نہیں اے قبلۂ عالم تجھے بچوں کی لاج
ہم ہیں ننگے سر "اٹھ اے شان عرب" آن عجم — اور پہنادے ہمیں پھر سطوت کبریٰ کا تاج
تشنہ کامان خلافت کو خود اپنے ہاتھ سے — بھر کے وہ ساغر پلا، ہے انگبیں، جس کا مزاج

اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا　　اب تو ہے تیری دوا ہی تیری امت کا علاج

ان اشعار کے بغور مطالعہ کے بعد آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ظفر علی خاں نے محض مسائل کو دردمندانہ انداز میں پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے حل کے لئے تجاویز بھی پیش کیں۔ اس طرح ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے ہم نوا ہوکر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ظفر علی نعت گوئی کے حوالے سے ایک تعمیری انقلاب لارہے تھے۔

ظفر علی خاں کی نعتوں اور نعتیہ منظومات کے ماخذات کا سراغ لگائیں تو چار ماخذات فوری طور پر ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ پہلا ماخذ قرآن پاک ہے۔ ظفر علی خاں نے قرآن پاک کا مطالعہ فقط بصارت سے نہیں بلکہ بصیرت سے کیا تھا اور خاص طور پر وہ آیات ان کے پیش نظر رہی تھیں جن میں حضور کی مدح و ستائش کے پہلو نکلتے ہیں یہی سبب ہے کہ انھوں نے اپنی نعتوں میں ان آیات کو نہایت فنکارانہ انداز میں نگینے کی طرح جڑ دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

مصطفیٰ کو جب ملا پیغام اکملت لکم　　گل ہمیشہ کیلئے شمع نبوت ہوگئی

عرب کے واسطے رحمت، عجم کے واسطے رحمت　　وہ آیا لیکن آیا رحمت للعالمین، ہوکر

نشاں انّا فتحنا کا نہ ہو کیوں آشکارا جب　　علم بردار حق تم ہو، پہ سالار دیں تم ہو

○

ناشئتہ اللّیل آج دیگا میری روح کو نشو نما　　اقوام قیلا آج سے ہوگا میری اقامت کا معمول

○

ان ھو الا وحی یوحیٰ جس کی شان میں آیا ہے　　رحمت عالم ہوکے اک امّی اس مکتوب کو لایا ہے

جاء الحق و زحق الباطل اس کی زباں پر آتے ہی　　کفر کے برج سر بفلک پر پرچم دیں لہرایا ہے

ان الباطل کان زھوقا کہہ کے دیا ہے حق کو فروغ

پڑھ کے یہ افسوں منہ کے بل اس نے لات و ہبل کو گرایا ہے

ظفر علی خاں کی نعت نگاری کا دوسرا اہم ماخذ احادیث ہیں۔ انھوں نے احادیث نبوی و قدسی کا نہ صرف یہ کہ ٹھوس مطالعہ کیا تھا بلکہ نہایت فنکاری سے اپنی نعتوں میں انہیں جگہ دی ہے۔ انھوں نے متفق علیہ احادیث کو اہمیت دی ہے اور ان سے اجتماعی سطح پر فائدہ حاصل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مثلاً" یہ اشعار دیکھئے کہ انھوں نے کس طرح حدیث نبوی و قدسی کو شعری پیرائے میں ڈھال کر پیش کیا ہے:

بحکم اشہد ان لا الہ الا اللہ　　جگہ بہشت میں نکلی مرے مکاں کیلئے

○

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو کہساروں میں

حضور اکرمؐ کی سیرت اور اسلاف کے واقعات و کارنامے بھی ظفر علی خاں کی نعتوں کے ماخذ ہیں۔ انہوں نے اسلامی اقدار کے حامل واقعات کو اصلاح معاشرہ کے لئے استعمال کیا۔ اس طرح ایک طرف تو وہ واقعات محفوظ ہو گئے ہیں اور دوسری طرف عوام الناس میں وہ طرز عمل اپنانے کی تمنا بیدار ہو گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

قدموں پہ ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا   اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا
کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے   اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا
یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سنو   وہ جو خدا کے ہو گئے ان کا خدا ہوا

ظفر علی خاں کی نعتوں کا چوتھا ماخذ قدما کا کلام ہے اور بیشتر ناقدین کا یہ کہنا اپنی سطح پر درست ہے کہ اگر حالی اور اقبال کی نعتیہ شعری روایت موجود نہ ہوتی تو ظفر کا نعتیہ شعری سرمایا اس قدر زیادہ وقیع نہ ہوتا۔ حالی اور اقبال کی شعری روایات کا اثر تو لامحالہ ظفر علی خاں پر ہونا ہی تھا۔ انہوں نے تو کلاسیکی شعرا کا مطالعہ بھی بنظر غائر کیا تھا اور عربی' فارسی نعت نگاروں کا جو ایک رنگ ظفر کے کلام میں جاری و ساری دکھائی دیتا ہے وہ ان کے وسیع مطالعہ کا واضح ثبوت ہے۔

ظفر علی خاں کی نعتیں قدیم نعت گو شعرا سے مختلف ہیں اور ان کے اندر ایک خاص رنگ یا صفت ایسی ضرور موجود ہے جو ظفر علی خاں سے مخصوص ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے بنیادی محاسن ہیں جو ظفر علی خاں کی نعت کو ممتاز کر دینے کا موجب بنتے ہیں----؟؟

ظفر علی خاں کی نعت میں جذبات بکثرت ملتے ہیں۔ یہ جذبہ مختلف روپ دھار کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ کہیں تو یہ جذبہ جوش بیان کی شکل میں اجاگر دکھائی دیتا ہے اور کہیں اس کا اظہار طنزیہ صورت میں ہوتا ہے۔ بیشتر ناقدین کا خیال یہ ہے کہ مولانا ظفر علی خاں کی زندگی ابتدا ہی سے جوش و خروش سے بھرپور تھی' سیاست سے چونکہ عملی سطح پر انہیں خاص شغف تھا اس لئے تحرک' جوش اور ولولہ ان کی شاعری میں موجزن دکھائی دیتا ہے۔ ان کی نعتیں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا جذبات کا دریا ہے جو امڈا چلا آتا ہے۔ میرے خیال میں ظفر علی خاں نے یہ جذباتی لب و لہجہ قارئین میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لئے عمداً" استعمال کیا ہے۔ انہوں نے ایسی تراکیب اور لفظیات کا استعمال کیا ہے جن سے تحرک پیدا ہونا لازم ہے مثال کے طور پر یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

فرش میں تیرے دھمے عرش میں تیرے زمزمے
بھیج رہی ہے کائنات تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

شایاں ہے تجھ کو سرور کونین کا لقب
نازاں ہے تجھ پہ رحمت دارین کا خطاب

برسا ہے شرق و غرب پہ ابر کرم ترا
آدمؑ کی نسل پر تیرے احساں ہیں بے حساب

ظفر علی خاں نے رسول اکرم کی ذات کو اپنی نعتوں کا محور بنایا اور کسی بھی سطح پر عقیدت و احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ حضور اکرم کی ذات سب سے زیادہ معتبر اور نہایت قابل احترام ہے لہٰذا ہر وہ واقعہ جو آپ سے منسوب ہے ظفر علی خاں نے اسے اپنا موضوع بنایا ہے عقیدت و احترام کی یہ فضا صرف ظاہری نہیں بلکہ وہ ہر اس چیز سے بھی عقیدت سے پیش آتے ہیں جس کا کسی نہ کسی سطح پر تعلق حضور سے جڑ گیا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

چوما ہے قدسیوں نے ترے آستانے کو
تھامی ہے آسماں نے جھک کر تیری رکاب

خدا نے اس کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھنا ہے اس کا پر تو نور صبح اولیں ہو کر

نہ نکلی کوئی بات اس کی زباں سے تا دم آخر
نہ نکلی ہو جو زیب نطق جبریلؑ امیں ہو کر

ظفر علی خاں نے عقیدت و محبت کی اس فراوانی میں یہ التزام بطور خاص رکھا ہے کہ حقیقت و صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور غلو اور بے جا تخیل کو قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا۔ شورش کاشمیری کے خیال میں ظفر علی خاں کے نعتیہ کلام میں اتنی گرفت اور مہارت کا سبب یہ ہے کہ وہ غلو سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ حضور کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو انہوں نے ہمارے سامنے اس طرح پیش کیا ہے کہ سیرت النبی ہماری نگاہوں کے سامنے چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی نعتوں میں ایک خاص انداز کی اپنائیت اور قلبی جذبات کی آئینہ داری ملتی ہے۔ یہ نعتیہ اشعار دیکھیے کہ انہوں نے کس سادگی و سلاست سے واقعات پیش کر دیئے ہیں اور کہیں بھی تصنع کا احساس پیدا نہیں ہوتا:

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا۔۔۔!
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے؟
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو

○

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا

وہ راز اک کملی والے نے بتلادیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈنے میں ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

اپنی گفتگو کو ختم کرتے ہوئے اس اہم نکتے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اگر نعت نگاری فقط حضور کی مدح سرائی کا نام ہے اور میلاد نامے وغیرہ بہترین کلام ہیں تو ظفر علی خاں ایک کم تر درجہ کے نعت گو ہیں لیکن اگر نعت سے مراد وہ صنف شاعری ہے جس میں حضور اکرم کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ عصری کرب اور معاشرتی آشوب بھی موجزن ہو تو ظفر علی خاں ایک بہترین اور منفرد نعت گو ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے عام انداز نعت گوئی سے ہٹ کر اسے ادبی رنگ بخشا اور جذباتی ہیجان کے مقابلے میں عقل اور فکر کو معتبر مقام عطا کیا ہے۔ کیا نعت کے حوالے سے آپ چند ایسے شاعروں کی نشان دہی کرسکتے ہیں----؟؟

مدحت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخ ایاز

پروفیسر آفاق صدیقی

شیخ ایاز کی شخصیت اور شاعری سے میرا تعلق خاطر پچھلے پچاس برسوں پر محیط ہے۔ ایاز کی نثری و شعری تحریروں کا پہلا دور تو ترقی پسند نظریات اور رومان پروری سے عبارت رہا پھر دوسرے دور میں جو ون یونٹ بننے کے بعد شروع ہوا اور کم و بیش ۷۵ء تک رہا اس دور میں سندھی قومیت اور اہل سندھ کی فکری و عملی بیداری کے لیے مزاحمتی احتجاجی اور انقلابی تحریریں منظر عام پر آئیں۔ قید و بند کی صعوبتوں سے واسطہ پڑا شعری اور نثری کتابیں بھی بحق سرکار ضبط ہوئیں۔

ایاز کی نگارشات میں ۷۵ء تک نعتیہ شاعری یا نثرنگاری میں مدحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی سراغ نہیں ملتا لیکن ۷۶ء میں جب بھٹو صاحب کے اصرار پر سندھ یونیورسٹی کی وائس چانسلری قبول کی اور پھر ۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق کا دور آیا تو رمضان المبارک کے مہینے میں ایاز نے جامعہ سندھ کے زیر اہتمام ہفتۂ سیرت کی تقاریب منعقد کرائیں اور شعبۂ اردو کی طرف سے صریر خامہ کا نعت نمبر بھی شائع کیا گیا۔

مذکورہ سیرت کانفرنس کا جو کلیدی خطبہ شیخ ایاز نے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے پیش کیا تھا وہ اس وقت میرے سامنے ہے اور اسی کے چند اقتباسات سے عزیزم صبیح رحمانی کی تعمیل ارشاد کے طور پر مضمون کا آغاز کر رہا ہوں۔

شیخ ایاز نے ابتدائی سطور میں لکھا تھا "یہ امر ہمارے لئے باعث افتخار ہے کہ پہلی بار جامعہ سندھ میں ہفتۂ سیرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد عمل میں لایا جارہا ہے۔ دوسرے یہ بھی ہمارے لئے موجب فخر ہے کہ سب سے پہلے جامعہ سندھ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس میں رب العالمین کے آخری عظیم المرتبت پیغمبر رحمت للعالمین کی سیرت پاک کے مطالعہ کے لئے سیرت چیئر (شعبۂ سیرت) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ پیغمبر ہیں جو بنی نوع انسان کی روحانی تاریخ میں عظیم ترین انقلاب لے کر آئے۔ ایسا انقلاب عظیم کہ جس قدر مطالعہ کیا جارہا ہے اسی قدر مفکرین اور بالخصوص مغرب کے دیانت دار مؤرخین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہدایت کی عظمت، رفعت اور فضیلت کے دل سے معترف نظر آتے ہیں۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ آپ نے کل بنی نوع انساں کو پروہت، برہمن، لاما اور شمن کی غلامی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات دلادی۔ یہ آپ ہی کی

بعثت کا ثمرہ ہے کہ وہ خود ساختہ بزرگ جو خدا اور بندے کے مابین ثالث بنے بیٹھے تھے خود اپنی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

تاریخی شواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا نور جب دنیائے انسانی پر ضیاء پاش ہوا تو تعصّب' عناد' نفرت اور تنگ نظریوں کے سارے بادل چھٹ گئے پیغمبر اسلام کے ایک مکمل اور جامع نظام زندگی پیش کرنے پر مفکرین' مؤرخین اور نابغۂ روزگار علماء و فضلاء کو آپ کی بے نظیر ذہانت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام الٰہی قرآن حکیم کی صورت میں نازل ہوا اس کے مطالعہ سے اہل علم کی نظر میں وسعتیں پیدا ہوئیں۔ اس کی روشنی میں انہیں انسان' کائنات اور اس کے رفیع و برتر علت العلل کے مابین تعلق و رابطے کا ادراک میسر آیا۔"

اس سلسلے میں ایاز صاحب نے ڈاکٹر هیرونگ ہرشفلیڈ (Dr. Herwing Hirschfild) مسٹر رابرٹ بریفلٹ (Mr. Robert Briffault)' ول ڈورینٹ (Wil Durant) اور کئی دوسرے مغربی مفکرین و مؤرخین کی تحقیقی تصانیف کے حوالے دیکر حضور کی مدحت میں یہ لکھا ہے کہ "پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم شمع ابدی ہیں اور ہر طرح کی عزت و مرتبت کے حامل ہیں پوری انسانی تاریخ میں کسی اور فرد کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی جس نے انسان کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر علم و حکمت کی تحصیل پر زور دیا ہو۔ کیا ایسی اور کوئی شخصیت ہے جس نے علم و حکمت کو گم شدہ دولت سے تعبیر کیا ہو اور ہدایت دی ہو کہ "جہاں کہیں بھی اسے پاؤ اپنا سمجھ کر حاصل کرو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے صرف چند بااثر لوگ ہی علم و حکمت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے جنھوں نے عوام الناس پر حصول علم کے دروازے قطعی بند کر رکھے تھے۔"

شیخ ایاز کا مطالعہ بہت وسیع تھا یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایاز کے ذاتی کتب خانے میں قدیم و جدید تصانیف کی بہت بڑی تعداد تھی اور وہ بڑی باقاعدگی سے کئی کئی گھنٹے مطالعہ پر صرف کرتے تھے۔ پچھلے بیس بائیس برسوں میں ایاز نے قرآن حکیم کی تفاسیر' تاریخ اسلام' علم الحدیث اور سیرت طیبہ کی بہت سی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا جس کے نتیجے میں نظری و فکری طور پر جو تبدیلی ان کے دل و دماغ میں آئی اس کا اظہار کئی تازہ تصانیف میں ہوا ہے۔

خصوصاً" محسن انسانیت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر عمر کے آخری حصے میں وہ جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اس کو پوری طرح لکھنے کی مہلت ان کی جان لیوا دل

کی بیماری نے نہ دی اور وہ دسمبر ۹۷ء میں اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے تاہم یہ ضرور ہے کہ اپنی فکر انگیز و بصیرت خیز تحریروں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی عقیدت و محبت کی کچھ جھلکیاں جو انہوں نے پیش کیں ان سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ افتادِ طبع میں کتنی بڑی تبدیلی رونما ہوچکی تھی مثلاً" ایک جگہ وہ لکھتے ہیں " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ممتاز شخصیت ہیں جنہوں نے ہماری دنیا کو زندگی کی سطح مرتفع پر لاکھڑا کیا اسے حیات نو بخشی اور دور جدید میں ہمیشہ کے لئے جلوہ آراء کردیا لہٰذا کیا یہ ہمارا حق نہیں ہے کہ ہم نہایت ہی مؤدبانہ و منکسرانہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض پرداز ہوں کہ آپ ہی وہ شمع ابدی ہیں جس کے ظہور سے اثباتی علوم و فنون کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسانیت پر وا ہوگئے۔"

میں نے اپنی زیرِ طبع تصنیف 'ایاز کی کہانی' میں یہ بتایا ہے کہ ایاز کے نظریات نوجوانی' جوانی اور اس کے بعد خواہ کچھ بھی رہے ہوں ان کے دل میں ایک صوفی ہمیشہ چھپا رہا جس نے کبھی کبھی اپنی جھلک دکھائی اور پھر چھپ گیا۔ ۵۴ء میں شیخ ایاز کی شخصیت اور شاعری پر جو کتاب میں نے "بوئے گل نالۂ دل" کے نام سے پیش کی تھی اس کی منظومات سے بھی ایسی جھلکیاں پیش کی جاسکتی ہیں جو ایاز کے صوفیانہ طرز فکر کی آئینہ دار ہیں۔

مثلاً" وہ کہتے ہیں

"آئینہ خانہ ہے یہ جہاں تیرا تو کہاں"

یا

دل یزداں نے کہا ایک خزانہ ہوں میں
کیوں نہ عالم پر گہر پاش بنوں

سکھر میں بزم احباب ادب کے زیرِ اہتمام ساٹھ کی دہائی میں ہر سال ماہ ربیع الاول میں بڑے پیمانے پر نعتیہ مشاعرہ ہوتا تھا۔ شیخ ایاز کو بھی بطور خاص دعوت دی جاتی مگر بیسود۔ میں نے دریافت کیا "آپ آسانی سے اردو یا سندھی میں نعتیہ اشعار کہہ سکتے ہیں پھر کیوں نہیں کہتے؟"

ایاز نے کہا "مرزا غالب کا یہ فارسی شعر تو پڑھا ہوگا

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

بس یہی حال میرا ہے بھلا مجھ سے نعت کہاں ہوگی"

ایاز کی وفات کے بعد مہران اکیڈمی نے سندھی میں ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے جس کا نام

ہے "اٹی اور اللہ سان" (اٹھو اور اللہ سے لو لگاؤ) یہ آخری دور کی وہ کتاب ہے جس میں دعائیں ہی دعائیں ہیں مثلاً" ایک دعا کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

"یا رب! تیری بارگاہ میں توبہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ جب تک زبان میں قوت گویائی ہے ہر انسان کی توبہ بھی تجھ تک پہنچائی جاسکتی ہے۔ میری توبہ قبول کر اور مجھے توفیق دے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانی اخلاق کی خوبیاں تہہ دل سے محسوس کرسکوں اور ان پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ پھر اتنا بے فکر ہوجاؤں جیسے آسمان کی بلندیوں پر اڑتے ابابیل" (آمین ثم آمین)

کتاب کے ابتدائی صفحات پر مہران اکیڈمی کے ناظم قمر میمن نے لکھا ہے "شیخ ایاز سندھ کے عظیم شاعر و ادیب اور محقق تھے۔ ان کی زندگی اور فکر میں رفتہ رفتہ بڑی انقلابی تبدیلی آئی۔ عمر کے آخری عشرے میں اپنی عمر رفتہ کے افکار و نظریات سے انہوں نے بیزاری کا اعلان کردیا۔ توحید باری تعالیٰ اور رسول اکرم کی رسالت کے نہ فقط قائل ہوئے بلکہ اسلام کو زندگی گذارنے کا سچا دین تسلیم کیا۔"

مجھے کتاب کے ناشر سے یہ کہنا ہے کہ ایاز لادین تو کبھی نہیں رہے یہ اور بات ہے کہ چھوٹے بڑے گناہ عام انسانوں کی طرح شیخ ایاز سے بھی سرزد ہوئے جن کا شدید احساس اس دعا میں بھی موجود ہے "یا رب! میں اتنا غرق گناہ رہا ہوں کہ اپنی سوانح تیرے سوا کسی کو بتا نہیں سکتا یہ بات الگ ہے کہ تو سب کچھ پہلے ہی سے جانتا ہے۔"

دعاؤں کی اس کتاب میں رسول مقبول کے دامن رحمت میں پناہ تلاش کرنے کی آرزو بھی بڑے والہانہ انداز میں ملتی ہے بقول حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں " ان دعاؤں میں اسلامی فکر، فلسفہ اور حضور کی تعلیمات کو بہت ہی عمدہ طریقے پر پیش کیا گیا۔"

شیخ ایاز آٹھ دس برس پہلے عارضۂ قلب میں مبتلا ہوئے لیکن شوق مطالعہ اور شعر و ادب لکھنے کا جذبہ بدستور قائم رہا۔ معالجوں کی نصیحت کو بھی نظر انداز کرتے رہے دس بارہ نئی کتابیں لکھ ڈالیں جو سندھی ادب میں بیش بہا اضافہ ہیں۔ کئی مرتبہ ملاقات ہوئی اور میں نے دیکھا کہ بہت کمزور ہوگئے ہیں۔ سگریٹ پینا بالکل ترک کردیا ہے بغیر جلا سگریٹ انگلیوں میں داب کر بڑی روانی سے لکھنے کا کام کرتے ہیں۔

ایاز نے نثری نظم لکھنے پر بھرپور توجہ دی۔ دعائیں بھی نثری نظم کے پیراۂ اظہار میں تحریر کی ہیں۔ شیخ صاحب کے فرزند دلبند ڈاکٹر شیخ سلیم ایاز نے جو امراض قلب کے ماہر ہیں۔ ہمیں بتایا کہ " دل کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ زندگی کے آثار معدوم ہوگئے۔ میں شدت غم کے سبب سرہانے

سے ہٹ کر کمرے کے باہر کھڑا ہوگیا۔ ساتھی ڈاکٹر وہاں موجود رہے۔ میری آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ساتھی ڈاکٹر میری طرف آیا اور کہا جلدی آؤ۔ میں اندر گیا تو معجزاتی طور پر بابا کو زندہ و سلامت پایا۔"

شیخ ایاز کا بھی یہی کہنا تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے کچھ اور جینے کی مہلت دی ہے باقی ماندہ ساعتیں کارساز حقیقی اور اس کے محبوب برحق کی نذر کرتا رہوں گا۔"

دعاؤں کی اس روح پرور کتاب میں کئی نثری نظمیں نعتیہ دعاؤں کا درجہ رکھتی ہیں مثال کے طور پر فی الحال دو نظموں کے ترجمے حاضر ہیں۔

"یا رب! تیرے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم تو گلاب جیسے ہیں جن کی خوشبو بے مثال ہے لیکن تو نے مجھے بھونرے کی روح دی ہے اور میں نے طرح طرح کی خوشبو پائی ہے۔ میں نے نہ صرف زرتشت، یسوع مسیح اور مہاتما بودھ کو پڑھا بلکہ مہابیر سوامی کے فلسفے پر بھی غور کیا مگر اب اپنی منزل کی تلاش میں پلٹ آیا ہوں۔ بے مثال خوشبو کی طرف۔"

"یا رب! جس طرح رات کی تیرگی میں کھلنے اور مہکنے والے پھول اپنی خوشبو دور دور تک پھیلاتے ہیں۔ تیرے پیغمبر بھی ایسے ہی ہوئے ہیں جن پر نازل ہونے والی وحی کی خوشبو ہر طرف پھیلی اور تیرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سدا بہار گلاب ہیں جو سورج کی پہلی کرن اور آخری شعاع میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔"

اس طویل نثری نعتیہ نظم میں ایاز نے جلیل القدر پیغمبروں کے حوالے سے اس نورانی فیض اخلاقی و روحانی کی جھلکیاں دکھائی ہیں جن کی تکمیل ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی اور رہتی دنیا تک کے لئے اسلام دین کامل قرار پایا۔

شیخ ایاز نے حضرت ادریسؑ سیدنا نوحؑ (جن کو آدم ثانی کہا گیا)، حضرت ابراہیمؑ حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی تعلیمات حقّانی سے لفظ و بیاں کے جو تابندہ گہر یکجا کئے ان سب کو مجموعی طور پر قرآن حکیم اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ میں جلوہ گر دیکھا گیا مثلاً

حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا تھا "دل کی زندگی علم و حکمت سے ہے"

سیدنا نوح علیہ السلام نے کہا "یہ دنیا ایک ایسا مکان ہے جس کے دو دروازے ہیں ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اشیائے فانی سے دل نہ لگانے کی تلقین فرمائی اور کہا "اے لوگو! خدا کی عبادت کرو، خدا سے ڈرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہو کیونکہ

اسی کی جانب پلٹ کر جانا ہے"

روحانی و اخلاقی تعلیمات کے ایسے ہی بصیرت افروز فرمودات پوری نعتیہ نظم کا حصہ ہیں۔ ان فرمودات کو نظم کے آخر میں شیخ ایاز نے اندھیری رات میں اجالا کرنے والے جواہرات کا نام دیا ہے اور تمام جواہرات کا گنجینۂ علم و عرفان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت کو قرار دیا ہے۔

شیخ ایاز کی دعاؤں میں حضور اکرم کی مدحت کے رنگا رنگ پہلو نظر آتے ہیں ان سب کا تجزیہ فی الوقت ممکن نہیں وہ اپنی شخصیت اور شاعری میں شروع ہی سے انفرادیت پسند رہے تھے۔ یہ کیفیت آخر تک قائم رہی مثلاً" یہ دعا۔

"یارب! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کو دیکھ کر فرمایا تھا "وہ اکیلے گھومتے ہیں۔ اکیلے مریں گے اور اکیلے ہی اٹھائے جائیں گے اللہ ان پر رحم کرے۔" مجھ کو بھی حوصلہ دے کہ میں اپنا رستہ آپ تلاش کروں۔ تنہائی میرا مقدر ہے میرا کوئی ساتھی سنگی نہیں۔ میرے پیر لہولہان ہیں تیری جانب کٹھن رستے پر بڑھ رہا ہوں۔ یارب! تو نے لوح محفوظ میں میرے لئے تنہائی کی موت لکھی ہے۔ بہتر ہے کہ میں تیری راہ میں تھک کر گر جاؤں اور میرے سنگ لحد پر فقط "تنہا راہی" لکھا جائے۔

سید ضمیر جعفری کی ایک دلآویز نعت

پروفیسر محمد اقبال جاوید

سید ضمیر جعفری ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ غزل، نظم اور نثر، ہر سہ اصناف میں ایک انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ ایک قد آور اور چھتنار وجود ہیں۔ نثر میں ان کے ثقافی مضامین اور سفر نامے قابل ذکر ہیں۔ ان کی ملّی نظموں کا بھی اپنا ایک مقام ہے۔ بطور مزاح نویس انہیں نہ اہل نظر، نظرانداز کر سکتے ہیں، نہ تماشائی۔ طنز و مزاح کی کاٹ انتہائی گہری ہوتی ہے۔ یہ دل کے سوز و تپش سے بال و پر لیتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ادب کے جس نقطۂ عروج پر بیان کی خوبیاں، ذہن کے تنقیدی زاویے اور قلم کی تعمیری شوخیاں پختہ تر ہو کر ایک معیاری لطافت بن جائیں۔ اسے طنز و مزاح سے تعبیر کریں گے۔ اسے مشاہدے کی قوت جنم دیتی، ذہن کی پختگی سنوارتی اور تخئیل کی رفعت، تیر نیم کش بنا دیتی ہے۔ جذبات، کیفیات اور معاملات کی سنگینی کو خفیف ہنسی میں اڑا دینا، اسی قلمکار کا کمال ہے جسے فطرت نے "راز دار خوئے آدم" بنا دیا ہو، ورنہ "خندہ بر نادان و دانا می زنم" ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ میں بنیادی طور پر ضمیر جعفری کی ادبی وارفتگی کو ذوق کے اسی مقام رفیع پر دیکھتا ہوں یہی وہ اساسی صلاحیت ہے جو ان کی نثر میں ستاروں کی طرح دمکتی اور غزل میں کلیوں کی طرح چٹکتی ہے۔ نثر ہو یا شعر، اس کا تاثر، تغزّل کی خوبی میں پوشیدہ ہے اور تغزّل، تحریر کے اس کیف کو کہتے ہیں جو قاری کی رگ رگ میں یوں اتر جاتا ہے جس طرح باد سحر گاہی کا نم، شاخ گل کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے۔ ضمیر جعفری کی غزل کے درج ذیل چند شعر ان کے مشاہدے کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ساتھ اظہار و ادا پر ان کی ماہرانہ گرفت کے بھی آئینہ دار ہیں۔

اے غم ہستی، ہمیں دنیا پسند آئی بہت — درد میں لذت بہت، اشکوں میں رعنائی بہت
آہ یہ دولت کہ انسانوں نے ٹھکرائی بہت — بے سہاروں کی محبت، بے نواؤں کا خلوص

○

آنکھ ہوتی تو ستارے بھی نمایاں ہوتے — تو نے دیکھا ہی نہیں پیار سے ذروں کی طرف

○

یارب، یہ کس مقام پہ آئی سحر مجھے — شب کو تو ایک قافلہ گل تھا ساتھ ساتھ

چند آنسو ہیں کہ ہستی کی چمک ہے جن سے　　کچھ حوادث ہیں کہ دنیا کو جواں رکھتے ہیں

○

حسن ہر شے پر توجہ کی نظر کا نام ہے　　بارہا کانٹوں کی رعنائی نے چونکایا مجھے

○

غنچہ و گل، مہر و مہ، ابر و ہوا، رخسار و لب　　زندگی نے ہر قدم پر یاد فرمایا مجھے

○

زندگی صدیوں کا حاصل زندگی صدیوں کا روپ　　زندگی جو چشمک برق و شرر کی بات ہے

○

منزل اک رہرو کا تھک جانا ہے ورنہ زندگی　　اک مسلسل رہگزر پیہم سفر کی بات ہے

○

جتنا بڑھتا گیا شعور ہنر　　خود کو اتنا ہی بے ہنر پایا

○

بھلا معلوم دل کو جستجو ہے کن جزیروں کی
نہ جانے کن ستاروں کی ضیاء کو دیکھتا ہوں میں
یہ کیا غم ہے، مرے اشعار کو نم کر دیا جس نے
یہ دل میں کس سمندر کی گھٹا کو دیکھتا ہوں میں

ان کی غزل کے یہ چند شعر، حافظے کے افق سے قلم کی نوک پر اس لئے آگئے ہیں کہ مقصود تحریر یہ تھا کہ ایک ایسا غزل گو جب نعت گوئی کی طرف آئے گا تو اس کی نعت بھی گداز فکر کا شاہکار ہو جائے گی۔ بشرطیکہ صاحب تحریر کا دل، حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دولت سے بہرہ ور ہو جس سے ایمان کے ایوان بھی قائم ہیں اور دل کی دنیائیں بھی تاباں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ لاشعوری طور پر غزل میں جب یہ کہہ گئے کہ کس غم نے ان کے اشعار کو نم کر دیا ہے، ان کے دل میں کس سمندر کی گھٹا ہے، دل کو کن جزیروں کی تلاش ہے، اور کچھ ستارے ہیں جن کی ضیاء ان کے تصور کی کہکشاں ہے---- تو نعت کہتے ہوئے انھیں احساس ہو گیا ہوگا کہ یہی وہ غم ہے جس کے نم سے شعر نشاط روح بنتا ہے۔ یہ یقین بھی ابھرا ہوگا کہ بطحا سے اٹھنے والی گھٹا ہی خارزاروں کو گلزاروں میں بدلتی ہے۔ یہ خیال بھی آیا ہوگا کہ ستاروں کی ضیاء بھی صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد سفر کا نور ہے---- اور پھر یہی تو وہ نقوش پا ہیں کہ مل جائیں تو کسی اور منزل کی آرزو ہی نہیں رہتی۔

شاید اسی کا نام ہے توہینِ جستجو کہ منزل کی ہو تلاش ترے نقشِ پا کے بعد

گو ضمیر جعفری کا نعتیہ سرمایہ مختصر ہے مگر نعت نیاز و ناز کی وہ دنیا ہے جہاں کمیت نہیں، کیفیت دیکھی جاتی ہے۔ یہاں نعتیہ مجموعوں کی ضخامت اور الفاظ و تراکیب کا شکوہ و جمال کام نہیں دیتا، یہ تو ایک ایسی بارگاہ بندہ نواز ہے جہاں بہت کچھ کہنے کے باوجود، تشنگی کا احساس برقرار رہتا ہے۔ یہاں تو آنسو، زبان بنتے اور سکوت تکلّم بلیغ کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔ جذبہ و وارفتگی کی ایک "نفسِ گم کردہ" حاضری پُرشوکت الفاظ سے معمور ہزاروں نعتیں قربان۔

حضورؐ عجز بیاں کو بیاں سمجھ لیجئے تہی ہے دامنِ فن آستاں پہ کیا لاؤں

اور جناب مشفق خواجہ کے الفاظ میں "آرائش، دماغ کی کاوش کا نتیجہ ہوتی ہے اور سادگی، دل کی محویت کا، دل کی باتیں دل کی زبان ہی میں اچھی لگتی ہیں۔"

دل کی یہی محویت، ضمیر جعفری کی زیرِ نظر نعت کے ایک ایک حرف میں تاثر بن کر دھڑک رہی ہے اور یہی وہ تاثر ہے جو ان کی اس نعت کو پسندیدگی کی اس سطح تک لے آیا ہے کہ اسے اختر کی خلوت بھی گنگناتی ہے اور جلوت بھی۔ حسنِ ارادت کے ساتھ ساتھ فنّی اعتبار سے یہ نعت انتہائی گراں قدر ہے یوں لگتا ہے کہ ان کے دل کی ساری عقیدتیں، قلم کی نوک پر مرتکز ہو کر لَو دے رہی ہیں۔ علامہ طالب جوہری نے ٹھیک کہا ہے کہ "جو نعت ادب کے بلند پایہ مقامات کو چھو لے اسے تائیدِ غیبی بھی یقیناً حاصل ہوتی ہے اور میرے دل کی آواز بھی یہی ہے کہ یہ نعت، حضور ناز میں باریاب ہے اور یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ حقیقی نعت کے لئے قلم بعد میں اٹھتا ہے اور منظوری پہلے ہو چکی ہوتی ہے۔

دہد حق عشق احمد بندگانِ چیدۂ خود را کہ خاصاں می دہد شہ بادۂ نوشیدۂ خود را

اب اس خوبصورت نعت کے ایک ایک شعر کا رنگ اور آہنگ دیکھئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے انہوں نے کسی دنیاوی عالم کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ نہیں فرمایا۔ بلکہ جب حرا کی بھرپور خلوتوں میں جبرئیلؑ نے انہیں پڑھنے کے لئے کہا تو جواب یہی تھا کہ میں تو اُمّی ہوں۔ اور پھر حرا کا ایک ہی نورانی لمحہ عرب کے اس عظیم اُمّیؐ کو علم کا شہر بنا گیا کہ آپؐ کی زبان صدق اظہار سے فصاحت و بلاغت کے چشمے اُبلنے اور دریا بہنے لگے۔ اور بڑے بڑے فصیح البیان اس افصح العرب کے حضور میں تہی مایہ نظر آنے لگے اور اس اعتراف پر مجبور ہو گئے کہ ان جملوں کی زمین تو آسمان سے آئی معلوم ہوتی ہے اور پھر فکر کی کون سی دنیا ہے جو اس اُمّی کے طفیل گل و گلزار نہیں بنی اور دانش کے وہ کون سے ایوان ہیں جنہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی لسانی بلاغتوں نے رنگ و نور کی کہکشاں عطا نہیں کی۔ اس تناظر میں سید ضمیر جعفری کی اس نعت کا پہلا شعر دیکھئے۔

وہ اک امّی کہ ہر دانش کو چمکاتا ہوا آیا وہ اک دامان بخشش پھول برساتا ہوا آیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان نبوت ایک طرف باطل کے کاشانوں پر بجلی بن کر گرا، دوسری طرف سعید روحیں، صوت ہادیؑ کی طرف کھنچ کے رہ گئیں۔ حالی کے الفاظ میں "کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی" دل ایمان سے سرشار ہوئے، اور وقت کی متمدّن حکومتیں عرب کے ساربان زادوں کے قدموں میں جھک گئیں نتیجہ معلوم کہ وہ آمرانہ رعونتوں کو نیزوں پر اچھالتے رہے اور ان کی ٹھوکر تاج سلطانی سے کھیلتی رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا گداز، پتھروں کو موم بنا گیا۔ آپؐ کے دم سے زندگی کے خواب کو تعبیر مل گئی۔ زمانے کی ویرانیاں، لالہ و گل کو شرمانے لگیں، تخریب، تہذیب میں بدل گئی۔ شر، خیر ہو گیا اور جو خود گمراہ تھے وہ نشان منزل بن گئے اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سانسوں کی مہک ہے کہ جس کے فیض سے عرب کا ریگستان ایک دنیا کو نکہتیں بانٹتا چلا جا رہا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم کونین کے رخشندہ نگیں ہیں، سید مناظر احسن گیلانی کے الفاظ میں:

"یوں آنے کو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لئے آیا پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لئے آیا وہی جو ڈوبنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے---- جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا، جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اس کے اور صرف اسی کے دن کے لئے رات نہیں، ایک اسی کا چراغ ہے کہ جس کی روشنی بے داغ ہے۔"

ان تعارفی سطور کی روشنی میں اس نعت کے چند اور شعر دیکھیے۔

وہ ایک نغمہ کہ انسانوں کو چونکاتا ہوا آیا
وہ اک جذبہ کہ ارمانوں کو دھڑکاتا ہوا آیا

وہ اک نرمی کہ سنگ و خشت کے سینے میں جا اتری
وہ اک شیشہ کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوا آیا

وہ اک عظمت کہ مظلوموں کے چہروں پر دمک اٹھی
وہ اک بندہ کہ سلطانوں کو ٹھکراتا ہوا آیا

وہ اک مستی کہ ہستی کو جلا دیتی ہوئی پھیلی
وہ اک عالم کہ ہر عالم پہ چھا جاتا ہوا آیا

اللہ تعالیٰ مصور حقیقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دست قدرت اور ان کی رعنائی فکر کا ایک ایسا آخری شاہکار جو ہر اعتبار سے معتبر، ہر لحاظ سے مکمل، ہر رخ سے اجمل اور ہر انداز سے احسن ہے۔ جس جیسا آئینہ نہ ہماری بزم خیال میں ہے اور نہ دکان آئینہ ساز میں۔ آب و گل کی مدتوں کی آرائشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اک آدمؐ کونین کا یوں حاصل بنا کہ سورج اس چشم سے ضیاء لیتا، غنچے، اس نطق سے پھول بنتے ہیں۔ وہ اٹھتے ہیں تو پہاڑ سربلندی پاتے ہیں وہ چلتے ہیں تو ریت کے ذرّوں کو ریشم کا لوچ مل جاتا ہے۔ وہ مسکراتے ہیں تو چمنستان کونین کو شگفتگی اور بالیدگی کا حسن عطا ہوتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ بہار انہی نگاہوں کی ایک جنبش کا انتظار کر رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کامل کے مقابلے میں لفظوں کا یہ سارا حسن ایک طرف اور سید ضمیر جعفری کا یہ ایک شعر ایک طرف کہ اس میں اتمام حسن کے ساتھ، اتمام رسالت کی شان بھی جلوہ گر ہے۔

مشیت حسن کی تکمیل فرماتی ہوئی ابھری تصور آخری تصویر بن جاتا ہوا آیا

اس امر کی صداقت سے نہ ماضی انکار کر سکتا ہے، نہ حال اور نہ مستقبل کر سکے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ بے ٹھکانا انسانیت کا آخری ٹھکانا ہے۔ یہیں پہنچ کر سرگرداں عقل کو منزل کا سکون ملتا ہے اور سکون بھی ایسا، جیسے اک زخمی پرندہ آشیاں تک آ گیا ہو۔ شاعر مشرق نے جب محسوس کیا کہ دانش، افرنگی اور ایمان زناری ہو گیا ہے تو حکیم الامت، امت کی ان روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے مولائے یثربؐ ہی کے حضور پہنچے کہ انہی کی چارہ سازی سے مردہ دلوں کو زندگی اور افسردہ روحوں کو تابندگی نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے دل فی الواقع خراب اور ہماری آنکھیں سراب ہیں۔ انہیؐ کی نگہ کرم انہیں سرسبز و شاداب کر سکتی ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ساری دنیا ہماری تباہی پر ہنس رہی ہے مگر ہمیں اپنے حال زار پر رونا نہیں آتا ایسے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے التفات سے، ہماری خاکستر میں شمع شبستاں کے انداز آ سکتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ۔

خود وقت کو ملتا ہے سکوں ان کی گلی میں سنتے ہیں وہاں گردش ایام نہیں ہے

اور اب ضمیر جعفری کی اس دلآویز نعت کا آخری شعر پڑھیے۔

ترے در کے سوا آسودگیٔ دل کہاں ملتی ترے در پر زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

اس شعر کو کئی بار پڑھیے، عین ممکن ہے کہ ہماری قلبی ویرانی، روحانی ناآسودگی، فکری بے

مائیگی' اور دینی بے بضاعتی کو منزل کا حسن مل جائے۔ طلب میں سچائی اور سفر میں رعنائی ہو تو منزل مسافر کو خود کھینچ لیا کرتی ہے۔

نعت گوئی انتہائی مشکل صنف سخن ہے اس وادی میں قدم قدم احتیاط اور قلم قلم احترام کی ضرورت ہے۔ یہاں عقیدت کو ہر گام سنبھلنا پڑتا ہے کہ یہی ارادت ذرا بے راہ ہو جائے تو توصیف' توہین بن جاتی ہے اور مدح نگار' ایمان ایسی دولت سے یوں محروم ہو جاتا ہے کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ سید ضمیر جعفری کی یہ نعت اس نقطۂ نظر سے انتہائی متوازن ہے۔ جذب اور شوق' واقعیت کی انگلی تھام کر شعر بنتے چلے جا رہے ہیں۔ تاریخی حقائق' سادگی کے پیرہن میں مسکرا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری حسن' ان کی سیرت کے تقدّس سے ہم آغوش ہے گویا غازۂ جاں کی بدولت چہرہ گلگوں نظر آرہا ہے۔ اس نعت کو پڑھ کر والہانہ جذبوں کو توانائی اور حکیمانہ بصیرتوں کو رعنائی ملتی ہے اور اس مختصر سی نعت میں رنگ و نور اور سرور و کیف کی ایک کہکشاں جھلملاتی محسوس ہوتی ہے اور میں اس نعت کے جمال میں شاعر کا کمال کم دیکھتا ہوں بلکہ اسے بڑے ہی نصیب کی بات قرار دیتے ہوئے' سراسر ممدوح عظیم جلیل (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عطا سمجھتا ہوں۔
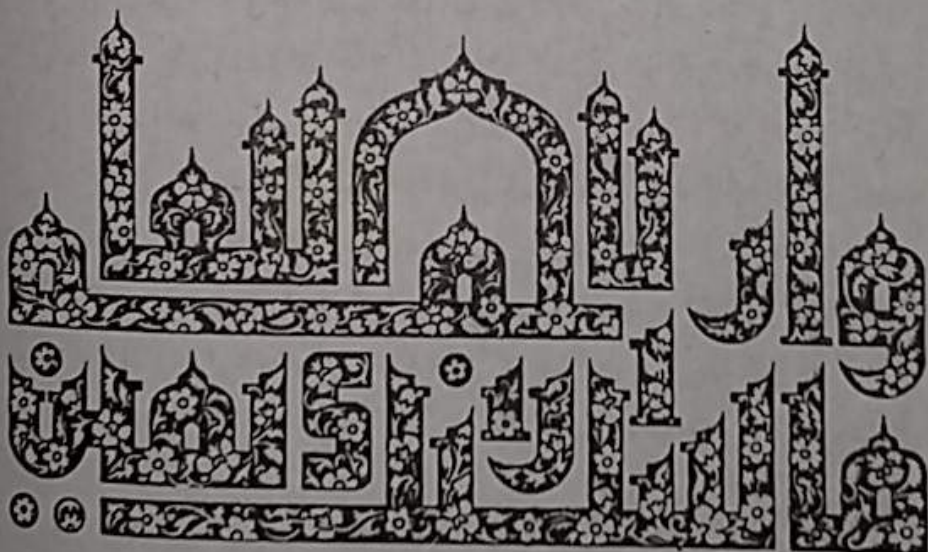
□ اللہ کی گلزار میں قرآنی آیت ﴿... وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورۃ الأنبیاء آیت ۱۰۷) بہ خطاطی نوکی

اختر بستوی کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بھارت)

اردو کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے نعت نہ لکھی ہو۔ تقریباً تمام شعرا نے رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو منظوم خراج عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہاں تک کہ سیکڑوں غیر مسلم شعرا نے نبی امیؐ پیغبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رفیع میں عقیدت و محبت کا منظوم نذرانہ پیش کیا ہے اور نعت نگاری کا فریضہ انجام دیا ہے۔ سچائی تو یہ ہے کہ اردو شاعری کا آغاز ہی نعت گوئی سے ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں :

> "اردو نعت کا آغاز بھی اردو زبان ہی کے ساتھ ہوا..... اردوئے قدیم میں صوفیائے کرام کی جکریاں اور دوسری مذہبی تصانیف اس امر کی گواہ ہیں کہ اردو نعت کے ماخذ کا ادبی ورثہ بھی وہی ہے جو اردو زبان کا ہے۔"

اس ضمن میں ڈاکٹر طلحہ رضوی برق رقم طراز ہیں :

> "اردو کو دیگر زبانوں کے درمیان یہ اعزاز و افتخار حاصل ہے کہ یہ اپنی پیدائش کے وقت سے ہی مومنہ اور کلمہ گو رہی ہے۔ صوفیائے کرام اور مبلّغین اسلام کے ہاتھوں دین متین کی ترویج و اشاعت کے لئے یہ پروان چڑھی اور شروع ہی سے اس کی توتلی زبان پر حمد و ثناء اور نعت مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہو گئی۔"

عرض مدعا یہ کہ نعت اردو کی قدیم ترین صنف ہے اور بیشتر اردو شعرا نے رسماً" تبرکاً" یا کسی مقصد کے تحت اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

ڈاکٹر اختر بستوی عصر حاضر کے مشاہیر شعرا' ادباء' محققین' ناقدین اور اساتذہ میں ایک ہیں۔ انہوں نے غزل' نظم اور قطعہ وغیرہ اصناف کے دوش بدوش نعت میں بھی اپنی تخلیقی اور شعری استعداد کا جوہر دکھایا ہے۔ ڈاکٹر اختر بستوی کی نعتیں غزل اور نظم پابند کی ہیئت میں ہیں۔

نعتیہ غزلیں

اردو میں نعتوں کی عام مروّجہ اور مقبول ترین ہیئت غزل کی ہیئت ہی ہے اور اسی ہیئت میں کہی گئی نعتیں بالعموم "نعت" سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ شعرا نے مثنوی' مسدّس' مخمّس وغیرہ میں بھی نعتیں کہی ہیں لیکن غزل کے فارم میں کہی ہوئی نعتوں کو ان کے مقابلے میں زیادہ مقبولیت

حاصل ہوئی ہے۔

ولی دکنی، فدوی، فراقی وغیرہ شعرائے دکن نے غزل کی ہیئت میں نعت کا آغاز کیا۔ شمالی ہند میں نعت کا آغاز ہوا تو ابتداً نعتیہ قصیدے لکھے گئے تاہم غزل میں بھی نعت کہی گئی۔ سودا کے ہاں غزل میں بھی نعت کا نمونہ نظر آتا ہے۔ کرامت علی شہیدی، کفایت علی کافی مراد آبادی، تمنا مراد آبادی، لطف علی خاں لطف بریلوی وغیرہ نے نعت کے لئے غزل کی ہیئت کو استعمال کیا۔ گو محسن کاکوروی کی تین مشہور نعتیں "صبح تجلّی"، "چراغ کعبہ" اور "مدیح خیرالمرسلین (قصیدہ لامیہ)" مثنوی اور قصیدہ کی ہیئت میں ہیں۔ پھر بھی محسن کے ہاں نعتیہ غزلیں بھی موجود ہیں۔ امیرمینائی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا حسن رضا خاں بریلوی اور ان کے بعد کے نعت گو شعرا نے زیادہ تر غزل ہی کی ہیئت میں نعتیں لکھی ہیں۔ عصر حاضر میں بھی زیادہ تر غزل ہی کے فارم میں نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔

دراصل نعت اور غزل کے مزاج میں ایک طرح سے ہم آہنگی ہے دونوں میں حسن و محبت کا بیان ناگزیر ہے۔ فرق یہ ہے کہ غزل میں مجازی محبوب سے گفتگو کی جاتی ہے، اس کے حسن کی تعریف کی جاتی ہے اور اس سے محبت کا اظہار کیا جاتا ہے اور نعت میں حبیب رب اکبر، مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی توصیف کی جاتی ہے اور ان سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ غزل جب تطہیر کی منزل سے گزر کر پیراہن و تقدیس زیب تن کرتی ہے تو وہ نعت کا روپ دھار لیتی ہے۔

یوں تو نعت کا موضوع بہت ہی وسیع ہے لیکن رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں عقیدت و محبت کا اظہار اس میں ناگزیر ہے اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت کے حوالے سے ان کے شہر و دیار وغیرہ سے بھی محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اظہار کا یہ انداز غزل میں بہت ہی حسین بن جاتا ہے۔ غزل میں قوافی کی وجہ سے آہنگ اور نغمگی بھی پیدا ہوتی ہے اور اس میں موسیقی کا رچاؤ ہوتا ہے۔ لہٰذا غزل میں کہی ہوئی نعتوں میں ایک رس، سوز اور جان دیدہ و دل سے لے کر کائنات سماعت میں ایک نور اور کیف اترتا سا چلا جاتا ہے۔ نعتیہ غزلیں ہی زیادہ تر محافل میلاد اور مذہبی جلسوں میں پڑھی جاتی ہیں اور ایمان کو تازگی اور خیالات کو پاکیزگی عطا ہوتی ہے۔

نعتیہ غزل کی ایک خوبی یہ بھی ہونی چاہئے کہ مطلع پڑھتے ہی یہ معلوم ہو جائے کہ نعت پڑھی جا رہی ہے--- ڈاکٹر اختر بستوی کی نعتیہ غزلوں میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کی چند نعتیہ غزلوں کے مطلعے ملاحظہ کیجئے :

جہاں ذکر محمدؐ ہی بنائے درس ایماں ہے   وہی محفل جو سچ پوچھو تو بزم اہل عرفاں ہے

○

یعنی سرکار دوعالم کی محبت دل میں ہے   دین و دنیا جس سے حاصل ہو وہ دولت دل میں ہے

○

یہ روپ ہے عمل میں خدا کی کتاب کا   کردار کہہ رہا ہے رسالت مآب کا

○

اس میں پنہاں ہے بنائے رحمت ربّ کریم   کلمۂ توحید کا ہے دوسرا جز بھی عظیم

جس کا دائرہ اس دنیائے فانی سے لے کر آخرت تک پھیلا ہوا ہے اور ایمان ہی حقیقی رحمت ہے اور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر اس رحمت کا حصول ناممکن ہے۔۔۔ مصرعہ ثانی نے اس مطلعے میں جان ڈال دی ہے اور کلمے کی تشریح کا ایک بہت ہی منفرد مگر حقیقی اور حسین انداز پیش کیا گیا ہے۔

خشک اور بجھے لب پر شادابی اور روشنی اسی وقت آتی ہے جب اس پر نام حبیب مچلتا ہے۔ نام ختم المرسلینؐ مچلتا ہے تو دل میں دیدار مدینہ کی حسرت بھی پیدا ہوتی ہے۔ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہی ہے کہ لب پر ان کا نام نامی ہو' اور دل میں ان کے شہر حسیں' شہر تمنا' مدینہ امینہ کی تمنا لہریں لے رہی ہوں۔ مطلع نمبرہ میں بھی اختر بستوی نے ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ شیفتگی کا اظہار کیا ہے۔

ڈاکٹر اختر بستوی کی نعتیہ غزلوں میں حضور نبی امیؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں محبت کے اظہار کے ساتھ ساتھ شہر حبیب مدینہ امینہ سے بھی والہانہ وابستگی کا اظہار ملتا ہے۔ یہ شعر ملاحظہ کیجئے :

قیامت میں جو رحم داور محشر کا خواہاں ہے   بسائے دل میں وہ عشق مکین گنبد خضرا

اس شعر میں حضور ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت کے ساتھ ساتھ ان کی شفاعت کا عقیدہ بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ لاریب نبی امیؐ صلی اللہ علیہ وسلم شافع محشر ہیں اور "انالہا" فرمانے والے آقا ہی کے ہاتھوں میں لواء حمد ہوگا اور یہی باب شفاعت وا فرمائیں گے۔ یوں تو شاعری خواہ اس کا موضوع کوئی بھی ہو بغیر کسی نقطۂ نظر یا عقیدے کے وجود میں آہی نہیں سکتی۔ ڈاکٹر انور سدید' ڈاکٹر وزیر آغا' ڈاکٹر سلامت اللہ اور دوسرے محققین اور اردو اسکالر اس بات پر متفق ہیں کہ نعت تو خصوصیت کے ساتھ اس کی مدحت سرائی ہے کہ جس نے عقائد اسلامی پیش فرمایا ہے اور جس کی شفاعت' وسیلہ' نورانیت اور دیگر اختیارات نیز معجزات وغیرہ پر عقیدہ ضروریات دین

سے ہے۔ لہٰذا نعت میں عقیدت کے ساتھ ساتھ عقیدے کا اظہار بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ عربی و فارسی نعت گوئی سے لے کر اردو نعت گوئی میں از ابتدا تا حال شعرائے کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے بہت سے عقائد کا اظہار کرتے چلے آرہے ہیں لہٰذا یہ بات ظاہر ہے کہ نعت عقیدہ اور عقیدت دونوں کا مظہر ہے۔ ڈاکٹر اختر بستوی نے اس شعر میں عقیدت اور عقیدہ دونوں کا حسین اظہار کیا ہے اور یہ بڑی خوبی کی بات ہے کہ ایک شعر کے ایک مصرعے میں اظہار عقیدت ہو اور دوسرے مصرعے میں عقیدے کا اظہار۔ عقیدت شفاعت پر مبنی ایک اور شعر دیکھیے ۔

پائے جو دست شافع محشر کا آسرا ڈر کیا اسے ہو سختیٔ روز حساب کا

مدینہ امینہ سے وابستگی

مدینہ امینہ خاکدان گیتی کی راجدھانی ہے اور حضور شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ پاک جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری ہے او روضۂ اقدس کا جو حصّہ زمین سے مَس ہے اس خطۂ زمین کا مرتبہ عرش سے سوا ہے۔ لہٰذا اس حیثیت سے تو ہر مسلمان کے لئے مدینہ منورہ واجب الاحترام ہے، لیکن عشق کا یہ بھی تقاضا ہے کہ عاشق کی نگاہ میں شہر محبوب سے زیادہ حسین، پیارا، باعظمت اور پاکیزہ کوئی مقام ہوتا ہی نہیں۔ وہ شہر حبیب، دیار حبیب، حبیب کے گھر، گھر کے درودیوار ہر ایک کو محترم سمجھتا ہے اور اسے ہر ایک سے محبت ہوتی ہے۔ شہر حبیب کی مٹی میں اسے بوئے حبیب آتی ہے اور اس کی گلی کے خاک کے ذروں کی تابانی اس کے لئے مہر نیم روز سے زیادہ ہوتی ہے، نیز ہر ذرہ خاک دیار حبیب عاشق کے لئے لعل و گوہر سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ مدینہ تو رب کے حبیب، سارے جگ کے طبیب، محبوب زمن کا شہر ہے۔ ظاہر ہے جب بھی کسی مومن کا دل دھڑکتا ہے تو اس کی صدائیں گنبد خضراء سے ٹکراتی ہیں اور دیدہ و دل میں سنہری جالیوں سے ابلنے والا نور اترتا چلا جاتا ہے۔ آیئے جناب اختر کی مدینہ امینہ سے وابستگی ملاحظہ فرمایئے ۔

اب ہر اک گلشن کی خوشبو ہیچ ہے میرے لئے بس گئی ہے ذہن میں گلزار طیبہ کی شمیم

○

خاک طیبہ کو میں دوں سجدوں کا نذرانہ کبھی اس سعادت کی نہ جانے کب سے چاہت دل میں ہے

○

دل میں حسرت ہے کہ جب سانسیں اکھڑتی ہوں مری
تھپکیاں دے کر تسلی دے مدینے کی نسیم

اب مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ کیجئے کہ مدینہ طیبہ سے عقیدت کے اظہار کے ساتھ کعبے کی عظمت کو بھی کس درجہ ملحوظ رکھا ہے ۔

جس قدر کعبے کی عظمت کا ہے غلبہ ذہن پر
اتنی ہی اختر مدینے کی عقیدت دل میں ہے

جناب اختر نے رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا بیان نہیں کیا ہے بلکہ ان سے اپنی محبت کا والہانہ اظہار کیا ہے۔ البتہ نبی کریم کی سیرت مقدسہ کو انہوں نے اپنی نعتیہ غزلوں کا موضوع بنایا ہے اور حقیقتاً" محسن انسانیت' سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین اسوہ ہی ان کی حیات و شخصیت کا وہ انوکھا اور نرالا پہلو ہے جس نے پتھروں کو موم اور شعلوں کو گلہائے معطّر میں تبدیل کیا ہے۔ آیئے اس مقدس موضوع پر جناب اختر کا انداز دیکھتے ہیں ۔

پیام حق کا ہے محبوب حق سے دائمی رشتہ
کہ سیرت احمد مختار کی تفسیر قرآں ہے

○

کردار کہہ رہا ہے رسالت مآب کا
یہ روپ ہے عمل میں خدا کی کتاب کا

نعت و منقبت کا امتزاج

دکن میں اردو شاعری کی ابتدا سے ہی حمد کے ساتھ نعت اور نعت کے ساتھ منقبت کو شامل کرنے کا رواج پڑ چکا تھا۔ میراں جی شمس العشاق (م ۹۰۵ ھ)' خواصی' ملاّ وجہی' ولی دکنی وغیرہ کے ہاں اس طرح کے نمونے نظر آتے ہیں۔ شعرائے مابعد نے بھی نعت کے ساتھ منقبت کی شمولیت کا التزام رکھا ہے۔

ڈاکٹر اختر بستوی کے ہاں بھی نعت و منقبت کا یہ حسین امتزاج موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی ایک نعت ملاحظہ کیجئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے ساتھ ان کے چار یاروں سیدنا صدیق اکبرؓ' حضرت عمر فاروقؓ' حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کی منقبت کے اشعار دیکھئے۔ نعت کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں ۔

دل میں دیدار مدینہ کی تمنا چاہئے
نام نامی لب پہ ختم المرسلین کا چاہئے

مومنوں کو اس کی الفت کا سہارا چاہئے
جس سے کرتا ہے محبت خالق ارض و سما

اس کے بعد منقبت کے اشعار شروع ہوتے ہیں ۔

اہل دیں کی بزم میں ان کا بھی چرچا چاہئے
وہ جنہیں شاہِ اُمم نے خود کہا تھا اپنا یار

جس نے جھیلا کربِ غارِ ثور اس سے پوچھئے
عشق محبوبِ خدا سینے میں کیسا چاہئے

عرش نے تسلیم کی تھی جس کی تجویزِ اذاں
اس کے اعلیٰ مرتبے میں شک نہ اصلاً چاہئے

مول لے کر بئرِ روما کو کیا تھا جس نے عام
تشنگی بیتِ شرف میں اس کی دیکھا چاہئے

بسترِ نبویؐ پہ سویا تھا جو بے خوفی کے ساتھ
راہِ حق میں درسِ جرأت اس سے لینا چاہئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو "نجوم" اور اہل بیت کو "کشتی" فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ میری امّت نے ان دونوں میں سے جس کسی کی پیروی کی، اس کا بیڑا پار ہو جائے گا۔ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کی محبت بھی حضور علیہ السلام ہی کی محبت ہے۔ ڈاکٹر اختر بستوی نے مدحِ صحابہ کرام کے انداز میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

نعتیہ نظمیں

ڈاکٹر اختر بستوی نے غزل کی مروّجہ صورت کے ساتھ ساتھ نظم میں بھی نعتیں کہی ہیں۔ دراصل غزل میں ردیف و قوافی کا خصوصی انداز کا التزام مخصوص نظامِ فکر و فن کا تقاضا کرتا ہے، لیکن نظم میں خیالات و افکار کی وسعت کو برتنے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر اختر بستوی کی نعتیہ نظمیں موضوعاتی ہیں مثلاً" انسانِ کامل، بارشِ رحم و کرم، احمد مرسل کا پیغام، معراج، مشعل وغیرہ

۱۔ نظم ---- "انسانِ کامل"

پیغمبر آخرالزّماں صلّی اللہ علیہ وسلم "نور" بھی ہیں اور "بشر" بھی۔ آپ ہی کا نور پیشانی آدم میں موجود تھا جس کے سبب خدائے لم یزل نے فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم دیا۔ حضور دنیا میں تشریف لائے تو لباسِ بشری میں تشریف لائے اور ان کی بشریت کاملہ نے جبینِ آدم کی نورانیت اور وقار کی لاج رکھ لی اور فرشتوں کو ان کی اس بشریت کاملہ کو دیکھ کر اپنے سجدوں کی گرانقدری کا احساس ہوا اور آدم خاکی کو سجدہ کرنے پر فخر محسوس ہونے لگا۔ سرکار علیہ السلام کی بشریت کاملہ نے انسانیت اور آدمیت کا بول بالا کردیا۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، اس حقیقت کا ثبوت بن کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ زیر نظر نظم میں ڈاکٹر بستوی نے پیغمبر آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم کے انسان کامل ہونے، ان کی مصطفائی، شفاعت، انبیاء کی امامت و سرداری، ان کی لائی ہوئی آخری کتاب الٰہی قرآن حکیم کی جامعیت اور حصولِ معراج، قربِ خداوندی اور دیدار

الٰہی وغیرہ کا بہت ہی خوبصورت اور حقیقی بیان کیا ہے۔ یہ نظم پانچ بندوں پر مشتمل ہے۔ اور اس کا آخری بند پوری نظم کا خلاصہ اور عطر ہے۔ بند ملاحظہ کیجئے۔

سوچ سکتا ہے کوئی انساں کی جتنی خوبیاں
سب مکمل طور سے تھیں اس کی سیرت میں نہاں
وہ شرافت، جس کی مل پائے نہ دنیا میں مثال
وہ مروّت، ڈھونڈھنا جس کا مقابل ہو محال
وہ صداقت، حشر تک جس کا نہ ہو کوئی جواب
وہ عدالت، ہمسری جس کی ہو دیوانے کا خواب
وہ اخوّت، جس کے قائل ہوں سدا شاہ و فقیر
وہ محبت، رہتی دنیا تک رہے جو بے نظیر
میں کہاں تک ان محاسن کو گناؤں گا بھلا
جو ہوئے تھے، سب سے بہتر روپ میں، اس کو عطا
یوں سمجھئے ہر وہ خوبی، ہو جو انسانی صفت
اس کی سیرت میں سما کر پا گئی تھی کُلّیت
دہر میں اختر نہ آیا ہے نہ آئے گا نظر
احمد مرسل کے جیسا کوئی بھی کامل بشر

الفاظ کی نشست و برخاست، بندش کی چستی، خیالات کا بہاؤ اور صداقت کا لہریں لیتا ہوا نور اس نظم میں دید کے قابل ہے۔

۲۔ نظم ــــ "بارش رحم و کرم"

رب عظیم نے اپنے حبیب لبیب نبی آخرالزّماں صلّی اللہ علیہ وسلم کو دین حق اور رسالت و ہدایت کے ساتھ دنیا سے کفر و شرک اور ظلم و جہل مٹانے اور روئے زمین پر حق و صداقت کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا اور اسی لئے انھیں جملہ اوصاف و کمالات و اختیارات عطا کئے تھے اور سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ ان کے رحم و کرم کی بارش نے جہاں عالم انسانیت پر بے ساختہ پیار لٹایا وہاں انسانی اور اخلاقی اقدار کے راستے میں حائل خباثت و ضلالت کے ہر پتھر کو بھی ریزہ ریزہ کردیا۔ ان کی آمد آمد سے جبین انسانی کے سجدوں کو وقار و قرار حاصل ہوا۔ صداقت کے ہونٹوں پر تبسّم کا اجالا پھیلا اور توحید اور حق کے نغموں کو ترستے ہوئے کانوں

میں حق و صداقت کا امرت رس ٹپکنے لگا۔ زیر نظر نظم "بارش رحم و کرم" میں ڈاکٹر اختر بستوی صاحب نے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے عہدہ تیرہ کا آئینہ دکھایا ہے اور پھر مصطفےٰ جان رحمت کی بعثت اور ان کے رحم و کرم کی بارش کا منظر بھی پیش فرمایا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

یاد آتا ہے مجھے رہ رہ کے وہ دور سیاہ
بن گیا تھا جب عرب ابلیس کی آماجگاہ
کر چکا تھا سب کے ذہنوں پر اثر سحر گناہ
ہو چکی تھی کشت ایماں کفر کے ہاتھوں تباہ
دیکھ کر حق کا لہو انسانیت بھرتی تھی آہ
مانگتے تھے ابن آدم سے درندے بھی پناہ

ایسے آڑے وقت میں انساں کے کام آئی وہ ذات
جس کے آنے کی ازل سے منتظر تھی کائنات
جس کے دل میں موجزن تھا چشمۂ آب حیات
جس کی نظروں میں شفا تھی جس کی باتوں میں نجات
یعنی وہ برحق نبی جس کا محمدؐ نام تھا
جس کے ہاتھوں میں خدا کا آخری پیغام تھا

جس نے آتے ہی بدل ڈالا زمانے کا نظام
اٹھ گیا صحن جہاں سے کفر کا منحوس دام
کٹ گئے ظلموں کے پھندے ہو گیا انصاف عام
مل گیا انسانیت کو پھر وہی اعلیٰ مقام
عظمت آدم کے سکّے ہو گئے ہر سو رواں
نسل انسانی نے پائی دولت امن و اماں

اس کے بعد جناب اختر اپنے عصر کی تیرگی اور کفر کی حکمرانی کا آئینہ دکھاتے ہوئے پھر اسی نبی کے پیغام حق کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ دنیا میں حق و صداقت اور امن و محبت کا پھریرا لہرائے

پھر ضرورت ہے اسی باطل شکن پیغام کی
دور کی تھی جس نے دنیا سے بلا اوہام کی

برکتیں بتلائی تھیں جس نے خدا کے نام کی
ہو گئی تھی ختم جس سے بندگی اصنام کی

جس کے ہر ہر لفظ میں پنہاں تھا اک درس عظیم
جس نے دکھلائی تھی انسانوں کو راہ مستقیم

اس کے بعد دردمند اور حساس شاعر اہل حرم اور نبی کے جاں نثاروں کو میدان عمل میں اتر کر نبوی پیغام کو عام کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ یہ صحرائے کائنات گلزار میں تبدیل ہو سکے اور اس پر بجا طور سے جنت کی مثال لاگو ہو سکے اور اشرف المخلوقات ملائکہ کی نظر میں پھر محترم ہو جائے۔

اس نظم میں ڈاکٹر اختر بستوی کے فکر کی نزاکت و بلاغت اور بیان کا جوش عروج پر ہے۔ مضمون آفرینی کا بھی کمال دکھایا ہے۔ لفظوں کو نئے مفاہیم عطا کئے ہیں اور خوبصورت لفظی تراکیب کے جلوے بھی دکھائے ہیں۔ پوری نظم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت اور ان کے عظمت کی آئینہ دار ہے۔

۳۔ نظم ــــ "احمد مرسل کا پیغام"

زیر نظر نظم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے متعلق ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کے حق و عدل و مساوات اور امن و محبت و رحمت کے درس حسیں اور پیغام دلنشیں کا بیان ہے۔ نظم کا آخری شعر

آیئے دہر میں پھیلائیں محمدؐ کا پیام
جس سے جمہور کو حاصل ہو خدا کا انعام

ڈاکٹر اقبال کے شعر

دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دیں
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دیں

کی یاد بھی تازہ کرتا ہے اور اس کی ایک حسین اور جامع شرح بن کر فکر و عمل کا پیغام بھی دیتا ہے۔

۴۔ نظم ــــ "معراج"

واقعہ معراج انسانی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ ہے یہ ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا نمایاں ترین شرف ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ اور عالم انسانیت کے لئے ایک عظیم اعزاز ہے۔ تقریباً" ہر نعت گو شاعر نے معراج مصطفیٰؐ کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں کئی باقاعدہ معراج نامے بھی ملتے ہیں۔

ڈاکٹر اختر بستوی نے اپنی نعتیہ غزلوں میں بھی اس موضوع پر اشعار شامل کئے ہیں۔ ان کی ایک نعتیہ غزل کا یہ شعر خاص طور سے قابل دید ہے ۔

قدم پہنچے تھے جن کے' رفعتوں کی آخری حد تک

عروج آدم خاکی انہیں کے زیر داماں ہے

زیر نظر نظم کا عنوان ہی اس بات کا غماز ہے کہ یہ واقعہ معراج سے متعلق ہے لیکن اس نظم میں واقعہ معراج کا بیان نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر اختر صاحب نے اس واقعے کو کئی زاویوں سے دیکھا ہے۔ بالخصوص جناب اختر نے اس واقعے کے پس منظر میں عبد خاص خدا و حبیب اکبر خدا کی سارے انبیاء و مرسلین پر برتری و فضیلت اور ان کی عظمت کو آشکارا کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

نہ جانے کتنے ایسے لوگ اس دنیا میں گزرے ہیں   کہ جن کو قرب و دیدار الہی کی تمنا تھی
مگر ملتی نہیں ہے یہ سعادت زور بازو سے   بغیر مرضی حق آرزو ہی اس کی بیجا تھی۔

○

بنایا تھا جسے محبوب اپنا ذات باری نے   اسی کے واسطے مخصوص کر رکھی تھی یہ عزت
دکھایا اس کو جلوہ بھی دیا اس کو تقریب بھی   جہاں والوں پہ ظاہر اسکے رتبے کی ہوئی عظمت

○

شب معراج سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے   کہ ہستی احمد مرسل کی دنیا میں تھی لاثانی

جناب اختر معراج سید انبیاء کو مسلمانوں کی خوش بختی بتاتے ہیں کہ انہیں ایسے عظیم تر ہادی کی امت کا شرف ملا اور یقیناً یہ حق ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں

محمدؐ مصطفیٰ کا درس آفاقی ملا تم کو

پیام تاجدار انبیاء کے تم ہوئے حامل

○

یہ پیغام ہدایت حاصل تقدیر انساں ہے

تم اپنوں کے علاوہ اس کو غیروں تک بھی پہنچاؤ

کرو ہر ہر بشر پر منکشف اس کی ہمہ گیری

جو ناواقف ہیں اس سے، ان کو اس کا فیض سمجھاؤ

۵۔ نظم ––– "مشعل"

سیرت نبوی نے انسانیت اور تاریخ عالم پر جو اثرات مرتّب کئے ہیں وہ نعت کا نہایت اہم موضوع ہیں۔ ہر دور میں نعت گو شعرا نے سیرت مقدسہ کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ عصر حاضر کے شعرا خصوصیت کے ساتھ سیرت رسول اکرم کو نعت کا موضوع بنا رہے ہیں۔ دراصل سیرت نبوی ہی وہ روشنی ہے جس سے ہر تیرگی کو کاٹا جا سکتا ہے اور اسی کی رہنمائی میں دنیا اور دین کا ہر راستہ کامرانی کے ساتھ طے کیا جا سکتا ہے۔ خود قرآن کریم نے بھی انسانوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت کو اپنانے اور اس کی پیروی کی تلقین فرمائی ہے۔ "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ" فرما کر۔

ڈاکٹر اختر بستوی نے بھی سیرت رسول اکرم کو اپنی نعت میں نمایاں جگہ دی ہے اور ظلمت و جہالت، بہیمت و وحشت اور کرب و کلفت کے اندھیرے کو اسی روشنی سے دور کرنے اور مٹانے کا پیغام دیا ہے۔ دراصل یہی سیرت وہ "مشعل" ہے جو محافظ بھی ہے اور رہنما بھی۔

زیر نظر نظم "مشعل" میں ڈاکٹر اختر نے عصر حاضر کی بدامنی و بدعنوانی کا آئینہ دکھاتے ہوئے نائبین رسول اکرم کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے کہ تم ہی وہ ہو جو سیرت مصطفویؐ کی مشعل لے کر زمانے کی رہنمائی کر سکتے ہو اور تاریکی کے ہر حصار کو توڑ کر انسانی دکھ درد کا علاج اور ہر مسئلے کا حل فراہم کر سکتے ہو۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

آج دنیا میں جدھر دیکھئے تاریکی ہے
ظلم ہے جبر ہے مجبور و محکوی ہے

○

ذہن مسموم ہیں افکار میں ویرانی ہے
جسم محکوم ہیں اور روح پہ پابندی ہے

○

پیار کی قدر نہیں مہر و وفا کچھ بھی نہیں
پاس تقدیس نہیں شرم و حیا کچھ بھی نہیں
حق ہوا بند کتابوں میں روایت ہو کر
زندگی رہ گئی اس دور میں لعنت ہو کر

○

آج طوفانوں کے ماروں کو ہے ساحل کی تلاش
یعنی انساں کو ہے اک رہبر کامل کی تلاش

اس کے بعد ڈاکٹر اختر نقیبان حرم یعنی نائبین رسول اکرمؐ سے مخاطب ہوتے ہیں ۔

اے نقیبان حرم حسن شناسان بہار
تم سے ٹوٹے گا زمانے کے اندھیرے کا حصار

تم ہی کر سکتے ہو سوتی ہوئی روحیں بیدار
تم جو چاہو گے تو مٹ جائیں گے سارے آزار

تم نے ہر دور میں انسان کو انسان کیا
مشکل دہر کو ہر گام پہ آسان کیا

نظم کے آخری بند میں جناب اختر ہر دکھ درد کا علاج اور ہر مسئلے کا حل پیش کرتے ہیں ۔

اٹھو اس دور کی مشکل کا بھی اک حل لے کر سارے دنیا کے لئے دعوت اکمل لے کر
مشعل سیرت انسان مکمل لے کر یعنی نور نگہ احمد مرسل لے کر
یہ وہ مشعل ہے جسے دہر کا حاصل کہئے دشمن ظلمت بت خانہ باطل کہئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت یقیناً نور ہے' روشنی ہے' مشعل ہے' شفا ہے اور ہر مسئلے کا حل ہے۔ نظم کا عنوان بھی خوب ہے اور اس عنوان کو سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ڈاکٹر اختر بستوی نے بخوبی نبھایا ہے۔

خلاصۂ کلام

ڈاکٹر اختر بستوی کی نعتیہ غزلیں اور نظمیں عقیدت اور عقیدے کی مظہر ہیں۔ انہوں نے حضور شافع یوم النشور کی شفاعت کا خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر اختر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا والہانہ اظہار فرمایا ہے اور محبت نبوی کے حوالے سے مدینہ کی زیارت کی تمنا بھی کی ہے اور اس حسرت کا بڑا خوبصورت اور پاکیزہ اظہار کیا ہے۔ ان کی نگاہوں میں خاک طیبہ کی عظمت بسی ہوئی ہے اور وہ اسے سجدوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے بے قرار ہیں۔ گنبد خضرا کے حسن اور اس کی بہار اور شادابی کے سامنے انہیں دنیا کا ہر حسین نظارہ بے اثر اور ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ بلاشبہ ان کی نعت گوئی کا جوہر ان کی داخلی کیفیات اور محبت

رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کا والہانہ پن ہے۔

سیرت مصطفیٰ جناب اختر کی نعتیہ شاعری کا وسیع و رفیع موضوع ہے جس کو انہوں نے طرح طرح کے رنگوں میں پیش کیا ہے۔ وہ سیرت مصطفیٰ کو آفاق گیر نظام کا سلسلہ بہاراں قرار دیتے ہیں۔ نبی اُمّی علیہ السلام کی تعلیم کو نور و نکہت ٹھہراتے ہوئے نسل انسانی پر آپ کے احسانات کو بیکراں بتاتے ہیں اور حال سے استقبال تک آپ کے انوار کو پھیلا ہوا دکھاتے ہیں اور نہ صرف سرکار کی امت اجابت بلکہ امت دعوت یعنی عالم انسانیت کو انہیں کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ معراج مصطفیٰ میں بھی سرکار کے شرف و فضیلت کے حوالے سے انسانی عظمت و برتری ثابت کرتے ہیں۔ اور درس مصطفیٰ کی ہمہ گیری کو اپنوں اور بیگانوں پر منکشف کرنے کا پیغام دیتے ہیں۔

ڈاکٹر اختر بستوی کی نعتیہ غزلوں کی زبان بہت ہی شگفتہ ہے۔ بیان میں سادگی مگر پُرکاری اور بلا کی روانی ہے۔ لہجہ بہت مدہم، نرم اور معطّر و شاداب ہے۔ جناب اختر اپنی نظم گوئی کے لئے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کی طویل نظمیں لاجواب ہیں، بالخصوص ان کی طویل نظم "نغمۂ شب" ایک شاہکار نظم ہے۔ ڈاکٹر اختر کی نعتیہ نظمیں زبان و بیان کی تمام خوبیوں سے آراستہ ہیں۔ ان کی نظمیں زور بیان کا بہترین نمونہ ہیں۔ شکوہ الفاظ و تراکیب اور صوتی خوش آہنگی کے خوبصورت نمونے بھی اختر صاحب کے ہاں ملتے ہیں۔ ان کی نعت جن خارجی خوبیوں سے مزیّن ہے وہ کہیں بھی ان کے اظہار جذبات یا ترسیل فکر میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ جناب اختر کی نعتوں سے ان کی تخلیقی حرکیت آشکارا ہے۔ انہوں نے محاورات اور ضرب الامثال وغیرہ سے اپنے اشعار کو بوجھل نہیں کیا ہے۔ تشبیہات و استعارات بلاشبہ عروس شاعری کے زیور ہیں لیکن ان کے انداز بیان نے اشعار کو خود ایسا فطری حسن عطا کر دیا ہے اور انہوں نے ان میں اپنے فکر کی نزاکت و بلاغت کا ایسا حسن سمو دیا ہے کہ ان زیورات کے بغیر ان کے حسن میں کوئی خامی نظر نہیں آتی بلکہ یہی سادگی اور معصومیت ان کی نعت گوئی کی زہرہ جبیں کے حسین زیور ہیں۔

تلمیح

نعت گوئی میں تلمیح ناگزیر ہے اور اس کی وجہ سے نعت کے وقار اور اس کی گرانقدری میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ البتہ اس کے لئے بھی سلیقہ چاہئے اور دور ازکار تلمیحات سے گریز کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر اختر کی تلمیحات عام فہم ہیں۔ مثلاً:

خود بخود محبوب حق کو مل گئی معراج
وہ فضیلت جس کی خواہش کر کے پچھتائے کلیم

جس نے جھیلا کرب غار ثور اس سے پوچھئے
عشق محبوب خدا سینے میں کیسا چاہیے

غزل گوئی اور نظم نگاری کی طرح ڈاکٹر اختر بستوی نعت گوئی میں بھی کامیاب ہیں۔ محمدی عظمت کا پرچم ابد کی چوٹیوں پر ایک شان کے ساتھ لہرا رہا ہے۔ اور اس کے سائے تلے ڈاکٹر اختر بستوی کامرانیوں سے شاد کام ہو رہے ہیں۔

عزیز احسن

صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری

حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالیاتی اظہار

شعر جذبوں کے جمالیاتی اظہار کا وسیلہ ہے۔ لفظ جب احساس سے ہم آہنگ ہو جائے اور اظہار میں گلاب کی مہک آنے لگے تو سمجھئے کہ شاعر اپنے احساس کی صحیح ترجمانی کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ جس شعر میں یہ کیفیت نہ ہو وہ برنائے اوزان و بحور شعر تو کہلا سکتا ہے لیکن وہ شعریت سے خالی ہو گا جیسے بے روح بدن۔

عرب تو اس نثر کو بھی شعر سمجھتے تھے جس میں احساس جمال منعکس ہوتا تھا۔ قرآن کریم کو عروض کے پیمانوں اور شعری اوزان و بحور سے مبّرا ہونے کے باوجود شعر اس لئے کہا گیا کہ عربوں کی شعری دانش میں اظہار کی خوبصورتی اور بیان کی بلاغت ہی شعر کا درجہ رکھتی تھی۔ (ہمارے ہاں نثری شاعری (نثری نظم نہیں) کا چرچا بھی میرے نزدیک عربوں کی شعری دانش کی بازیافت ہی کا عمل ہے۔) لیکن چونکہ قرآن کریم ازلی اور ابدی حقیقتوں کا آئینہ ہے اور ایک عظیم مقصد کے لئے نازل کیا گیا ہے اس لئے خود اللہ رب العزت نے قرآن کے شعر ہونے کی تردید فرمائی۔ اس تردید کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کہیں انسان بیان کے جمالیاتی اسلوب کو واہ واہ تک محدود نہ کردے۔ اس کے باوجود رب تعالیٰ نے قرآن کا اسلوب نہیں بدلا۔

مسلمان قرآن کے قاری بھی ہیں اور کسی حد تک اس پر عامل بھی (کاش مکمل عامل ہوجائیں) لہٰذا صداقتوں کا حسن بیان تو ان کے خمیر میں شامل ہے۔ اس لئے عرب کے اولین نعتیہ نمونوں میں سچائی اور بیان کی خوبصورتی دونوں ہم آمیز تھیں۔

مدحت سرور کونین کا جذبہ جب اشاعت دین کے ہمراہ عجم میں پھیلا تو یہاں بھی لوگوں نے جذبۂ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظوں میں سجانا شروع کردیا، لیکن کچھ تو صداقتوں کا صحیح ادراک نہ ہونے کے باعث اور کچھ زبان کی کم مائیگی کی وجہ سے بیشتر شعراء حسن بیان کے مطلوبہ معیار کو نہ چھو سکے۔

اردو میں نعت گوئی کا آغاز ہوا تو اس زبان کی صغر سنی اور شعراء کی فنّی ناپختگی کے باعث مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ معیارِ جمال نہ مل سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نعتیہ شاعری کی تاریخ میں بیان کے جمالیاتی پہلوؤں سے ہم آہنگ، صداقتوں کے بلاکم و کاست ابلاغ و اظہار کی

توفیق پانے والے شعراء کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ ایسے شعراء میں نمایاں ترین نام محسن کاکوروی کا ہے جن کا احساس جمال اور اسلوب نگارش ایک استثنائی حوالہ ہے۔

عہد حاضر میں البتہ نعت کے جمالیاتی اظہار پر قادر اور موضوع کے تقدس کا ادراک رکھنے والے کچھ شعراء کے نام سامنے آتے ہیں جن میں عبدالعزیز خالد، حفیظ تائب، عاصی کرنالی، مظفر وارثی، حنیف اسعدی، حافظ لدھیانوی، نعیم صدیقی، عنبر بہرائچی اور ریاض حسین چودھری وغیرہم کی شاعری خاصی حد تک جمالیاتی اسلوبِ بیان کی آئینہ دار ہے۔

نعت کے موضوع کا لحاظ رکھ کر اپنی بات کو حسنِ بیان کی منزلوں سے ہمکنار کرنے والے شعراء میں اب ایک نام کا اضافہ ہوا ہے اور وہ نام صبیح رحمانی کا ہے۔

صبیح رحمانی کو بہت کم مدّت میں مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کتابی نذرانے پیش کرنے کی سعادت ارزانی ہو چکی ہے۔ "ماہ طیبہ" (۱۹۸۹ء)، "جادۂ رحمت" (۱۹۹۳ء) اور "خوابوں میں سنہری جالی ہے" (۱۹۹۷ء)۔ مؤخرالذکر کتاب مرتب کرنے کی سعادت راقم الحروف نے پائی۔ ان تمام شعری مجموعوں کی شاعری پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے شعریت پر بھی اتنا ہی دھیان دیا ہے جتنا شریعت کا احترام ملحوظ رکھا ہے۔ ان مجموعوں میں بیانِ جمال اور جمالِ بیان کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ شاعر کی شعری دانش پر حیرت ہونے لگتی ہے۔ شاعر کی کم عمری اور کلام کی پختگی اس حیرت میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہے۔

تشبیہات و استعارات، بیان کے حسن کو بڑھاتے ہیں۔ لیکن تشبیہات و استعارات میں ندرت پیدا کرنے میں ہر شاعر کو کامیابی نہیں ہوتی۔ صبیح کو صغرسنی کے باوجود خوبصورت تشبیہات تراشنا اور نازک استعارات برتنا آگیا ہے اور وہ نعت گوئی میں اس صلاحیت سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مجرّد احساسات اور خیالات کو شاعر جب خوبصورت تجسیمی عمل سے گزارتا ہے اور کسی ایک حسّی کیفیت کو دوسری حس کے ذکر سے مرئی بنا کر پیش کرتا ہے تو یہ شعری عمل احساسی کیفیت یا احساسی رویّے (Sensuousness) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صبیح رحمانی کی شاعری میں یہ عمل اس طرح کارفرما نظر آتا ہے کہ قاری کو احساس ہوتا ہے کہ نعت کے حوالے سے شاعر نے کوئی نئی شعریات یعنی نئی Poetics دریافت کی ہے۔ احساسی کیفیت کے حامل چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

خواب روشن ہو گئے مہکا بصیرت کا گلاب
جب کھلا شاخِ نظر پر ان کی رویت کا گلاب

شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوئی تو

فضا میں روشنی پھیل گئی اور اسے بصیرت مل گئی۔ لیکن خواب کے جمالیاتی پیرایۂ بیان کی وجہ سے خواب کا تجربہ رنگ و نور کا حسین مرقع بن گیا۔ شاعر نے بصیرت کو گلاب سے تعبیر کیا اور عطر بیز بنا دیا اور دیدار آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا براہِ راست ذکر کرنے کے بجائے نظر کو شاخ اور رویت کو گلاب کہہ کر شعر میں خوابناک فضا پیدا کر دی۔

خلق کی خوشبو تمام ادوار میں رچ بس گئی
باغ ہستی میں کھِلا یوں ان کی شفقت کا گلاب

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کو خلق عظیم ملا ہے اور قیامت تک نوع انسان کو آپ ہی کے خلق کی مثال پیش نظر رکھنی ہوگی--- اور خلق محمدیؐ کی خوشبو' شفقت کے بغیر پھیل ہی نہیں سکتی' لہٰذا شاعر نے خلق محمدیؐ کی خوشبو پھیلانے اور اس عمل کا استمرار ظاہر کرنے کے لئے باغ ہستی میں شفقت کے گلاب کو کھِلا ہوا دکھایا۔ شفقت ایک لطیف رویّہ ہے جو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے اس لئے اس رویّے کو مرئی (Tangible) بنانے کے لئے کسی مادّی شے سے تشبیہ دینے کی ضرورت تھی چنانچہ شاعر کی نگاہِ انتخاب گلاب پر پڑی جو مادّی ہونے کے باوجود اپنی لطافت میں یکتا ہے۔ اس طرح شاعر نے شعر کو مصوری کا نمونہ بنا دیا۔

لمحے لمحے پہ آیات کا نور ہے نعت کا نور ہے!
نور افشاں درودی فضا دم بہ دم ہیں مواجہ پہ ہم

اس شعر میں احساسی کیفیت تو اس طرح پیدا ہو گئی کہ جو چیزیں سماعت سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً" آیات' نعت یا درود شریف وہ سب کی سب نور کے سانچے میں ڈھل گئی ہیں۔ اس طرح سماعت کو بصارت کا پردہ دے کر شاعر نے ضیافتِ نظر کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ دوسری بات جو اس شعر کی ردیف "ہیں مواجہ پہ ہم" دیکھ کر ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حاضری کے ان خاص اور مقدس لمحوں کو جو چودہ سو سال سے مسلسل زائرینِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محض خاموشی سکھاتے تھے اب' صبیح کی اس نعت کے توسط سے گویائی میسر آگئی ہے۔ مواجہ شریف پر قلبِ مومن کی جو کیفیت ہوتی ہے' خود احتسابی کا جذبہ جس طرح بیدار ہوتا ہے اور نفس لوامہ جس طرح جھنجھوڑتا ہے اس کی پوری کہانی شاعر نے بلا تصنّع بالکل فطری انداز میں بیان کر دی ہے۔ دل چاہتا ہے یہ مکمل نعت یہاں نقل کر دوں۔

کھویا کھویا ہے دل' ہونٹ چپ' آنکھ نم' ہیں مواجہ پہ ہم
روبرو انؐ کے لایا ہے انؐ کا کرم' ہیں مواجہ پہ ہم

لمحے لمحے پہ آیات کا نور ہے' نعت کا نور ہے

نور افشاں درودی فضا دم بہ دم، ہیں مواجہ پہ ہم

ایک کونے میں ہیں، سر جھکائے ہوئے، منہ چھپائے ہوئے
گردنیں ہیں کہ بارِ ندامت سے خم، ہیں مواجہ پہ ہم

آنسوؤں کی زباں، کر رہی ہے بیاں، ان سے احوال جاں
صرف اپنا نہیں، پوری امت کا غم ہیں مواجہ پہ ہم

ہر اندھیرا مقدّر کا چھٹنے لگا، دور ہٹنے لگا
قریۂ نور میں آگئے ہیں قدم، ہیں مواجہ پہ ہم

مسکراتی ہوئی ہر تجلّی ملی، کیا تسلّی ملی
دور ہوتے گئے، سارے رنج و الم ہیں مواجہ پہ ہم

سب طلب گار حرفِ شفاعت کے ہیں اُن کی رحمت کے ہیں
چہرے چہرے پہ ہے اک سوالِ کرم، ہیں مواجہ پہ ہم

حاضری کے لمحات کو جس حسیت، کرب، احساس ندامت اور شاعرانہ اسلوبِ اظہار سے صبیح عکس بند کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ ان کی انفرادی شان نمایاں کرنے کے لئے کافی ہے۔

ملاحظہ ہوں چند اور اشعار

زباں سے نکلا جو صلّ علیٰ مواجہ پر ٭ چراغ بن گئے حرف و نوا مواجہ پر
درود پڑھتی ہوئی ساعتوں کے جھرمٹ میں ٭ سلام پڑھتا ہوا میں بھی تھا مواجہ پر

یا

بیٹھا ہوں نبیؐ کے قدموں میں صدیاں سمٹی ہیں لمحوں میں
اس حاضری اور حضوری پر دل وجد میں ہے جاں وجد میں ہے

پڑھتی ہے ہوا قرآن یہاں، کرتا ہے وضو ایمان یہاں
اللہ غنی یہ کیف و اثر دل وجد میں ہے جاں وجد میں ہے

پلکوں پہ دیئے جھلمل جھلمل لفظوں کا ادا کرنا مشکل
جذبوں کی زباں ہے چشمِ تر دل وجد میں ہے جاں وجد میں ہے

بجھتی ہوئی آنکھوں کو لے کر حاضر ہوں صبیح مواجہ پر

ہر منظر ہے معراج نظر دل وجد میں ہے جاں وجد میں ہے

اسی قسم کی شاعری کے بارے میں پوپ نے کہا تھا

All art is nature to advantagedrest. What oft was thought but never so well exprest.

پوپ کی ان لائنوں کا ترجمہ فراق گورکھپوری نے جس خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ کیا ہے شاید ہی کسی اور نے کیا ہو--- کہتے ہیں "فن کی تمام تر خوبی یہ ہے کہ زندگی کے مسلمات اور پنچایتی خیالات اور معتقدات کو حسین طریقے پر ظاہر کر دیا جائے۔ یعنی جو بات سب جانتے اور مانتے تھے لیکن جس کا اب تک اس خوش سلیقگی سے اظہار نہیں ہوا تھا۔"

صبیح کی شاعری میں باغات اور اجالوں ہی کے تلازمے زیادہ ہیں۔ ایک طرف تو وہ اپنی شاعری میں پھول، موسم، باغ، گلشن اور گلاب وغیرہ کا ذکر کر کے اپنے شعری ارٹنگ کو باغ باغ بنانا چاہتے ہیں، دوسری طرف دھوپ، سورج، مہتاب، ستارے، چراغ اور روشنی کے ذکر سے وہ اپنے ایوانِ شاعری میں ہمیشہ اجالا رکھنے کے متمنی نظر آتے ہیں۔ پھول، خوشبو اور باغ کی نقش بندی اور شعری تصویر کشی کی مثالیں تو پیش کی جا چکی ہیں۔ اب ذرا روشنی کے تلازمات ملاحظہ ہوں۔

جلنے لگے ہیں میری نوا میں چراغ سے
جب سے لبوں پہ اسم گرامی نبیؐ کا ہے

لبوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آنے سے صرف شاعر کی ذات ہی منور نہیں ہوئی بلکہ اس نام پاک کی برکت سے شاعر دوسرے لوگوں تک روشنی پہنچانے کا وسیلہ بھی بن گیا ہے کیونکہ اب اس کی نوا میں چراغ سے جلنے لگے ہیں۔ شاعر خوش نوا نے اس شعر میں اپنی آواز کو چراغ سے تعبیر کیا ہے۔ اس طرح شعریت اور احترام موضوع (نعت) کا تاثر بھرپور طریقے سے اس شعر میں منعکس ہوگیا ہے حالانکہ مومن خاں مومن کے عہد سے اب تک خوش آوازی کو شعلہ کی چمک (یا لپک) سے تشبیہ دی جاتی رہی ہے۔ (شعلہ سا چمک (یا لپک) جائے ہے آواز تو دیکھو) لیکن نعت کے لئے چراغ کی تشبیہہ ہی موزوں تھی کیونکہ چراغ خود روشن ہو کر دوسروں کو روشنی بخشتا ہے۔ شاعر کی بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے طاق جاں میں تو نسبتوں کے ایسے چراغ روشن ہو گئے ہیں جن کی درخشندگی نے اسے تیرگی کے خوف سے ہمیشہ کے لئے آزاد کردیا ہے۔

مرے طاق جاں میں نسبت کے چراغ جل رہے ہیں

مجھے خوف تیرگی کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہو گا

صبیح رحمانی کے شعری آہنگ میں غم ذات بھی جھلک رہا ہے، غم کائنات بھی، اپنے عہد کا آشوب بھی نمایاں ہے اور جدید حسیت کا عکس بھی، شعریت بھی ہے اور مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کا احساس بھی جلوہ گر ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر مصرعے سے شاعر کا خلوص بھی جھلکتا ہے اور اس کا احساس تشکّر بھی، کیونکہ وہ شہر نعت گویاں میں اپنی فتوحات کو اپنی ذات سے منسوب نہیں کرتا بلکہ برملا اظہار کرتا ہے کہ۔

مرا دیوان ہے انؐ کی عطا اول سے آخر تک

یہ بات سوچ سوچ کر مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ صبیح رحمانی بنیادی طور پر نعت خواں ہیں اور نعت خوانی کا مروّجہ رنگ، شاعری کی ادبی سطح سے بہت پست اور جمالیاتی پیرایۂ اظہار سے کوسوں دور ہے۔ نعت خوانی کی محافل میں شعراء کی پذیرائی بہت کم ہوتی ہے لیکن نعت خواں اس لئے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں کہ وہ انتخاب کلام میں شعری اور شرعی تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کے بجائے محافل کی مخصوص ضروریات اور سامعین کی پسند کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن صبیح کا نام ایک استثناء ہے کہ انہوں نے نعت خوانی کے مروّجہ معیارات کو ادبی سطح سے ہم کنار کردیا ہے اور اپنی شاعری کو جدید آہنگ دے کر منفرد بنا لیا ہے۔

نعت گوئی کے فن کو ادبی سطح پر لانے کے لئے ضروری ہے کہ نعت، غزل (جو نعت کے لئے موزوں ترین صنف سخن ہے) کی تنگنائے سے باہر آئے اور نظم کے جدید تر رجحانات کو نعتیہ شاعری کے تجربوں کا حصّہ بنایا جائے اس لئے صبیح رحمانی نے آزاد نظم سانٹ اور جاپانی صنف سخن ہائیکو میں بھی نعتیہ شاعری کی ہے اور وہ اپنے تجربے میں کامیاب رہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں چند نمونے

دیارِ جاں میں
سنہرے موسم اتر رہے ہیں
میں زرد لمحوں
سیاہ سایوں سے اپنا پیچھا
چھڑا چکا ہوں
پناہ میں ان کی
آ چکا ہوں
میں روشنی میں

نما رہا ہوں

(سنہرے موسم)

☆ ☆ ☆

وفا کا وہ ماہتاب جس کی شفیق کرنوں میں

چہرہ جور و جفا کا ہرگز نکھر نہ پایا

کوئی بھی ایسا ابھر نہ پایا

وہ جن سے صحنِ زمیں ہے روشن

وہ جن کے دستِ کرم کا پرتو یہ آسماں ہیں

(ایک روشنی زمین سے آسماں تک)

☆ ☆ ☆

شکست و ریخت کی اس تیرگی میں

اک یہی امید کا روشن حوالہ ہے

کہ اس عہدِ قتال و جنگ میں

وہ خیر خواہوں کا امامِ اولین و آخریں

اک بار سب کو یاد آجائے

جسے ظالم پڑوسی سے محبت تھی

جسے رسمِ غلامی سے عداوت تھی

وہ جس کی ذات روئے ارض پر موجود ہر جنّ و بشر

کے واسطے وجہِ ہدایت تھی

(انسانیت کے سب سے بڑے معمار)

ہائیکو

صرف مدینے میں

اور کہاں پر اُگتے ہیں

سورج سینے میں

☆ ☆ ☆

ذہن سلگتے تھے

آپ سے پہلے اے ہادی

لوگ بھٹکتے تھے

☆ ☆ ☆

روشن ہیں چہرے

رنگ ہیں جن پر آقا کی

سیرت کے انوار

سورج بن کے ابھرے ہیں

☆☆☆ ☆☆☆

موضوع کو اپنے فکر و احساس کا جزو بنا کر نظم کرنے سے شعروں میں جو قوتؔ اور فنیؔ لطافت پیدا ہوتی ہے' درج بالا نمونوں میں وہ پوری طرح جلوہ گر ہے۔

صبیح کے اشعار میں فکری گہرائی کے شواہد بھی ملتے ہیں اور بات کو عام سطح سے بلند کر کے تخلیقی اُپج کے ساتھ نظم کرنے کے انداز بھی۔ ان کی شاعری اگر توجہ سے پڑھی جائے تو بلاشبہ اس سے قاری کو بوقت قرأت (Reading) تخلیقِ مکررؔ کا لطف آتا ہے۔ مثلاً"

ازل بھی ان کا ابد بھی ان کا سب آئینوں میں جھلک رہے ہیں
تمام اسم گرامی ان کے بساطِ جاں پر چمک رہے ہیں

☆☆☆

انسانیت کا اوج ہے معراجِ مصطفےٰ یہ روشنی کی سمت سفر روشنی کا ہے

☆☆☆

انھیں خلق کر کے نازاں ہوا خود ہی دستِ قدرت کوئی شاہکار ایسا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

☆☆☆

اتاری روح کی بستی میں جلوؤں کی دھنک اس نے
شکست شب پہ ہو جیسے سحر آہستہ آہستہ

صبیح انؐ کی ثنا اور تو کہ جیسے برف کی کشتی
کرے سورج کی جانب طے سفر آہستہ آہستہ

☆☆☆

قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یارب کہ میں نعت نبیؐ لکھوں

☆☆☆

میں نواحِ شب میں بھٹک گیا نئے سورجوں کی تلاش میں
کوئی روشنی کہ بدل سکے مری شب کا حال مرے نبیؐ

☆☆☆

ان کی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا
ورنہ ٹلتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم

☆ ☆ ☆

ہو دل کا نور، نگاہوں کا نور، علم کا نور
ہر ایک نور کو نسبت مرے عرب سے ہے

☆ ☆ ☆

نعت اپنے موضوع کی عظمت، شعری معیارات کی نفاست اور تشریعی حصار کی رفعت کے باعث نازک ترین صنف سخن ہے لیکن اس صنف سخن میں شاعر کو ایک قسم کی سہولت بھی حاصل ہوتی ہے کہ وہ انسانیت کے بلند ترین نمونے کی محسوس اور موجود مثال کو سامنے رکھ کر اپنا جذبۂ حبِ رسالت اور احساسِ ارادت و عقیدت با آسانی شعری پیکروں میں ڈھال سکتا ہے جبکہ حمد میں یہ سہولت قطعاً نہیں ہے کیونکہ یہاں جس ہستی کا ذکر کیا جاتا ہے وہ انسانی فہم و ادراک اور عقل و خیال کے تمام دائروں سے ارفع بھی ہے اور منزہ بھی۔

صبیح رحمانی نے حمدیہ شاعری میں بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھی ہے۔ ان کی حمدوں میں خیال کی رعنائی اور بیان کی سچائی کے ساتھ ساتھ تازہ کاری کا عمل بھی کارفرما ہے۔ چند حمدیہ اشعار کی دلکشی آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

نشاں اسی کے ہیں سب اور بے نشاں وہ ہے
چراغ اور اندھیروں کے درمیاں وہ ہے

نمودِ لالہ و گل میں وہی ہے چہرہ نما
شجر شجر پہ لکھا حرفِ داستاں وہ ہے

اسی کی ذات کے ممنون خدوخال حیات
کہ اور کون ہے صورت گرِ جہاں وہ ہے

•

سکوتِ نیم شبی میں پکارتا ہوں اسے
کہ میں ہوں درد کی دستک درِ اماں وہ ہے

☆ ☆ ☆

وہ نیتوں میں چھپے خیروشر کو تولتا ہے
قریب رہتا ہے بسازِ نفس میں بولتا ہے

جمال ہم کو دکھاتا ہے اجلی صبحوں کا
وہی جو آنکھ کٹوری میں نیند گھولتا ہے

وہی جو شام کی دہلیز پر سویرے تک
چراغِ ماہ جلاتا، نجوم رولتا ہے

صبیح ہم کو تجسس کی روشنی دے کر
وہ ہم پہ اپنی خدائی کے بھید کھولتا ہے

☆ ☆ ☆

وہ جس کے جلوے افق افق ہیں
وہ جس کی کرنیں شفق شفق ہیں
ازل سے پہلے

ابد سے آگے
اسی کو ہر اختیار حاصل
اسی کو عز و وقار حاصل
وہ ایک مالک
اسی کا سب ہے
وہی تو رب ہے

(پہچان)

ہائیکو

کیسے تجھے پائیں
تجھ کو ڈھونڈنے نکلیں تو
سوچیں تھک جائیں

کس کے ہیں یہ روپ
سائے کو پہنائی ہے
کس نے اجلی دھوپ

☆ ☆ ☆

ان شعری نمونوں سے روشن ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا یہ نوجوان' ربِّ ذوالجلال والاکرام کی عظمتوں کا اعتراف اور اس کی نشانیوں کے ذریعے اس تک رسائی کا خیال کر کے جب شعر کہتا ہے تو عروس شاعری اس پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔

صبیح کی تینوں کتابیں پڑھ کر محسوس ہوا کہ صبیح رحمانی میں ایک سچا شاعر چھپا ہوا ہے' اگر وہ عمومی شاعری کی طرف توجہ کرے تو اس میدان میں بہت جلد اپنا مقام بنا سکتا ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور دینی اقدار کی ترویج و اشاعت سے اس کا کمنمنٹ اس کو تخلیقی بالیدگی کے لمحات میں نعت ہی کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور یہ سعادت کوئی معمولی سعادت نہیں ہے

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

صبیح رحمانی نے کم عمری میں ہی شعر کی داخلی اور خارجی جمالیاتی قدروں کا راز پالیا ہے اور وہ اپنے احساسِ جمال کو نعت کی تخلیق کے لئے خلّاقانہ شدّت ہے اور اظہار کی قوت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے۔

دنیائے نعت نگاری میں چونکہ نئی شعریات کی دریافت کا عمل برا سُست ہے اس لئے صبیح کی شاعری کو ہم ایک رجحان ساز شاعری کہہ سکتے ہیں اور شاعرانہ سچائی، تخلیقی خلوص اور اسلوب کی جدّت کے حوالے سے اس کو جدید نعت کا ایک نمائندہ شاعر قرار دے سکتے ہیں۔

بساط شعر و ادب پر صبیح رحمانی ایک نووارد ہے پھر بھی اس کی اتنی مقبولیت اور چار دانگ عالم میں اس کی بے پناہ شہرت اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اس کی یہ آرزو تکمیل کے مراحل میں ہے۔

ملے مجھے بھی زبانِ بوصیریؒ و جامیؒ
مرا کلام بھی مقبولِ عام ہو جائے

غبارِ جاں میں آفتاب

۱

جمالِ حمد، محیطِ شعور و قلب و نظر
سرِ نیاز، قلم کا، ورق ورق پہ نگوں
دعا، قلوبِ تپیدہ کی ایک سرگوشی
ہر ایک ذرہ ارض بدن ہے حرفِ سپاس
وہ لاشریک، وہ اول بھی اور آخر بھی
ازل ابد کا بھی مالک وہی خدائے رحیم
خدا وہی مرے آقاؐ کا جو خدا ہے ریاضؔ

زمینِ زرد کو کالی گھٹائیں دیتا ہے
وہی ستاروں کو روشن قبائیں دیتا ہے

۲

جوازِ ارض و سماوات میں فقط لکھو
جنابِ ختمِ رسلؐ تاجدارِ ارض و سما
حضور سرورِ عالمؐ، پیمبرِ عربیؐ
جبینِ وقت پہ جس کے نقوشِ پا کی بہار
حدیثِ شوق عبارت ہے جس کے ہونے سے

بفیضِ نعت یہ احساس جاگ اٹھا ہے
محیطِ ارض و سما رحمتوں کا ہالہ ہے

۳

وہی رسولؐ جو ہر عہد کی جلالت ہے
وہی رسولؐ جو ہے کائنات کا محور
وہی رسولؐ جو صدق و صفا کا پیمانہ

وہی رسولؐ جو معیار آدمیت ہے
وہی رسولؐ چراغ حرا جسے کہئے
وہی رسولؐ دلوں کا جو حکمراں ٹھہرا
وہی رسولؐ محبت کا استعارہ ہے
وہی رسولؐ علامت ہے ہر اجالے کی
وہی رسولؐ صداقت کا حرف آخر ہے
وہی رسولؐ اجالا ہے ہر زمانے کا
وہی رسولؐ برہنہ سروں کی چادر ہے
وہی رسولؐ جبین سما کا اجلا پن
وہی رسولؐ امامت کرے رسولوں کی
وہی رسولؐ جو چہرہ ہے آدمیت کا
وہی رسولؐ جو انسانیت کا محسن ہے
وہی رسولؐ جسے پیرہن کرم کا ملا

اسی کے نور سے روشن فصیل ایمانی
وہی رسولؐ ہے حرف دعا کی تابانی

۴

حضورؐ۔ آیہ رحمت، حضورؐ ابر کرم
حضورؐ۔ تشنہ زمینوں کی آخری امید
حضورؐ۔ عصر رسالت میں فقر کی چادر
حضورؐ۔ ننگے سروں پہ سحاب نور ازل
حضورؐ۔ آدم خاکی کا سرمدی چہرہ
حضورؐ۔ وادی عشق و وفا کا حسن و جمال
حضورؐ۔ باعث تخلیق رنگ و بوئے چمن
حضورؐ۔ مفلس و نادار کی متاع عزیز
حضورؐ۔ ہادی کونین، رحمت عالم
حضورؐ۔ گردش لیل و نہار کا باعث

حضورؐ۔ پیکر رعنائی و جمال و جلال
حضورؐ۔ ساقی کوثر، حضورؐ نور مبیں
حضورؐ۔ شافع محشر، حضورؐ روح ابد
حضورؐ۔ صبح ازل کے جمال کا مظہر
حضورؐ۔ نور مجسم، دعا کا سرنامہ
حضورؐ۔ ثروت اہل یقین و اہل نظر
حضورؐ۔ معدن شفقت، حضورؐ گنج دعا
حضورؐ۔ مرسل آخر، پیمبر اول
حضورؐ۔ شوکت آدم کی آخری مشعل
حضورؐ۔ رحمت و راحت کا سرمدی جھرمٹ
حضورؐ۔ ملجاء و ماوائے نسل انسانی

جبیں جھکا کے بصد احترام لیتے ہیں
حضور سید والاؐ کا نام لیتے ہیں

۵

ظہور صبح بہاراں کی منتظر کب سے
قدم قدم پہ تفکر کے جال بنتی ہیں
نظر نظر میں دھنک کا بکھیر کر آنچل
روش روش پہ سجاتی ہیں رتجگوں کا خمار
چراغ راہگذر پر فریفتہ آنکھیں
غبار راہ مدینہ سے اکتساب کریں
جمال گنبد خضرا سے ہمکنار بھی ہوں
در حضورؐ پہ پلکوں کی چادریں رکھ کر
حریم سید لولاکؐ سے لپٹ جائیں

تمام حسن زمین اور آسمان کا ملے
پئے حضورؐ کے قدموں سے کل جہاں کا ملے

۶

گلاب اسم محمدؐ کہ آرزو کا شباب
گلاب اسم محمدؐ کہ آبروئے چمن
گلاب اسم محمدؐ چراغ راہ ہدیٰ
گلاب اسم محمدؐ شعور کی شبنم
گلاب اسم محمدؐ بنائے ارض و سما
گلاب اسم محمدؐ ردائے عفو و کرم
گلاب اسم محمدؐ ثبات ارض و ہنر
گلاب اسم محمدؐ نفاذ عدل و یقیں
گلاب اسم محمدؐ جمال لوح و قلم
گلاب اسم محمدؐ سخن کی رعنائی
گلاب اسم محمدؐ عروج نوع بشر
گلاب اسم محمدؐ نصاب شام و سحر
گلاب اسم محمدؐ ازل کی دانائی
گلاب اسم محمدؐ ہے حمد رب جلیل
گلاب اسم محمدؐ جواز صبح چمن
گلاب اسم محمدؐ ردائے لطف و عطا

انہیؐ کا اسم گرامی گماں میں رہتا ہے
مرا قلم بھی کسی آسماں میں رہتا ہے

۷

حضورؐ آپ کے فیضان کا نتیجہ ہے
یہ میری نسل کو ادراک روشنی کا ہنر
یہ آگہی کے نگینوں کی آب ہے خود بھی
شعور و حکمت و تدبیر کے جھروکوں سے

تمام منظر امکاں کے پھول چنتی ہے
جلوس صدق کی بنتی نہیں تماشائی
صداقتوں کے علم لے کے چلنے والی ہے
علوم نو کو پرکھتی ہے عقل و دانش پر
ہر اک سوال میں پوشیدہ مضطرب آنکھیں
ہر اک سوال میں دانائیوں کی رعنائی
ہر اک سوال تجسس کا آئینہ بردار
حضورؐ خوفزدہ ہوں میں اپنے بچوں سے
ہر ایک بات کی یہ مانگتے ہیں مجھ سے دلیل
نئے دنوں کے حقائق ہیں سامنے ان کے
حضورؐ میں کہ جسے خود تلاش ہے اپنی
جسے خبر ہی نہیں اپنے من کی دنیا کی
یہ کیا کہ اجڑی ہوئی ہے یقیں کی پگڈنڈی
یہ کیا کہ ذہن کی دیوار میں دراڑیں ہیں
اداس شام کے چہرے پہ دھول صدیوں کی
قضا بھی راستہ روکے ہوئے ہے کرنوں کا
مہیب وادی اعصاب سربسر آنسو
مری زباں پہ بھی لکنت کا عارضہ آقاؐ
مری غزل کی بھی شوخی غبار آوارہ
ہوائے شہر بلاغت کا بھول کر بھی حضورؐ
فصیل علم و ہنر سے گذر نہیں ہوتا
حضورؐ بانجھ ہوئیں کھیتیاں تفکر کی
ہوا میں لٹکی ہوئی ہے سخن کی ویرانی
قلم پہ لپٹا ہوا ہے جہالتوں کا کفن
حضورؐ جھلسی ہوئی دوپہر ہے اور میں ہوں

حضور سید والاؐ ادھر نگہ کیجے
غبار شہر تمنا کو بھی صبا کیجے

۸

حضورؐ دامن صد چاک میں چھپیں کیسے
شگاف جسم سے جو روح تک نمایاں ہیں
شعور و عقل کے سکے بھی میں نہیں رکھتا
مرا یہ دامن کشکول کب سے خالی ہے
حضورؐ سوچ کی ویران رہگذاروں میں
ہر ایک سمت سے یلغار ہے ہواؤں کی
قدم قدم پہ بگولے اڑا رہے ہیں مذاق
روش روش پہ نمود سحر کی لاشیں ہیں
زباں نے اوڑھ لیا سسکیوں کا پیراہن
سراب حد نظر تک ہے اور تشنہ لبی
حضورؐ آپ کی امت کا یہ مقدر ہے؟
یہ کیا کہ آج دھنک سے نہیں افق روشن
کسی دریچے سے سورج نظر نہیں آتا
ہجوم کرب و بلا اشک غم کی طغیانی
تمام راستے مسدود ہوگئے آقاؐ
حروف کھوکے معانی کی روشنی کا جمال
حضورؐ آپ کی چوکھٹ پہ سر جھکاتے ہیں
ہر ایک شاخ کو پتوں کی شال مل جائے
کوئی لگا نہ سکے خوشبوؤں پہ پابندی
نمود فن کی دعاؤں کو معتبر کیجے

غبار جاں میں کوئی آفتاب دیں آقاؐ
کتاب نور کا شب کو نصاب دیں آقاؐ

۹

کسے خبر تھی کہ افغان بیٹیوں کا سہاگ

زمیں پہ دختر حوا کے سر کی چادر ہے
کسے خبر تھی کہ بارود کے دھماکوں سے
سماعتوں کو نئی شان ملنے والی ہے
کسے خبر تھی کہ افغانیوں کی جرات سے
ہوا میں جبر کی زنجیر ٹوٹ جائے گی
چڑیل شام نحوست کی منہ چھپائے گی
حضورؐ آپ مبارک قبول فرمائیں'
ہزار سجدے مچلنے لگے جبینوں میں
علم جہاد کے لہرا رہے ہیں سینوں میں

نظام ظلم و تشدد پگھلنے والا ہے
شب سیاہ کا منظر بدلنے والا ہے

۱۰

حصار خوف و ندامت میں سر برہنہ ہیں
یہ کب سے آپؐ کی امت کی بیٹیاں آقاؐ
غلام گردش قصر ہوس کی قیدی ہیں
حضورؐ آج بھی یہ زندہ دفن ہوتی ہیں
حیا و شرم کے پیراہنوں کی منڈی میں
جھپٹ رہی ہے ہوس کاریوں کی تاریکی
ضمیر آدم خاکی پہ حیط شب سے
ہوس کدوں کو ملی ہے ردا تحفظ کی

اڈ رہی ہے ہر اک سمت سے دکھوں کی ہوا
ملے حضورؐ کنیزوں کو رحمتوں کی ردا

۱۱

قدم قدم پہ فروزاں ہیں حرمت کے چراغ

افق افق پہ چناروں سے اٹھ رہا ہے دھواں
نظر نظر لگے میلے سلگتے زخموں کے
لہو سے وادیِ کشمیر سرخرو ہے حضورؐ
کٹے پھٹے سے سرِ شام بے کفن لاشے
جوان بہنوں کے سر پہ ردا نہیں آقاؐ
کسی کی موت پہ پرسہ کوئی نہیں دیتا
تمام منظرِ شب آنسوؤں کی جھالر ہے
صلیب و دار پہ لٹکی ہوئی ہیں زنجیریں
لبوں پہ حرفِ دعا بھی جلے سے جاتے ہیں
چنار خون اگلتے ہیں ماہ پاروں کا
حضورؐ موسمِ دار و رسن مسلط ہے
فصیلِ شہرِ تمنا کے ہر دریچے میں
حصارِ جبرِ مسلسل میں ذل کا پانی ہے
سوال کرتے ہیں بچے یہ اپنے بوڑھوں سے
ہمارا کیسا مقدر ہے روزِ اول سے
ردائے ظلم ہواؤں کی اوڑھنی ٹھہری

مجھے یقین ہے، گرچہ ابھی اندھیرا ہے
افق کے پار مچلتا ہوا سویرا ہے

۱۲

طویل شب کے گزرنے کے بعد بھی آقاؐ
دلوں میں تیری محبت کا نور زندہ ہے
وہی شعور، وہی آگہی، وہی آنکھیں
ترےؐ حروف کی ہر تازگی سلامت ہے
مٹی نہیں ہے مہذب دنوں کی دانائی
فضائے بدر تو پیدا کبھی نہیں ہو گی
مگر حضورؐ یہ قفقاز کے پہاڑوں میں

یہ کون تازہ لہو کے جلا رہے ہیں چراغ
نماز عشق ادا ہو رہی ہے شعلوں میں
حضورؐ جبر مسلسل کے باوجود اب تک
گرا نہیں ہے غلاموں کے ہاتھ سے پرچم

کتاب عشق کی تفسیر لکھ رہے ہیں حضورؐ
ہمارے کل کی یہ تعبیر لکھ رہے ہیں حضورؐ

۱۳

یہ ریگ کرب و بلا کی تمازتوں کا حصار
یہ خون و خاک کی بارش میں روشنی کے گلاب
یہ ظلم و جبر کی کالی سیاہ شب کے چراغ
ہوا کے دوش پہ خیمے لگا رہے ہیں حضورؐ
یہ جن کے گھر ہیں کھلے آسماں کے آنگن میں
یہ کب سے آتش و آہن کی سرخ بارش میں
نئے دنوں کے سہانے سے خواب بنتے ہیں
یہ زخم زخم ہواؤں میں مخملیں چہرے
یہ تار تار قباؤں میں دلہنوں کا سہاگ
حضورؐ ارض فلسطیں کے رہنے والوں پر
کرم کی سبز سی کرنوں کا جال بن جائے
لہو کی سرخ قباؤں سے ڈھال بن جائے
حضورؐ اہل ہوس کی ہوس کے پنجے میں
نحیف دختر حوا کی ادھ کھلی آنکھیں
کسی نجات دہندہ کی منتظر کب سے
یہ تشنہ لب یہ سسکتی سی ایک سرگوشی
ضمیر آدم خاکی پہ تازیانہ ہے
برہنہ سر، جلے خیمے، اداس قتل گہیں
فرات عشق، لہو کے چراغ، آہ و فغاں

حضورؐ شام غریباں میں بیبیوں کی پکار
پڑے ہیں پرچم جمہور پر یہ دھبے
ازل سے خون کے سوداگروں سے کون کہے
اٹھا کے ہاتھ میں پتھر وطن کی گلیوں میں
یہ ننھے منے سے بچے بھی احتجاج کریں
یہ اپنے خون کے پرچم اٹھا اٹھا کے حضورؐ
کفن سروں پہ لپیٹے ہوئے قدم بہ قدم
رواں یہ کب سے شہادت گھوں کی جانب ہیں
دھواں دھواں سی فضاؤں میں بے کفن لاشے
بجھے بجھے سے مناظر، اجاڑ ویرانے

یقیں ہے قفل تشدد کے ٹوٹ جائیں گے
گلاب سر کے سر کربلا سجائیں گے

۱۴

کہ قصر عشق کے آنگن میں خون مسلم سے
چراغ صبر فروزاں ہیں یارسول اللہ
قدم قدم پہ حکومت ہے خوف و دہشت کی
فضا میں آتش و آہن کی کب سے بارش ہے
ردائے عصمت و عفت کی قتل گاہوں میں
برہنہ سر پھریں امت کی بیٹیاں کب سے
بدن پہ ظلم و تشدد کی ان گنت مہریں
حصار خوف مسلسل میں روح قیدی ہے
خلا میں اپنے تقدس کی اوڑھنی ڈھونڈیں
یہ برف برف سے چہرے یہ غم کی تصویریں
غبار مقتل شب میں بجھی بجھی آنکھیں
کسی نجات دہندہ کی راہ میں نکلیں
حضورؐ بھوک کے جنگل اگے ہیں چہروں پر

نڈھال جسم یہ پنجروں میں پھڑپھڑاتے ہیں
ہتھیلیوں پہ کرے رقص موت کی دیوی
حضورؐ عالمی غنڈوں کے ہاتھ میں ہے قلم
نفاذ عدل کی امید کیا کرے کوئی
بلادِ عشق سے آقاؐ یہ آپؐ کی امت
کٹے پھٹے ہوئے جسموں کو لے کے آئی ہے
حضورؐ روح کے اندر بھی تیر اترے ہیں
درندگی کے تصور سے بند ہے دھڑکن
حضورؐ پھول سے بچے اداس ہیں کب سے

حضورؐ چادر زینبؓ نظر نہیں آتی
مہیب شب میں کہیں سے سحر نہیں آتی

۱۵

حضورؐ آپ کے نعلین کے وسیلے سے
چراغ عشق جلانے کی آرزو لے کر
یقیں کی دولت بیدار کا تمنائی
نوائے امت مرحوم ہے علم جس کا
دل و نگہ کی برہنہ سی زرد شاخوں پہ
یقین و عزم کی خوشبو کا لے کے سندیسہ
حصار ظلم و جہالت کے گھپ اندھیروں میں
غبار عظمت رفتہ سے چن رہا ہے گلاب
وہ جس کے اشک مسلسل چراغ بنتے ہیں
حضورؐ اس پہ نگاہ کرم کی بارش ہو
حضورؐ نقش کف پا کی روشنی سے اسے
نہال کرکے علم اس کے ہاتھ میں دے دیں
حضورؐ خلد مدینہ کے برگ رحمت سے
فصیل کشور دل پہ گلاب بانٹے گا

وہی جو کشور جاں میں جلا رہا ہے چراغ
ہوا کے مدمقابل بھی لا رہا ہے چراغ

۱۶

یہ ارض پاک غلاموں کی سرزمیں آقا
ہدف بنی ہے غبار شب ملامت کا
روش روش سے جنازے اٹھے ہیں پھولوں کے
محیط شام غریباں ہے ہر دریچے میں
خرید رکھی ہے اہل ہوس نے برسوں سے
حضورؐ مسند شاہی کی عصمت و عفت
حضورؐ شہر غزل میں لہو کی بارش ہے
نفاذ عدل کا ہر خواب بھی ادھورا ہے

عطا ہو ابر کرم کی ردا چمن کے لئے
تمام حرف دعا میرے اس وطن کے لئے

ریاض حسین چودھری (سیالکوٹ)

شیبا حیدری

(خواتین کی نعتیہ شاعری میں ایک نئی آواز)

نعت گو شعرا و شاعرات نے عہد حاضر میں جس تخلیقی ذمے داری کا ثبوت دیا ہے وہ اس زمانے کی تاریخ ادب کا ایک اہم باب ہے۔ نئے نئے اسالیب اور عقیدت و مودت کے تازہ تر لالہ و گل لے کر نئی نسل کے شعراء و شاعرات بھی برابر اس قافلے میں شریک ہیں۔

شیبا حیدری خواتین کی نعتیہ شاعری میں ایک نئی آواز ہیں۔ شیبا کے کلام کی انفرادیت نے بالکل آغاز ہی میں سنجیدہ اذہان کو اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے۔

وہ لکھنؤ کے ایک نامور خاندان کی چشم و چراغ ہیں ان کے والد نواب فضل الرحمن حیدری ڈبل ایم اے تھے اور گیارہ زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ شیبا حیدری کو علم و فن، شعر و ادب، مذہب و تصوف ورثے میں ملا ہے۔ وہ ایک صاحب سلسلہ بزرگ سے بیعت بھی ہیں۔ شیبا کے کلام کی پختگی اور ندرت پر اہل نظر چونک اٹھتے ہیں۔ یہ ان کے خوش آیند مستقبل کی ضمانت ہے۔ شیبا کے یہاں کلاسیکیت اور جدیدیت کا خوش گوار امتزاج ملتا ہے۔

بالائے سرش ز ہوش مندی   ی تافت ستارہ بلندی

حال ہی میں شیبا حیدری کا پہلا شعری مجموعہ "ان کے لئے" منظر عام پر آیا ہے۔ جو حمد، نعت اور منقبت سے مزین ہے۔ اسی میں ان کی غزلیں بھی شامل ہیں۔

(ادارہ)

○

شیبا جو کوئی نعت کا آغاز کرے ہے
خوش بختی کاغذ پہ قلم ناز کرے ہے

جب ذکر کوئی ان کا سخن ساز کرے ہے
بیمار محمدؐ ہوں میں، آواز کرے ہے

بے دعوت دیدار نہیں جاتا ہے کوئی
وہ عالم ارواح سے آواز کرے ہے

نذرانہ درودوں کا پہنچتا ہے وہاں جب
ہر گوشہ فردوس ہی آواز کرے ہے

اس دور بلاخیز میں در محفل دنیا
شیبا جو کہے نعت وہ اعجاز کرے ہے

○

جو طیبہ میں ہے جلوہ گر روشنی
ہمیں ہے وہ خلد نظر روشنی

ہمیشہ رہی اہل ایماں کے ساتھ
اجالوں کی ہے ہم سفر روشنی

ہوئے آشکارا جو ختم رسلؐ
جہاں میں ہوئی جلوہ گر روشنی

یہ کون آرہا ہے کہ جن کے لئے
لٹاتے ہیں شمس و قمر روشنی

اگرچہ ہے ظلمت سراپا جہاں
یہاں ہورہی ہے مگر روشنی

جو عشق محمدؐ سے سرشار ہیں
ملے گی انہیں عمر بھر روشنی

یہ معراج ہے یا کمال بشر
گئی فرش سے عرش پر روشنی

محمدؐ کے جلوؤں سے ہے مستنیر
جو رکھتے ہیں یہ بحر و بر روشنی

نہ چھوڑے جو شیبا خیال نبیؐ
نہ جائے کبھی چھوڑ کر روشنی

○

گر چاہتا ہو کوئی قرینے کی روشنی
حاصل کرے وہ شیبا مدینے کی روشنی

کی جس نے اختیار مدینے کی روشنی
دیکھے گا وہ ہی عرش کے زینے کی روشنی

ایسی نہیں کہیں بھی قرینے کی روشنی
کرتی ہے خود پہ ناز مدینے کی روشنی

منشائے کردگار ہے قانون مصطفیٰؐ
آئین زندگی ہے مدینے کی روشنی

تاریکیاں رہیں نہ کہیں زندگی کے بیچ
ہم کو ملی جو کہ مدینے کی روشنی

نرغے میں ظلمتوں کے نہ آئیں گے ہم کبھی
سایہ کئے ہوئے ہے مدینے کی روشنی

شیبا ہے خوش نصیب وہی بزم دہر میں　　جس کے نصیب میں ہو مدینے کی روشنی

○

دیکھیں جو ذرا گنبد خضراء مری آنکھیں
کیا لوٹ کے آجائیں گی شیبا مری آنکھیں

بائیں جو محمدؐ کی نگریا مری آنکھیں
دیکھا ہی کریں گنبد خضرا مری آنکھیں

کب دیکھیں گی سرکارؐ کا روضہ مری آنکھیں
رہتی ہیں لگی جانب طیبہ مری آنکھیں

ہر آن بنی رہتی ہیں برکھا مری آنکھیں
رکھتی ہیں غم ہجر نبیؐ کیا مری آنکھیں

کس نور کی طالب ہیں خدا یا مری آنکھیں
سیدھا ہی سدا دیکھیں ہیں رستہ مری آنکھیں

دیکھیں ہیں عیاں نور کا سایہ مری آنکھیں
کیا دیکھ رہے ہیں مرے آقاؐ مری آنکھیں

جس خاک پہ ہے نقش کف پائے محمدؐ
گلزار سمجھتی ہیں وہ صحرا مری آنکھیں

ارباب نظر کہتے ہیں سایہ نہ تھا جن کا
ان کا ہی یہاں دیکھیں ہیں سایہ مری آنکھیں

اے کاش ملے خانہ تدفیں وہاں شیبا
اے کاش ہوں پیوند مدینہ مری آنکھیں

حاصل مطالعہ

حنیف اسعدی

اردو شاعری میں نعت گوئی

نعت گوئی پر یہ تنقیدی مقالہ ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی کے فکر و فن کا نچوڑ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا دینی شغف اور خاندانی پس منظر اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ اپنی ڈاکٹریٹ کے لئے اسی قسم کے موضوع کا انتخاب کرتے۔

اردو یوں تو اب اپنے ادبی جواہر پاروں کے سبب دنیا کی اہم زبانوں میں شمار ہوتی ہے مگر اردو ادب شاعری کے مقابلے میں نثری کاوشوں سے کافی حد تک محروم ہے۔ خصوصیت کے ساتھ تنقید پر بہت کم کام ہوا اور نعت کے معاملے میں تو یہ کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ نعت ہی کم لکھی گئی، تنقید وغیرہ کا معاملہ تو بعد کی بات ہے۔ اس معاملے میں بھارت اور پاکستان ایک ہی کشتی کے سوار نظر آتے ہیں مگر تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے ادیبوں، شاعروں، دانش وروں اور تنقید نگاروں نے تیز رفتاری کے ساتھ اس جادۂ فراموش کی طرف بڑھنے کے عمل کو تیز کردیا اس ذیل میں جہاں کچھ اور افراد یا اداروں کا نام لیا جا سکتا ہے وہاں ایک نمایاں نام صبیح رحمانی کا ہے جنھوں نے "نعت رنگ" کے ذریعہ لکھنے والوں کو جھنجھوڑا کہ وہ صنف نعت کو ادب عالیہ کا درجہ نہ دینے کی غفلت کا کب تک شکار ہوتے رہیں گے۔ "نعت رنگ" منظر ادب پر ایک تحریک کی صورت میں رونما ہوا ہے اور بڑا کام انجام دے رہا ہے۔

نعت گوئی کی روایت چونکہ عربی اور فارسی سے آئی ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب نے پہلے عربی شاعری پر مختصر نگاہ ڈالی ہے اور عربی کے معروف شاعروں کے مجملاً ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کے نمونے بھی پیش کئے ہیں۔ کتاب کا دوسرا حصہ فارسی ادب میں نعتیہ شاعری سے متعلق ہے جس کا مختصر سا جائزہ لیتے ہوئے وہ خسرو اور فیضی سے لیکر علامہ اقبال تک آئے ہیں۔ فارسی شاعری کے اہم شعراء کے تذکرے کے ہمراہ ان کے اشعار بھی نقل کرتے چلے گئے ہیں اس طرح مختلف ادوار میں اس صنف سخن کے معیار و مقام کا منظرنامہ بھی سامنے آجاتا ہے۔

کتاب کا سب سے اہم حصہ اردو نعت گوئی سے متعلق ہے نعت چونکہ متعدد اصناف سخن میں لکھی گئی ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب نے قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، نظم اور غزل کی صورت میں نعتیہ شاعری کا بڑا ماہرانہ جائزہ لیا ہے۔ اس ذیل میں تقریباً تمام اہل کمال کا کلام بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

کتاب کے آخری باب کو "اردو نعت کی ادبی و شعری قدر و قیمت" کا عنوان دیا گیا ہے۔ یہ اس تصنیف کا سب سے اہم اور قابل توجہ حصہ ہے۔ اس مختصر سی تحریر میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نعت حضورؐ سے تعلق خاطر اور غلامی کی نسبت کے علاوہ آقائے دوجہاں کے اخلاق و عادات، پیغام و ہدایت اور دین برحق سے آشنائی کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ سخنوران کرام جنہوں نے نعت جیسی پاکیزہ صنف سخن کو اپنا کر اپنے کو اس صف میں شامل کرلیا جو حضورؐ اقدس کے پسندیدہ شعرا کا غلام کہلانے کی مستحق ہے۔

ایسی اچھی کتاب بڑی بے توجہی کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ کاغذ حد درجہ معمولی، کتابت و طباعت معمولی، گٹ اپ معمولی مگر خیریت یہ ہے کہ اس گراں قدر کتاب کی قیمت بھی غیر معمولی حد تک معمولی یعنی صرف ۳۲ روپے ہے۔ ناشر ہیں، مجلس مصنفین اسلامی، بیت الرشاد شانتی باغ، نیا کریم گنج گیا ۸۲۳۰۰۱، بہار، انڈیا۔

☆ ☆ ☆

ا۔ اللہ

ا۔ اللہ مرتضیٰ اشعر کی خوبصورت تالیف ہے۔ کتاب صوری حیثیت سے خوبصورت ہے اور اعلیٰ درجہ کے کلام کے اعتبار سے بھی حسین۔ مؤلف اس سے قبل م۔ محمدؐ نامی نعتیہ گلدستہ شائع کر چکے ہیں۔ مؤلف کے مختصر سے "اعتذار" کے بعد محبی حافظ لدھیانوی کی تقریظ "سر آغاز" نظر نواز ہوتی ہے۔ حافظ صاحب نے جس تحقیق و جستجو کے ساتھ مقدمہ تحریر کیا ہے وہ ان کے مطالعہ اور بصیرت کا بیّن ثبوت ہے۔ کتاب میں ۳۷ شعرا کی حمدیں شامل ہیں۔ حمد خدائے ذوالجلال کی مدح و ثنا کا دوسرا نام ہے۔ اس کا سلسلہ کب سے شروع ہوا اس کی خبر بھی خدا ہی کو ہوگی۔ ہم کو تو صرف اتنی خبر ہے کہ کائنات کی تخلیق کے آغاز ہی سے، زمین و آسمان، انسان، چرند پرند، شجر حجر حتیٰ کہ حشرات تک اللہ کی بزرگی و برگزیدگی کا کلمہ پڑھتے آرہے ہیں۔ ہمیں خبر نہیں اور نہ ہماری محدود نظر اور کوتاہ علمی اس بات کا احاطہ کر سکتی ہے کہ کن جہانوں اور کن زمانوں میں کون اور کہاں رب دوجہاں کی مدح و ثناء میں مصروف ہے۔ انسان اپنی بساط بھر چند الفاظ ہی ادا کر سکتا ہے ورنہ لامحدود کی حدوں کی کسے خبر اور کس کے پاس وہ زبان وہ الفاظ ہیں جن سے خدائے بزرگ و برتر کی تعریف و توصیف کا ذرا سا بھی حق ادا ہو سکے۔۔۔۔۔۔۔۔ شعرا نے اس صنف سخن (حمد) میں حتی الوسع اپنی اپنی زبان سے کچھ کہنے کی کوشش کی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ا۔ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ثناء گوؤں کے ساتھ ساتھ مؤلف کو بھی اجر عظیم سے نوازے۔

کتاب کتابت و طباعت کے معیار کے اعتبار سے ایسی ہے کہ اسّی روپے کی قیمت پر فروخت

ہو۔ ناشر ہیں، فکر نو پبلیکیشنز، شاہ شمس روڈ، ملتان

☆ ☆ ☆

عطائے حرمین

"عطائے حرمین" عطاء الرحمان شیخ کا گلدستۂ نعت ہے۔ مصنّف قانون دانی کے ساتھ ساتھ آقائے دوجہاں کے لائے ہوئے منشور کو سمجھنے اور برتنے کا شعور بھی رکھتے ہیں۔ اس شعور نے ان کی روح کو لطائف سے بھر دیا ہے۔ وہ زندگی کے سفر کو ایک اور سفر سے وسیلۂ ظفر بنا رہے ہیں۔ ان کی دربار رسولؐ میں بار بار کی حاضری اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کے وجود کو لطیف تر بنانے کے سلسلے میں قضا و قدر نے کتنی فراخدلی سے کام لیا ہے۔ ان سے اللہ بھی خوش اور اللہ کا رسولؐ بھی راضی جبھی تو وہ اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال ہیں۔ عطاء الرحمان شیخ شاعر ہیں مگر صرف نعت کہتے ہیں۔ اس معاملے میں وہ صبیح رحمانی اور سرور کیفی کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے شاعری کی کسی اور صنف کو منہ تک نہیں لگایا۔

عطاء الرحمان شیخ کی شاعری بڑی سادہ اور سچّی ہے۔ ان کا دل جس طرح محسوس کرتا ہے ذہن اسی طرح ان کو حرف و بیان عطا کر دیتا ہے۔ نہ ان کو بڑے شاعر ہونے کا دعویٰ اور نہ اپنی شہرت مقصود۔ ان کا مقصد تو صرف اپنے آقاؐ کے حضور اپنی عقیدت و انکسار کا اظہار ہے۔ ان کو سادہ مزاجی اور سادہ نگاری کا انعام اس طرح ملا ہے کہ ان کا کلام سننے اور پڑھنے والے کے دل میں اتر جاتا ہے۔

عطاء الرحمان شیخ کا سادہ مزاجی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ انہوں نے کتاب کے لئے ہر سطح کے تقریظ نگار کا انتخاب کیا۔ ایک طرف تو اردو کی معروف و مقتدر شخصیت ڈاکٹر یونس حسنی ہیں تو ایک طرف نعت کے معروف شاعر سرور کیفی۔ ایک طرف کتاب کے ناشر متین رفیق ملک ہیں تو دوسری طرف خالص نعت خواں صدیق اسماعیل اللہ اللہ۔

کتاب بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ جابجا مقامات مقدسہ کی رنگین تصاویر کی موجودگی نے کتاب کے حسن اور افادیت کو بڑھا دیا ہے۔ اتنی خصوصیات کے ساتھ ۱۵۰ روپیہ قیمت نامناسب نہیں۔

ناشر ہیں، ادبستان، عطیہ بلڈنگ، ۸ بنک اسکوائر دی مال، لاہور

☆ ☆ ☆

حرف طیب

حکیم محمد رمضان اطہر کے نعتیہ مجموعے کا نام "حرف طیب" ہے۔ یہ کتاب بظاہر اپنے حجم کے اعتبار سے اوسط درجے کی ضخامت کی کتاب معلوم ہوتی ہے مگر معمولات کے صفحوں کو منہا کر کے اور مقدموں اور تقریظوں کو علیحدہ کر کے اگر دیکھا جائے تو کتاب صرف ۸۹ صفحات کی رہ جاتی ہے اس اعتبار سے کتاب کی قیمت ۱۴۰ روپے زیادہ ہے۔

تقریظ نگاروں میں ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی' علامہ نادر جارجوی' پروفیسر عارف رضا' پروفیسر اسلم سجاد قادری' پروفیسر ارشاد اعجاز رانا' شبیر احمد قادری' رقیب اطہر' محمد افسر ساجد اور حافظ لدھیانوی کے نام شامل ہیں۔ معلوم نہیں لوگوں کو بہت سے لکھنے والوں کی آراء جمع کرنے کا شوق کس وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کا سبب یا تو خود اعتمادی کی کمی ہو سکتا ہے اور یا ضرورت سے زیادہ تعریف و تحسین کی جستجو۔ تمام لکھنے والوں نے (علاوہ حافظ لدھیانوی) حکیم صاحب کے وہ اشعار بطور اقتباس نقل کئے ہیں جو پسند کئے جانے کے لائق ہیں۔ حافظ لدھیانوی صاحب نے بجائے اشعار نقل کرنے کے ایک بہت خوبصورت جملہ تحریر کیا ہے۔

"قاری نعتیہ اشعار کی داد اشکوں سے دیتا ہے۔"

یہاں حافظ صاحب وہ اشعار بھی لکھ دیتے تو کیا حرج تھا جن کے مطالعہ سے ان پر رقّت طاری ہوئی تھی۔

جہاں تک حکیم صاحب کی نعتیہ شاعری کا تعلق ہے وہ اپنے اندر وہ سارے لوازم رکھتی ہے جس کو جذبے کی سچائی' عقیدت و انکسار کا اظہار اور اظہار بیان کی قوت کا نام دیا جاتا ہے۔

ناشر : ادراک پبلیکیشنز' میڈیسن مارکیٹ' چنیوٹ بازار' فیصل آباد

☆ ☆ ☆

ردائے رحمت

ریاض احمد پرویز دنیائے ادب میں کوئی مقام رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں مگر اپنی فطری صلاحیتوں اور خدا اور رسولؐ سے وابستگی کے سبب بہرنوع وہ ایک نام رکھتے ہیں۔ ریاض احمد پرویز نے کچھ زیادہ نہیں لکھا مگر جو کچھ لکھا ہے وہ معیار کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے۔ انکا نعتیہ مجموعہ "طلع البدر علینا" اہل علم اور صاحبان قلب سے پہلے ہی داد حاصل کر چکا ہے۔ "ردائے رحمت" ان کی دوسری کتاب ہے۔ یہ ایک طویل نظم ہے جو مثنوی کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ اس کی بحر (فاعلاتن مفاعلن فعلن) مثنوی کی جانی پہچانی بحر ہے۔

اردو ادب میں یوں بھی غزل قصائد اور مراثی کے مقابلے میں مثنوی کم لکھی گئی اور نعتیہ

مثنوی تو اس سے بھی کم لکھی گئی۔ ریاض احمد پرویز نے اس خلا کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔
"ردائے رحمت" کی زبان سادہ' رواں بے ساختہ اور پُر تاثیر ہے۔ چھوٹی بحر میں بات کہنا یوں بھی مشکل کام ہے اور وہ بھی ایک ایسی ذات کی مدح و ثناء کا مسئلہ جس کے لئے نہ ابھی لفظ وضع ہو سکے ہیں اور نہ ہی انسانی فکر اس بلندی تک پہنچ سکی ہے جو اس ذات اقدس کے اوصاف کا احاطہ کر سکے جس کی خبر اگر ہے تو صرف اس ذات بے ہمتا کو ہے جس نے انہیں تخلیق کیا ہے۔

مثنوی اپنی لفظی و لسانی خوبیوں کے ساتھ ساتھ عقیدت اور شیفتگی کے سبب ایک پاکیزہ اور برگزیدہ تصنیف بن گئی ہے۔ شاعر نے اس مختصری مثنوی میں تخلیق کائنات سے لیکر بعثت تک' حمد سے لیکر نعت تک اور نعت سے لیکر منقبت کا سفر بڑے والہانہ انداز سے طے کیا ہے۔ اس اعتبار سے مثنوی میں موضوعات کا بڑا تنوع ملتا ہے۔ ایسی اچھی کتاب کی قیمت ۵۰ روپے بہت مناسب ہے۔

ناشر ہیں "نعت اکادمی" فیصل آباد

☆ ☆ ☆

العشق ھواللہ

جناب عنبر شاہ' وارثی سلسلے کے ایک برگزیدہ اور معروف شخصیت ہیں۔ شاہ صاحب کی ایک منزّہ و منورہ تصنیف "العشق ھواللہ" میرے پیش نظر ہے۔ کتاب کا نام ہی بتاتا ہے کہ یہ کسی عام شاعر کی تصنیف نہیں۔ ایسا نام کسی اللہ والے ہی کی کتاب کا ہو سکتا ہے۔ عنبر شاہ صوفی صافی' صاحب قلب' شریعت و طریقت پر عملاً" پابند' فیض پانے والے اور فیض پہنچانے والے بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے صوفیاء کو شاعری کی صفت سے بھی نوازا ہے۔ عنبر شاہ صاحب بھی اس وصف خاص سے متصّف ہیں۔ ان کا کلام خواہ وہ حمد ہو' نعت ہو حتیٰ کہ غزل معرفت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ ان کے کلام کی مقبولیت خانقاہوں سے نکل کر عام محافل تک پہنچ چکی ہے۔ اس کام کو ان کے معتقدین نے بڑے سلیقے سے انجام دیا۔ اس طرح اب سب خاص و عام ان کے فیوض و برکات کے دائرے میں آگئے ہیں۔ یوں تو ان کی متعدد نعتیں قبولیت کا عام شرف حاصل کر چکی ہیں مگر وہ نعت جس کا مطلع ہے

عارض تاباں' مصحف قرآں سیدنا و محمّدنا
صورت انساں' جلوۂ یزداں سیدنا و محمّدنا

شاہ صاحب کے کمالات شاعری کے علاوہ ان فیوض و برکات کی نشاندہی بھی کرتی ہے جو ان کو آقائے دوجہاں' سرور کائنات احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ پُرنور اور بارگاہ تجلّی آثار سے

پہنچے ہیں۔

ایک بات البتہ عرض کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں مگر اس اعتراف کے بعد کہ نہ تو میں صوفی ہوں نہ طریقت کے اسرار و رموز سے آشنا' مجھے نہیں معلوم کہ طریقت کی وہ کون سی منزل ہے جہاں اہل طریقت کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے کہ وہ چاہیں تو نعت کو حمد کا مقام دے دیں اور منقبت کو نعت کے مقام پر فائز کردیں۔ "العشق ھواللہ" میں اس کی اتنی مثالیں مل جائیں گی کہ اگر آپ مجھ سے متفق ہیں تو آپ کو میری طرح سے اپنے دعوے کے لئے کسی دلیل کی تلاش میں کہیں اور نہیں جانا پڑے گا۔ کتاب بہت عمدہ کاغذ اور معیاری کتابت کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ قیمت درج نہیں ہے۔

ناشر ہیں مولانا محمد اکبر وارثی اکادی' پاکستان وارثی بک ہاؤس اللہ والی مارکیٹ' لانڈھی کراچی

☆ ☆ ☆

پیکر نور

"پیکر نور" حضرت اقبال عظیم کی تازہ تصنیف ہے۔ انہوں نے اپنی ۱۸ نئی نعتوں کی اشاعت کی غرض سے کچھ پرانی نعتیں شامل کر کے صرف ۹۶ صفحات کی ایک چھوٹی سی کتاب شائع کردی۔ جس میں ایک مناجات اور دو قطعات بھی شامل ہیں۔ اچھی کتابت و طباعت کے ہوتے ہوئے کتاب کی قیمت ۶۰ روپے کچھ زیادہ نہیں۔

اقبال عظیم عرصہ سے شعر کہہ رہے ہیں اور اب ان کا شمار پختہ گو سخنوروں میں ہوتا ہے۔ غزل گوئی کے بعد اقبال عظیم نعت کی طرف آئے ہیں۔ اس لئے ان کے کلام میں بڑا رچاؤ ہے۔ حضورؐ اقدس سے ان کی نیازمندانہ عقیدت نے ان کے کلام کو پُر تاثیر بنا دیا ہے

اقبال عظیم کی ساری زندگی علم و داب سے وابستگی کے ساتھ گزری اس لئے ان کو زبان کی صحت اور قواعد کی پابندی کا بڑا لحاظ رہتا ہے۔ مزید برآں وہ حضورؐ اکرم کی ذات و صفات کے اظہار و بیان میں بہت محتاط ہیں۔ وہ آقا کے لئے ایسے ضمائر بھی استعمال نہیں کرتے جو عام زندگی میں اپنے بزرگوں کے لئے بھی مناسب نہیں سمجھے جاتے۔

ملنے کا پتا : ۴۰' بی۔ ۲' بلاک ۶' پی ای سی ایچ ایس' کراچی ۲۹

☆ ☆ ☆

جناب لطیف اثر نے اب تک جو کچھ لکھا ہے وہ مقدار کے اعتبار سے اتنا ہے کہ اب وہ کچھ اور نہ بھی لکھتے تب بھی ان کا نام دنیائے ادب میں باقی رہ جاتا مگر ان کی طبع رواں اس قدر فعال اور طرّار ہے کہ وہ خاموش بیٹھ ہی نہیں سکتے۔ انہوں نے غزل سے لیکر حمد و نعت تک کی مجموعے مرتّب کئے ہیں۔ ان پر خیالات کی بارش ہوتی ہے۔ ایسی تیز بارش کہ انہیں نہ تو پڑھنے کی مہلت ملتی ہے اور نہ سوچ کر لکھنے کی۔ وہ شاعری میں نئے نئے تجربات کے قائل ہیں۔ ان کی مشکل پسندی عجیب عجیب طرح کی پابندیاں عائد کرنے کے بعد طبع آزمائی کرتی ہے۔ اسی طرز فکر نے اس بار ان کو صفت غیر منقوط میں حمدیہ مجموعہ مرتب کرنے کی سجھائی اور اسے وہ کر گزرے۔ ان کی اس تصنیف کا نام "اللّٰھم" ہے۔ پاکستان میں غالباً" اس کار دشوار کی طرح راغب مراد آبادی نے ڈالی تھی۔ ان کے بعد شاعر لکھنوی مرحوم نے ایک غیر منقوط نعتیہ مجموعہ ترتیب دیا تھا جس میں صنف غزل کی صورت میں کچھ نعتیں تھیں اور کچھ قطعات و رباعیات۔ افسوس کہ بے وقت موت نے ان کو اس کی اشاعت کی مہلت نہ دی۔ خدا جانے کہ وہ مسوّدہ اب کہاں ہے۔ اس سے قبل ولی رازی نے یہ کارنامہ نثر کی صورت میں انجام دیا تھا۔

لطیف اثر یاد الٰہی میں ڈوبے ہوئے اور ذکر رسولؐ میں غرق ایک ایسے بزرگ ہیں جن کی مستی و سرشاری ہمہ وقت حمد و نعت کی تخلیق میں سرگرداں رہتی ہے۔ ان پاکیزہ اصناف میں شعر کہتے ہوئے وہ ادب و آداب اور حزم و احتیاط کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں۔ رہ گیا شاعری کا معاملہ تو بقول اردو کے ایک معروف و مقتدر پروفیسر "لطیف اثر اکثر بحر میں کہتے کہتے لہر میں کہنے لگتے ہیں" مگر لطیف اثر جیسے محب رسولؐ کی شاعری تو کچّی پکّی ہو سکتی ہے مگر عقیدت کچّی پکّی نہیں ہوتی۔

زیر نظر کتاب میں بہت سے بحر و وزن سے اترے ہوئے مصرعوں کے ساتھ ساتھ ایسے چست اور رواں مصرعے بھی موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ایسی سخت پابندیوں کے ہوتے ہوئے ان کی تخلیق کیسے ممکن ہوئی۔

دل کو ہے آسرا مرے مالک

○

عام ہر سو ہوئی مری روداد

○

اسے معلوم ہو گا حال دل کا

○

کام کس طرح ہوں مرے آساں

○

ہم کو دکھا دو عکس کمال مصوری

مجموعی حیثیت سے کتاب مصنّف کا ایک کارنامہ ہے۔ کتاب کی قیمت اچھے کاغذ اور اچھی طباعت کے باوجود مناسب نہیں۔ ایسی چھوٹی سی کتاب کی ۱۴۰ روپے قیمت زیادہ ہے۔

لطیف اثر سے گزارش ہے کہ "درد و دکھ" کی ترکیب پر نظرثانی کرلیں۔ "درد" فارسی اور "دکھ" ہندی ہے۔ ان الفاظ سے ترکیب عطفی بنانا غلط ہے۔ اگر شاعر "درد و دکھ" کے بجائے "درد دکھ" لکھتا تب بھی مصرعہ کے وزن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ناشر : وقاص اکیڈمی، بی / ۹، بلاک۔ آئی، نارتھ ناظم آباد، کراچی

☆ ☆ ☆

مدحت کے چراغ

"دبستان وارثیہ" قمر وارثی کی کاوشوں کے نتیجے میں علم و ادب کے میدان میں ایک اہم نام بنتا جا رہا ہے۔ قمر وارثی کی دقت پسند طبیعت نے ہمیشہ اظہار بیان کا مشکل سے مشکل تر رویّہ اختیار کیا۔ ان کی قادرالکلامی نے اس منزل دشوار کو آسان کر دکھایا۔ ان کی محنت ہی کا ثمرہ ہے کہ اس طرح لکھنے والوں کا ایک حلقہ پیدا ہوگیا جس میں مشّاق شاعروں نے طرح طرح کے کارنامے انجام دیئے۔ اور نومشقوں نے مشق کی طرف توجہ کی۔ انہیں شعرائے کرام میں ایک نمایاں نام امتیاز راہی کا بھی ہے۔ وہ اب ہم میں نہیں ہیں مگر ان کا زندہ کلام "مدحت کے چراغ" کی صورت میں نعتیہ ذخیرے میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

قمر وارثی نے مرحوم سے کیے گئے وعدے کو نبھاتے ہوئے کتاب کو بڑے سلیقے سے شائع کیا ہے۔

"مدحت کے چراغ" کے مطالعے سے امتیاز راہی کی قوت شعری کا اندازہ ہوتا ہے۔ سنگلاخ زمینوں اور مشکل قافیہ و ردیف کے ساتھ جتنے رواں مصرعے راہی نے لکھ دیئے وہ ہر ایک شخص کے بس کی بات نہیں۔ یہ امتیاز راہی کی حضورؐ پُرنور سے نیازمندانہ عقیدت کا ہی کرشمہ ہے کہ ان کے کلام کا ایک ایک مصرعہ تکلّف اور آورد سے پاک ہے۔ وہ جذبے کی شدّت کو الفاظ کا مناسب پیرہن فراہم کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ مشکل پسندی کے ساتھ سادہ نگاری وہ کمال ہے جس نے امتیاز راہی کو ایک منفرد مقام عطا کر دیا ہے۔

میرے آقاؐ آپؐ کی یاد اور میں آپؐ رکھتے ہیں مرا کتنا خیال

میری دعا ہے کہ دنیا میں امتیاز راہی کا خیال رکھنے والے آقاؐ و مولاؐ عاقبت میں بھی اس کا خیال رکھیں۔ ناشر ہیں "دبستان وارثیہ" کراچی

☆ ☆ ☆

گلدستۂ نعت

عادل اسیر دہلوی کا چھوٹا سا گلدستۂ نعت جیلانی پبلیکیشنز دہلی نے ایک گلدستے ہی کی طرح چھاپا ہے۔ ۴۸ صفحات کی اس چھوٹی سے کتاب میں ایک حمد' اکیس نعتیں ہیں۔ اس خوبصورت کتابچہ کی قیمت صرف ۱۵ روپیہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف اور پبلشر دونوں کے ذہن میں اس پاکیزہ تصنیف سے کسی قسم کی مالی منفعت کا تصور موجود نہیں۔ کتاب میں درج نعتیں مختلف عنوانات کے تحت لکھی گئی ہیں۔ پروفیسر عنوان چشتی نے چھوٹا سا مقدمہ تحریر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

"نعت میں ایک طرف اچھی شاعری کی ساری خوبیاں ہونی چاہئیں یعنی اس کا فنی' لسانی اور عروضی منظرنامہ صاف ستھرا ہونا چاہئے' دوسری طرف نعت میں جمالیاتی افکار و اقدار کی شدید ضرورت ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ عادل اسیر نے نہ صرف اس نکتہ سے آگاہ ہیں بلکہ اپنی نعتوں میں اس کا اہل ثابت کرنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔"

عادل اسیر نے بڑی پاکیزہ' صاف ستھری اور رواں زبان استعمال کی ہے۔ ان کا کلام سادگی و پُرکاری دونوں صفات کا حامل ہے۔ اس سبب سے یہ بڑوں اور بچوں دونوں کے لئے یکساں مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے طفیل ان کی اس کاوش کو مقبول فرمائے۔ آمین

یہ کتاب جیلانی پبلیکشینز' ۴۱ / ۲۲۴۱' کوچۂ جیلان' دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲' سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆

میلاد کا راز

"میلاد کا راز" معروف بہ "آداب نیاز" سید حاجی محمد قاسم حسین ہاشمی بریلوی کی تصنیف ہے۔ کتاب کی ترتیب و تدوین الحاج محمد طاہر حسین قاسمی کی رہین منّت ہے۔ کتاب کا آغاز بھی ان ہی کے مضمون سے شروع ہوتا ہے۔ جس میں موصوف نے اپنے مرشد کے خاندانی کوائف اور حالات زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

کتاب تین اہم حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ سوال و جواب کی صورت میں ہے جو بیشتر میلاد کے انعقاد اور آداب سے ہی متعلق ہیں۔ دوسرے حصے میں ایسے تمام موضوعات شامل ہیں جو بریلوی حضرات کے عقیدے کا حصہ ہیں۔ یہ ایک طرح سے ان الزامات کے جوابات بھی ہیں جو اس طبقہ پر لگائے جاتے ہیں۔ اس حصے میں میلادالنبیؐ کی فضیلت، میلاد کی محفلوں کے انعقاد و احترام کے طریقے، نیاز کے طور طریقے بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

کتاب کا تیسرا حصہ مصنف کی اپنی نعتوں پر مشتمل ہے۔ جو عقیدت و شیفتگی کے حسن سے مالا مال ہیں۔ قیمت کہیں درج نہیں شاید کتاب حصول ثواب کی خاطر مفت تقسیم کرنے کے لئے شائع کی گئی ہے۔

یہ خوبصورت اور پاکیزہ تصنیف ان لوگوں کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں جو میلاد کی محفلوں میں پڑھی جانے والی نعتوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

ملنے کا پتا ہے، قاسمی منزل، گلستان مصطفےٰ، مکان نمبر ۱۵ / ۷ ۹۴، دستگیر کالونی، فیڈرل بی ایریا کراچی

سجدہ گاہ دل

نبیؐ کے شوق میں جینا نبیؐ کے شوق میں مرنا　　یہی پہچان بتلائی گئی ہے اہل ایماں کی

○

زندگانی میں یقیناً" انقلاب آجائے گا　　اسوۂ خیر الوریٰ سے گر رہے وابستگی

○

بہت دشوار تھا صدیق قرآں پر عمل کرنا　　حدیث سرور عالمؐ نے یہ مشکل بھی حل کردی
ہر ایک مرحلۂ زیست پر عمل کے لئے　　نبی کا سامنے کردار ہے تو سب کچھ ہے

یہ اشعار "سجدہ گاہ دل" سے لئے گئے ہیں جس کے مصنف صدیق فتح پوری ہیں۔ صدیق فتح پوری کی حمد و نعت کی یہ کتاب اللہ و رسولؐ سے حقیقی تعلّق کا کھلا ثبوت ہے۔ صدیق فتح پوری دیں دار فرد ہیں۔ ان کی رگ رگ میں ایمان اور داعیات و مسلّمات اسلام رچے ہوئے ہیں۔ دوسرے شاعروں کی طرح وہ نہ حمد کہتے ہیں نہ نعت۔ دل سے نکلی ہوئی آواز دلوں میں گھر کرتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ کہنے والے میں سچائی، صداقت اور حق پرستی و حق گوئی کے اوصاف موجود ہیں۔ یہ کلّیہ صدیق فتح پوری پر پوی طرح صادق آتا ہے۔ صدیق فتح پوری کا خاندان ہی نہیں بلکہ کئی پشتوں سے ان کے یہاں دینی اور مذہبی ماحول رہا ہے۔ علم اور ایمان کی شمعوں نے ہمیشہ ان کے گھر میں اجالا قائم رکھا ہے۔ اس رنگ کی جھلک ان کے کلام میں جا بجا ملتی ہے۔ اللہ ان کی مساعی کو قبولیت کا شرف بخشے۔ آمین

ناشر ہیں : حسان پبلی کیشنز، اے۔ ۱۹/۷ سیکٹر ۱۱۔ بی کراچی

یاسینؐ

کسی مجموعۂ نعت کا نام ہی ان ناموں میں سے ہو جو حضور اقدسؐ کے صفاتی نام کہلاتے ہیں تو اس نام کے حسن و جمال کا کیا کہنا۔ اپنے گلدستۂ نعت کو یہ نام دینے والے کا نام سید وحید الحسن ہاشمی ہے جو علم کی بلندی اور شعور کی سرفرازی کے باوجود عجز و انکسار کا مجسمہ ہیں۔ صاحب قلب اور صاحب نسبت بزرگ ہیں۔ سید صاحب اپنے برگزیدہ بزرگوں کی نشانی ہیں۔

"یاسینؐ" کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ سید صاحب شاعر کے علاوہ ایک بے مثل نثر نگار بھی ہیں تحقیق و جستجو، فکر و شعور، معنی آفرینی کے خصائص کے ساتھ ساتھ ان کے اندر قوت بیان کا جوہر بھی موجود ہے وہ بڑی سے بڑی اور گہری سے گہری معنویت کو سہولت سے بیان کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں ایسی سادگی اور لہجے میں ایسا دھیما پن ہے جو بڑے کو اور بھی بڑا بناتا ہے۔

ہاشمی صاحب مشاق شاعر ہیں۔ اُن کا کلام شاعری کے اسالیب اور سخن سازی کے سبب سے نہیں بلکہ موضوعات کے تنوع، طرزِ بیان کی ندرت اور فکر و فن کی پختہ کاری کے سبب قبولیتِ عام کا درجہ رکھتا ہے۔

کتاب کا پہلا حصہ ان کے شاعرانہ کمال سے بھی کہیں زیادہ توجہ کا طالب ہے اور وہ ہے ان کا وہ پیش لفظ جسے انہوں نے "فن نعت نگاری" کے عنوان سے قلم بند کیا ہے۔ ۵۵ صفحات پر پھیلا ہوا یہ نثرپارہ ہاشمی صاحب کے تبحرّ علمی اور گہری بصیرت کا واضح ثبوت ہے۔ ان کا قلم بھی انہی کی طرح حق گو اور غیر جانب دار ہے۔ انہوں نے اس عہد کے ہر اچھے نعت گو کا تذکرہ کیا ہے مگر اپنے متعلق ایک فقرہ بھی نہیں لکھا۔ ضرورت کے مطابق تمام اچھے شعرا کے مقبول اشعار نقل کئے ہیں جن میں ان کے پیشرو بھی ہیں اور ہم عصر بھی۔ کہیں کہیں مناسبت کے اعتبار سے اپنے اشعار بھی نقل کئے ہیں مگر اس انکسار کے ساتھ کہ اپنا نام لکھنے کے بجائے کتاب کا نام "یاسینؐ" لکھا ہے۔ یہ ان کی شخصیت کا وہ پہلو ہے جو کہیں اور کم ہی نظر آتا ہے۔ ہاشمی صاحب کی دیانت اور دینداری عصبیت اور گروہ بندی سے پاک ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کا عقیدہ صاف ستھرا اور مستحکم و راسخ ہے۔ وہ حضور کی ذات کو مجرّد حیثیت سے دیکھتے ہیں اور کائنات کی سب سے اعلیٰ و ارفع ذات تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے تجمل لکھنؤی کی طرح یہ کہیں نہیں کہا۔ ع

نانا کی جو عزت ہے نواسے کے سبب ہے

نانا کی عزت و عظمت اپنی جگہ اور نواسے کا مرتبہ اپنی جگہ۔ ہاشمی صاحب بے جا نمود و نمائش کے بالکل قائل نہیں ان کی نمود ان کی تحریریں اور ان کی نمائش ان کی شاعری ہے۔

اظہار ذات کا یہ ایک انتہائی محتاط اور معتبر طریقہ ہے جو ہاشمی صاحب کی سنجیدہ طبیعت نے اختیار کیا۔
ہاشمی صاحب نعتیہ شاعری میں منفرد لہجے اور مخصوص انداز فکر کے مالک ہیں۔ ان کے مندرجہ ذیل اشعار میرے دعوے کو دلیل فراہم کریں گے۔

تلخ لہجوں کو مذاق خوش بیانی دے گئے
یہ زبانِ سید کونینؐ کا احسان ہے

○

انسانیت کو جب بھی کبھی ہوش آئے گا
درس حیات لے گی نبی کی حیات سے

○

ہم نے قرآں پہ نظر کی تو نظر آئے رسولؐ
صورت حق میں ہے یوں سیرت زیبائے رسولؐ

○

نظر خدا کی طرف زندگی عوام کے ساتھ
یہی طریق پیمبرؐ تمام عمر رہا

ان دو چھوٹے چھوٹے مصرعوں میں سیرت پاک کے سارے حسن کو سمیٹ لیا گیا ہے۔ رب کریم ہاشمی صاحب کو ان کی کاوشوں کا صلہ عطا فرمائے۔

حنیف اسعدی

☆ ○ ☆

حرف حرف خوشبو

"حرف حرف خوشبو" وقار اجمیری جیسے سچے نعت گو کا مجموعۂ کلام ہے جو عقیدت و شیفتگی کی خوشبو سے مہکتا ہوا ایک ایسا گلدستہ جس کے حرف حرف سے محبت، علو فکر، فنی و لسانی کمالات، لفظی دروبست، اظہار بیان کی قوت اور جمالیات کے حسن کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔

جو بات خود نہ سمجھی گئی ہو اس کا اس طرح بیان کرنا کہ دوسروں کی سمجھ میں بھی آجائے ناممکن ہے۔ وقار اجمیری کے کلام میں جا بجا تصوف کی اصطلاحات اور طریقت کے اسرار و رموز کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ایسے مشکل مقامات کو شعری پیکر فراہم کرنا صرف اسی کے لئے آسان ہو سکتا ہے جو معاملات کی گہرائی کو خود بھی ناپ چکا ہو۔ کتابی علم زیادہ سے زیادہ دوسروں کو متاثر کرتا ہے لیکن قلبی واردات اپنی اسراریت کے ساتھ قلب ہی کو آماجگاہ بناتی ہیں جب فکر کا سفر فہم سے گزر کر شعور تک اور شعور سے گزر کر احساس پر ختم ہوتا ہے تو اس کی فیض رسانی ان حدوں کو چھولیتی ہے جہاں صرف روح کی رسائی ہے۔ انسان اپنی ذات و صفات کے سفر سے ہی کائنات کے سفر تک پہنچتا ہے۔ وقار اجمیری اپنے کلام کے آئینے میں ایک ایسے ہی سفر کے مسافر ہیں جو ساری زندگی فکر کی مسافتوں کو سمیٹ کر اپنی ذات کو منزل مراد تک لے جانے کی سعی و کاوش میں لگا

رہتا ہے۔ ان کا آئینہ دل شوق کی لا انتہا ضربوں سے شکستہ ہونے کے بجائے ایسی جلا پا گیا ہے جس کی شفافیت پر وہ نقش بھی ابھرے جو بصارت کا حصہ تھے اور وہ عکس بھی منعکس ہوئے جن کو صرف بصیرت ہی دیکھ پائی ہے۔

"حرف حرف خوشبو" جیسی بڑی کتاب اور اس کے مصنف کے ذکر و اذکار ایک ایسے ہی عظیم قلم کی توجہ کے طلب گار تھے جو آقائے نامدار کی غلامی کی معتبر سند رکھتا ہو۔ زبان و بیان کے رموز سے واقف ہو۔ قلب گداز کی دولت سے مالا مال ہو عقیدے و عقیدت کی پاکیزگی سے آشنا ہو۔ وقار اجمیری کو ایسا ہی جامع کمالات فرد نصیب ہوگیا۔ ابوالخیر کشفی نے "نعت کے نئے افق" لکھ کر یہ ثابت کردیا کہ وقار اجمیری پر لکھنے کے لئے کشفی سے کم درجہ رکھنے والے شخص کی ضرورت نہیں۔ "حرف حرف خوشبو" کے بہت سے اشعار پر میں اشک بار ہوگیا ہوں مگر کشفی کے بعض جملوں نے مجھے تا دیر رلایا ہے۔ میں یہ سب آنسو اور ان کا اجر کشفی ہی کی خدمت میں نذر کرتا ہوں۔ اللہ کریم وقار اجمیری کی قبر کو ٹھنڈا رکھے اور کشفی کو صحت جسمانی و صحت ایمانی کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے۔ آمین۔

کتاب کے ناشر ہیں، فرید پبلشرز، کمرہ ۶ نوشین سینٹر، اردو بازار کراچی۔

☆ ○ ☆

اذان دیر

"اذان دیر" غیر مسلم شعرا کے حمدیہ کلام پر مشتمل ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے مواد اور موضوع کے اعتبار سے ایک انوکھی تصنیف کا درجہ رکھتی ہے۔ اس قبیل کی یہ پہلی کتاب ہے اس سے پہلے اس کار دشوار کو انجام دینے کی کسی نے جرأت نہیں کی اس لئے اولیت کا سہرا بہرنوع طاہر سلطانی کے سر ہی رہا۔ طاہر سلطانی اللہ رسول سے محبت رکھنے والے صاف شفاف باطن کے مالک، دین داری سے تعلق رکھنے والے نوجوان ہیں۔ وہ خود بھی حمد و نعت کے شاعر ہیں اور جذبے کی شدّت اور عقیدت کے جمال سے بہرہ ور فرد ہیں۔ ان کا یہ کارنامہ اردو ادب اور خصوصیت کے ساتھ دینی ادب میں سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے لائق ہے۔

"اذان دیر" میں ۴۹ ہندو شعرا کی حمدیں شامل ہیں جبکہ بعض شعرا کی کئی کئی حمدیں شریک کتاب ہیں ---- کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ حمدوں پر مشتمل ہے دوسرے حصے میں شعرائے کرام کے کوائف جمع کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں کام حد درجہ دشوار تھے اور اس کار اہم کو وہی انجام دے سکتا ہے جو لگن اور جانکاہی کے ساتھ کام کرنے کا شوق رکھتا ہو۔ اس سلسلے میں

جو کاوش طاہر سلطانی کو کرنا پڑی ہوگی اس کا اندازہ صرف ان ہی کو ہوگا۔ تحقیق، جستجو، مطالعہ، چھان پھٹک، انتخاب نہ جانے کتنے مراحل سے گزر کر مؤلف نے یہ کارنامہ انجام دیا ہوگا۔

"اذان دیر" کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم کی شخصیت، ذات مکرم، اخلاق حسنہ اور اعمال و کردار کس درجے کے ہوں گے جنھوں نے اپنوں تو اپنوں غیروں کے دل بھی موہ لئے۔ ایسے تمام ہندو شعرا جو حق کی تلاش میں رہتے ہیں اور جن کی فکر عصبیت کی آلودگی سے پاک ہوتی ہے سچائی کے علم بردار بن کر آقائے دو جہاں کی مدحت گزاری میں مصروف و مشغول نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں عقیدت کے جذبے کے علاوہ حق پرستی اور حق گوئی کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ ایسے لوگ حضور کی عظمت کو تو تسلیم کرتے ہیں اور اسلام کی برگزیدگی کے بھی قائل ہیں مگر ایک آدھ مثال کے باقی کسی میں یہ جرأت نہ ہو سکی کہ اپنے مذہب کی کوتاہیوں کا مقابلہ اسلام سے کرتا اپنا دین دھرم چھوڑ کر سچے اور اچھے مذہب کے دامن میں پناہ لے لیں۔ یہ بڑی جرأتوں کا سودا ہے بلکہ بغیر توفیق الٰہی یہ کام ممکن ہی نہیں۔ بہر نوع اللہ کریم ایسے تمام ہندو شعرا کو حسب مراتب جزائے خیر سے نوازے جنھوں نے اس کے حبیب پاک کی مدح سرائی میں کسی خوف۔ کسی جھجھک کے بغیر اپنی زبانیں کھولیں اور اپنے جذبات کی ترجمانی کی۔ حضورؐ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور سچائی اور حق کا حق ادا کیا۔

یہ کتاب ادارۂ چمنستان حمد و نعت، ۲۶ / ۳۸ بی ون اریا لیاقت آباد کراچی نے شائع کی ہے۔

☆ ○ ☆
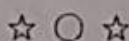
سخن سخن خوشبو

اک شہر نگاراں کہ مقدّر کا دھنی ہے آرام گہ سید مکّی مدنی ہے

محمد حنیف نازش قادری کا یہ شعر ان کے گلدستۂ نعت "سخن سخن خوشبو" سے لیا گیا ہے ان کی یہ نعت ان کی اچھی نعتوں میں سے ایک ہے جو امیر مینائی کی مشہور نعت کی زمین میں کہی گئی ہے۔ اتنی بڑی نعت کے بعد اس زمین میں ایسے شعر نکالنا جو کسی بھی کم تر درجے کے نہیں کہے جا سکتے کمال فن کی بیّن دلیل ہے۔ نازش قادری زبان و بیان اور سُپردگی و نیاز مندی کا دونوں صفات کے متصف ہیں۔ ان پہ یہ کرم بے بہا اس ذات اقدس کا ہے جس کی رحمت لا محدود اور جس کی کرم فرمائیاں بے حساب ہیں۔ نازش قادری کی نعتیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ نہ تو انہوں نے زور کلام کے اظہار کی خاطر خامہ فرسائی کی ہے نہ اپنی شہرت اور اپنے کمال فن کا سکّہ

جمانے کے لئے شاعری کی ہے بلکہ وہ سراپا حب نبیؐ میں غرق ہیں اور ان کارواں رواں مدحت سرکار کے لئے بے تاب و مضطرب ہے۔ ان کی نعت گوئی دراصل اپنے قلب و جاں کو بارگاہ رسالتؐ میں نچھاور کرنے کا ایک خوبصورت بہانہ ہے وہ خوش نصیب ہیں کہ دیارِ نبی اور بارگاہ ادب کا نظارہ کر آئے ہیں اور اپنے سینۂ خاکی کو نور محمدیؐ سے پُرنور کر لائے ہیں۔ حاضری و حضوری کا یہ جمال ان کے کلام میں جا بجا نظر آتا ہے۔ ان کی وارفتگی اور سرشاری آنسو بن کر چھلک چھلک پڑتی ہے اور وہ اسی کیفیت سرمستی میں ایسے ایسے شعر کہہ جاتے ہیں جو پڑھنے اور سننے والوں کو ہمہ تن اشکبار کردیتے۔ یہ سعادت یوں ہی نصیب نہیں ہوجاتی اس کے لئے اپنی ذات کو فنا کردینے اور اپنے وجود کو سراپا سپاس بنا دینے کی سخت و سنگلاخ منزل سے گزرنا پڑتا ہے۔ نعت اصلاً" تو حب نبی میں ڈوب کر شمائل خصائل نبوی کے ذکر و اذکار کا نام ہے مگر بات سلیقے اور حسن کے ساتھ کہی جائے تو موضوعِ سخن میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ یہ سلیقہ نازش قادری کو بہ صد ہزار حسن و خوبی عطا ہوا ہے۔

"سخن سخن خوشبو" نعتیہ ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ کلام میں تاثیر کا وہ طلسم پایا جاتا ہے جو دماغ سے لے کر دل تک اور دل سے لے کر قلب تک کیف سپردگی میں غرق کردیتا ہے۔ نازش قادری نے جگہ جگہ آمد محمد مصطفیٰ کے مضامین کو طرح طرح سے ادا کیا ہے۔

چیرہ دستیوں کے سبب قلب جہاں تھا مجروح آپ آئے تو ہوئی ٹوٹے دلوں کی تالیف

○

انؐ کے اخلاق پسندیدہ پہ قرآں ہے گواہ لفظ و اظہار سے بالا ہے نبیؐ کی توصیف

○

بستیٔ امراض کو روح شفا بخشی گئی آپ کے قدموں نے یثرب کو مدینہ کردیا

ساری کتاب صحت لفظی کا نادر نمونہ ہے مگر آخری شعر میں "بستیٔ امراض" کی ترکیب محل نظر ہے۔ "بستی" ہندی اور "امراض" فارسی ہے۔ ان الفاظ کو جمع کرکے ترکیب اضافی درست نہیں۔ یہ قواعد کے اعتبار سے غلط ہے۔ میں معذرت کے ساتھ اس معمولی اور واحد کوتاہی کی طرف اس لئے اشارہ کررہا ہوں کہ ایک زباں داں کے یہاں ایسی کمزور صورت حال نہیں ہونا چاہئے۔ انسان پھر انسان ہے وہ فرشتہ ہرگز نہیں جس سے کوئی غلطی سرزد ہونے کا امکان تک نہیں ہوتا۔

کتاب کے ناشر نعت اکادمی پوسٹ بکس ۲۵ فیصل آباد ہیں۔

☆ ○ ☆
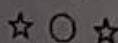
مخزن نور

"مخزن نور" رحمت اللہ راشد احمد آبادی کا نعتیہ مجموعۂ کلام ہے۔ ۱۳۶ صفحات کی اس چھوٹی سی کتاب میں ۴۵ صفحات پر مقدمات اور تقریظیں ہیں جو حسب معمول مصنّف کی ذات و صفات سے متعلق ہیں۔ ان میں لکھنے والوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ راشد احمد آبادی نے ایسے ایسے کمالات دکھائے ہیں جو اردو شاعری میں یا تو پائے ہی نہیں جاتے یا کم پائے جاتے ہیں حالانکہ شاعر بے چارے نے تو انتہائی سادگی اور شیفتگی کے ساتھ اپنے آقا کی مدح و ثناء کی کوشش میں لگا ہوا ہے مگر تبصرہ نگاروں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مصنّف سے تعلق رکھنے والے خطے میں اس جیسا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا اس سلسلے میں سب سے زیادہ مبالغہ آرائی پروفیسر نادم بلخی نے کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ راشد احمد آبادی نے جن بحروں میں نعتیں لکھی ہیں ان بحروں میں شعر کہنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بیچارے شاعر نے تو ان بحروں کا انتخاب کیا ہے جو معروف' رواں اور روز مرّہ استعمال میں آنے والی بحریں ہیں۔ درحقیقت ڈاکٹر بلخی نے شاعر کی آڑ میں اپنی عروض دانی کا سکّہ جمانے کی کوشش کی ہے اور غیر ضروری حد تک اس بحث کو طول دیا ہے۔ بلخی صاحب فرماتے ہیں۔

"پورے کلام میں معنوی صنعتیں کئی ہیں لیکن شاعری کی معنوی خوبیوں کا نچوڑ بیشتر کنایہ' اشارہ' ایہام' تلمیح اور سہل ممتنع ہے۔ اس طرح پورا کلام زیادہ تر اپنے معنوی محاسن کو اول تا آخر اجاگر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔"

سوال یہ ہے کہ معنوی خوبیاں ایسی عنقا ہیں جو صرف راشد کے یہاں ملتی ہیں۔ یہ تو وہ ابتدائی چیزیں ہیں جو مبتدیوں کے حصے میں بھی آتی ہیں۔

راشد احمد آبادی کی شاعری کی خصوصیات میں ان کی سادہ نگاری اور حبِّ رسولؐ کو بڑی اہمیت ہے۔ حضور پُرنور کے سلسلے میں ان کی صداقت اور عقیدت اس مسلمان جیسی ہے جو حضورؐ کی نسبت کو اپنے لئے موجب فخر سمجھتا ہے اور اسے اپنی نجات کا ذریعہ جانتا ہے۔

جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے بس وہ ہے۔ ان کے یہاں ہر سطح کے شعر مل جاتے ہیں۔ جہاں انہوں ایسے شعر کہے ہیں۔

جہاں سے ایک قدم آگے نہ جاسکے جبریلؑ　　نبیؐ بہ شان نبوت وہاں سے گزرے ہیں

○

اس کو سمجھا نہ اہل طائف نے کتنے ثابت قدم ہیں محمدؐ

○

محترم دور نبوت سے بھی پہلے تھے حضور اہل مکہ مطمئن تھے آپ کے کردار سے

○

وہاں انکے یہاں ایسے اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔

جو نُور، علیٰ نور تھی ذات اقدس نہیں تھی کسی بھی پیمبر کی آقا

دوسرے مصرعہ کا ابتذال توجہ طلب ہے۔

شاہ ارض و سما محمدؐ ہیں اک حبیب خدا محمدؐ ہیں

یہاں اک بھرتی کا ہے اور محض وزن پورا کرنے کے لئے لکھا گیا ہے۔

موج لطف و کرم محمدؐ ہیں یعنی رحمت کے یم محمدؐ ہیں

صرف قافیہ لکھنے کے لئے "یم" جیسا نامانوس لفظ لکھا گیا ہے۔ "رحمت کے یم محمدؐ ہیں" آپ کو کیسا لگتا ہے۔

کتاب کے ناشر ہیں' سیماب اکیڈمی' تکیہ معصوم شاہ مومن پورہ ناگپور نمبر ۱۸' انڈیا

☆ ○ ☆

حرف منزّہ

"حرف منزّہ" سید انوار ظہوری کا مجموعۂ حمد و نعت ہے جس میں ۹ حمدیں اور باقی نعتیں ہیں جو کچھ تو غزل کی فارمٹ میں ہیں۔ کچھ قطعات کی شکل ہیں۔ چند قصیدے کی طرز میں اور ایک آدھ مخمّس کی صورت میں لکھی گئی ہیں۔ انوار ظہوری نے تقریباً" ہر صنف سخن میں لکھا ہے اور بڑا مستحکم لکھا ہے۔ انوار ظہوری بہت سی زبانوں پر عبور رکھتے ہیں۔ جس میں اردو' فارسی اور ہندی نمایاں ہیں۔ ان کا تعلق دکن کے ایک ادبی اور دینی خاندان سے ہے۔ ظہوری کا فن اس درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے جس کی تمنا اور حصول میں لوگ زندگیاں گزار دیتے ہیں۔ وہ ادب کے ایسے رسیا ہیں جن کی نظر سے' نظم و نثر' تنقید و تحقیق حتیٰ کہ تاریخ کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں۔ "حرف منزّہ" ان کے کمال فن کا بڑا نادر نمونہ ہے۔ ان کی حمد ہو یا نعت اسلوب اور فکر کے اعتبار سے الگ پہچانی جاتی ہے۔ یہی انفرادیت ان کو دوسرے شعرا سے ممیز و ممتاز کرتی ہے۔

انوار ظہوری قادر الکلام شاعر ہیں۔ ان کو زبان اور بیان دونوں پر یکساں قدرت ہے۔ ان کا قلم جس طرف چل پڑتا ہے رکنے کا نام نہیں لیتا۔ ان کی طویل منظومات یکساں معیار کے ساتھ

آگے بڑھتی ہیں اور کہیں بھی طول کلام کے نقص سے دوچار نہیں ہوتیں۔ فکر کی ندرت اور اظہار بیان کے نت نئے سانچے قاری کی دلچسپی کو قائم رکھتے ہیں۔ انوار ظہوری نے محض حصول ثواب کے لئے چند حمدوں اور نعتوں تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ وہ پورے طور پر حمد و نعت کے شاعر ہیں۔ ان کے زور کلام اور قوت بیان کو دیکھنا ہو تو بطور خاص ان کے قصائد کا مطالعہ کیا جائے جس میں لفظی دروبست اور اسالیب کے ایسے کرشمے نظر سے گزرتے ہیں کہ پڑھنے والا ششدر رہ جاتا ہے۔

انوار ظہوری کی مذہبی و دینی معلومات اعتبار کے قابل ہے وہ اللہ و رسولؐ کے مناصب و مناقب اور ان کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اس کا مناسب ترین ذکر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام معلوماتی بھی ہے اور دل نشیں بھی۔ لیکن ان کی شاعری نہ آسان ہے نہ عام فہم۔

اس قدر خوبیوں کے باوجود ایک بات پھر بھی محلّ نظر آتی ہے۔ ایک طرف ان کا نعتیہ قصیدہ قصیدے کے تمام و کمال اوصاف کے ساتھ ساتھ لفظ و بیان کا بھی کرشمہ ہے تو دوسری طرف قصیدۂ نعتیہ (تائے ہندی) میں ایسے قوافی نظم کئے گئے ہیں جو کسی طرح بھی نعت کی زبان کہلائے جانے کا مستحق نہیں۔ حرف منزّہ جیسی کتاب میں ایسے حرف ناملائم کا اجتماع صرف محلّ نظر ہی نہیں طبیعت میں انقباض پیدا کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔ مرگھٹ، چل ہٹ، کھٹ کھٹ، غٹ غٹ، چٹ چٹ، پھٹ پھٹ جیسے مجہول اور ادنیٰ الفاظ کی نعت میں گنجائش کہاں۔ یہ طریق کار زور کلام کے اظہار کے لئے تو مناسب ہے مگر سنجیدہ تحریر کے لئے حد درجہ نامناسب ہے۔

کتاب بڑے اہتمام اور حسن و خوبی کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ اس کے باوجود =/220 روپیہ قیمت اس قدر زیادہ ہے کہ کتاب کو مستعار لے کر تو پڑھا جاسکتا ہے لیکن قرض لے بھی نہیں خریدا جاسکتا۔

ناشر ہے، ظہوری اکیڈمی۔ ۲۔ نشتر کالونی (مین بازار داتا نگر) بادامی باغ، لاہور

☆ ○ ☆
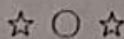
بارگاہ ادب میں

ڈاکٹر خالد عباس الاسدی کا نعتوں کا مجموعہ "بارگاہ ادب میں" پڑھ کر محسوس ہوا کہ اللہ کریم کا ایسا کرم اس دیوانۂ رسولؐ پر ہے جس کی مثال مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتی ہے۔ یوں خدائے برتر نے نہ جانے کس کس کو نوازا ہے۔ اس کی رحمت عام اور نعمتیں اقصائے عالم میں ہر

طرف بکھری ہوئی ہیں مگر ڈاکٹر خالد عباس الاسدی پر اس کے کرم کی بارش ہے کہ اس کا رواں رواں ولائے رسول میں غرق ہے۔ زبان و بیان، لفظ و معانی، عقیدت و شیفتگی کی ایسی متاع جو ڈاکٹر خالد کو حاصل ہے وہ قابل صد رشک ہے وہ خوش نصیب ہے کہ عرصہ سے مدینہ منورہ میں متمکن ہے وہ اس کرم خاص پر نازاں ہے۔ وہ روشنیاں سمیٹتا رہتا ہے اور روشنیاں حرف بیان میں ڈھل جاتی ہیں تو حضور پُرنور کی مدح و ثناء کا ایسا حق ادا کرتی ہیں جو سوائے توفیق الٰہی کسی ممکن نہیں۔

ڈاکٹر خالد کی زبان بھی آسان اور بیان بھی سادہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے کلام میں دل نشینی و تاثیر کی وہ بلندیاں موجود ہیں جن کو چھونے کی کوشش میں انسان کا دم پھول جاتا ہے۔

ڈاکٹر خالد عرصہ دراز سے مدینہ منورہ میں متمکن ہیں۔ ان کو مادّی دنیا کی ساری آسائشیں حاصل ہیں مگر سب سے بڑی دولت بے بہا حضور اقدس کا تقرّب ہے جس پر وہ بجا طور پر نازاں ہیں۔

محترمی حفیظ تائب نے ڈاکٹر خالد کے لئے جو کچھ لکھا اس کا ایک ایک حرف سچا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"ڈاکٹر خالد عباس الاسدی نے نعت کو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل و شمائل کے ساتھ ساتھ نقوش سیرت سے مزیّن کیا ہے۔ آپ کی بیکراں رحمتوں کا تذکرہ چھیڑا ہے۔ حضور اکرمؐ سے اپنے تعلق خاطر کا اظہار کیا ہے۔ نازک جذبات و احساسات کی ترجمانی کرکے نعت کو زندگی سے ہم آہنگ کیا ہے۔ اسلوب کی شائستگی اور عمدگی کو ہر جگہ قائم رکھ کر فن نعت گوئی کے تمام تقاضے پورے کئے ہیں۔

تقسیم کار ہیں۔ الحمد پبلی کیشنز، چوک انار کلی لاہور

☆ ○ ☆

نوازشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

الحمد للہ صنف نعت عہد گزشتہ میں جس قدر بے توجہی کا شکار رہی اسی تیزی سے اس دور میں نعت لکھی بھی جارہی ہے اور فن نعت پر بھی لکھا جارہا ہے۔ پاکستان کے علاوہ بھارت کے شعرا بھی نعت نگاری کی طرف بطور خاص توجہ دے رہے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی "نوازش مصطفیٰ" بھی ہے جس کے مصنف نظمی مارہروی ہیں۔ کتاب ممبئی میں شائع ہوئی ہے۔

نعت گوئی کا پہلا نقطہ یقیناً "حبّ رسولؐ" ہے جس کے بغیر محض شاعری یا معیار شاعری کی

اس اعتبار سے دوسری اصناف سخن سے مختلف ہے جس کا بنیادی مقصد سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت، اوصاف حمیدہ، کردار و شخصیت، تعارف و اشاعت دین الٰہی کے لئے کار نبوت کی تفصیلات پر روشنی ڈالنا ہے۔ نظمی مارہروی نے اس کار آمد نکتہ کو پیش نظر رکھ کر نعت گوئی کا صحیح حق ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کے بیشتر اشعار آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا منظور ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔

نظمی نے کتاب کی ترتیب میں ایک خاص التزام رکھا ہے۔ وہ پہلے کوئی اسلامی واقعہ۔ سیرت پاک کا کوئی اقتباس، انبیائے کرام کے واقعات، صوفیاء و صالحین کے اقوال لکھ کر انتہائی مفید ذخیرہ معلومات فراہم کرتے ہیں اس کے بعد وہ اپنی کوئی نعت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ تواتر کے ساتھ کتاب کے آخر تک چلتا ہے۔ اس طرح مصنف کی نیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی تصنیف کو محافل میلاد آراستہ کرنے کی غرض سے تحریر کیا ہے۔ اس مقصد کو نظر میں رکھتے ہوئے نظمی نے زبان اور بیان کو انتہائی سادہ اور عام فہم رکھا۔ اس سلسلے میں ان کی معلومات بھی اعتبار کے قابل ہیں اور خلوص و عقیدت بھی قابل تحسین۔ ان کی نعتوں میں عجیب طرح کی دلسوزی ہے جو ان کے اس تعلق کو ظاہر کرتی ہے جو انہیں اپنے آقائے نامدار سے ہے۔

کتاب اپنے حجم اور مواد کے اعتبار سے 50/= روپے کے لائق ہے۔

ملنے کا پتا ہے: ۳۰۹ برکاتی ہاؤس، ۶۳/۶۵ ایم اے سارنگ مارگ ڈونگری، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۹

☆ ○ ☆
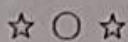
شعرائے بدایوں دربار رسولؐ میں

ڈاکٹر شمس بدایونی کا نام اہل ادب کے لئے نیا نہیں ہے۔ اس کتاب سے پہلے بھی ڈاکٹر صاحب تحقیق و تنقید، تاریخ و تذکرہ کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ زیر نظر کتاب بدایوں کے معروف اور قابل ذکر شعرا کی سوانح اور شاعری پر سیر حاصل مقالے کی حیثیت رکھتی ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ فصل اول "قبل عہد جدید" کے عنوان سے سینیئر نعت گو شعرا کی تفصیلات پر نظر ڈالی ہے اور فصل دوم میں "عہد جدید" کے نام سے بعد کے شعرائے کرام کا تذکرہ ہے۔ کتاب کی پذیرائی کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس

کا پہلا ایڈیشن جو ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا تھا ختم ہوگیا اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا جو اسوقت پیش نظر ہے۔

کتاب میں ۷۵ شعرائے کرام کے حالات زندگی اور شعری کاوشوں کی اجمالی تفصیلات ملتی ہیں۔ ہر شاعر کے خاندانی کوائف کلام کے نمونے علمی دست گاہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف۔ تاریخ پیدائش اور یوم وفات کے تصدیق شدہ حوالے اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے۔

ڈاکٹر شمس کی اس بیش بہا تصنیف سے نہ صرف بدایوں کے نعت گو شعرا کی تفصیلی فہرست سامنے آتی ہے ساتھ ہی ساتھ ایک طور پر صنف نعت گوئی پر ایک جامد اور قابل اعتبار تاریخ بھی مرتّب ہوئی جاتی ہے۔

ڈاکٹر شمس بدایونی نے جس جانفشانی سے کتاب کو مرتّب کیا ہے اس سے ان کی ادبی دیانت اور موضوع سے لگن کا پتا چلتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ اپنے مطالعہ و مشاہدہ کے علاوہ اپنے بزرگوں اور ہم عصروں سے معلومات حاصل کرکے لکھا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کارنامہ اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافے کے ساتھ ساتھ ایک تاریخی و ادبی دستاویز کی حیثیت سے پڑھا اور یاد رکھا جائے گا۔

ناشر ہیں: محمد عبدالستار بدایونی، ۱/۔ ۷۴۵ /۱۱۔ بی نارتھ کراچی
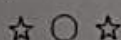
☆ ○ ☆

چراغ

فردوسی نے فارسی میں رزمیہ داستانوں پر
کے بعد بیسویں صدی کے آغاز میں حفیظ جالندھری
عربی میں ایک طویل قصیدہ بردہ شریف "الکواکب
الدین ابو عبداللہ محمد بوصیری نے لکھا۔ حفیظ
طویل نعتیہ قصیدے اردو میں برصغیر کے جغرافیائی
بہت مشہور ہوئیں۔ عبدالعزیز خالد نے بھی طویل
"غزوات رحمۃ للعالمین" کے نام سے ایک منظ
اہم کڑیاں حالی کی مسدس "مدوجزر اسلام" ک
ہیں۔ یہ جو ایک سلسلہ ہے اس سے ذرا مختلف
مثنوی لکھی جو مثنوی مولانا روم کے نام سے مش
اسرار خودی اور رموز بیخودی کے نام سے دو
سے متعلق ہیں۔ شیخ سعدی نے ملی جلی نظم و نثر
یہ تمام کتابیں زندگی کی اعلیٰ قدروں کو اجاگر کر
ہیں۔ نظم کے ساتھ ساتھ ایک حیرت انگیز نثر
صنعت غیر منقوط میں سیرت رسول اکرم صلی ا
لکھی گئی کتابیں ایک سے ایک بہتر اور خوب تر
حساب۔ حسب توفیق تصنیف و تالیف اور تخلیق

یہ تمہید اس لئے باندھی گئی ہے کہ حال
پر آئی ہے۔ نثر میں تحقیق، تصنیف اور تالیف
عمل بطور خاص ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ عمل جتنا
شاعرانہ اور ادبی معیار کو متعین کرتا ہے۔ طو
کلام پر قدرت کا مطالبہ کرتی ہیں۔ چونکہ ان
صرف تصوراتی ہوتا ہے اس لئے یہاں بات ر

ع حرا

شفیق الدین شارق

مشتمل شاہنامہ لکھا۔ اس کے ایک طویل عرصہ
ں نے منظوم شاہنامہ اسلام لکھا جو اردو میں ہے۔
ب الدّریّہ فی المدح خیرالبریّہ" کے نام سے شرف
جالندھری سے پہلے محسن کاکوروی نے خوبصورت
اور تاریخی تناظر میں لکھے۔ یہ سب طویل نظمیں
ں نعتیہ نظمیں اردو میں لکھیں۔ لالہ صحرائی نے
ظوم کتاب اردو میں تحریر کی۔ اسی سلسلے کی زیادہ
ے نام سے ہے اور علامہ اقبال کی مختلف نظمیں
پیر رومی جلال الدین نے فارسی میں ایک طویل
ہور ہے۔ اور ان کے مرید ہندی علامہ اقبال نے
طویل مثنویاں لکھیں جو اسلامیات اور اسلامی فکر
میں گلستان اور مثنوی کی ہیئت میں بوستان لکھی۔
تی ہیں اور ادب عالیہ برائے زندگی میں شمار ہوتی
ی کاوش جناب ولی محمد رازی کی ہے اور وہ بے
للہ علیہ وسلم۔ ان کے علاوہ سیرت حضور پاکؐ پر
نثر میں موجود ہیں۔ منظوم نعتوں کا تو نہ شمار ہے نہ
کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔

ہی میں منظوم سیرت نبویؐ کی ایک کتاب منظر عام
کے عوامل نمایاں ہوتے ہیں لیکن نظم میں تخلیق کا
طاقتور، توانا اور متاثر کن ہوتا ہے اتنا ہی نظم کے
ل موضوعاتی نظمیں ایک وسیع و عمیق مطالعہ اور
ظموں کا تعلق تخیل محض سے نہیں ہوتا اور نہ
دیف اور قوافی پر ختم نہیں ہوجاتی۔ سیرت و کردار،

واقعات، تہذیب و ثقافت، تاریخی و جغرافیائی اور دیگر کئی عوامل چونکہ اپنے موضوع سے گہرا ربط رکھتے ہیں اس لئے اس میدان میں قدم قدم پر سنبھل کر چلنا پڑتا ہے اس التزام کے ساتھ کہ شاعری اور ادبی تقاضے بھی اس تحریر میں اپنے موضوع کے متوازی رہیں اور شروع سے آخر تک ادبی معیار برقرار رہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ جو نظم تخلیق کی جارہی ہے اس کی ادبی حیثیت مجروح نہ ہونے پائے۔

مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں جناب قیصر الجعفری کی کتاب "چراغ حرا" کا مطالعہ کرنے سے پہلے ہم موصوف ہی سے ملاقات کرتے ہیں۔ اس کتاب کی تخلیق سے پہلے وہ غزل کے شاعر کی حیثیت سے متعارف ہو چکے تھے۔ (۱) رنگ حنا (۲) سنگ آشنا (۳) دشت بے تمنا۔ یہ تین شعری مجموعے ان کے شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) "نبوت کے چراغ" کے نام سے ایک نعتیہ مجموعہ بھی آچکا ہے۔ (۵) ان کی کلیات "پتھر ہوا میں پھینکئے" کے نام سے ہندی رسم الخط میں چھپ چکی ہے۔ وطن مالوف ان کا الہ آباد، وطن ثانی پرتاب گڑھ اور موجودہ پتہ ان کا 404-B، منور باغ۔ کوسہ تھانے (مہاراشٹر) 400612، بھارت ہے۔ مستقل قیام ان کا ممبئی میں ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ایک سفر میں سیرت رسول پاکؐ پر ایک کتاب کے مطالعے کے دوران یہ تحریک ان کے دل میں پیدا ہوئی۔ کہ اس مقدس موضوع پر ایک منظوم کتاب لکھنی چاہئے۔ جس رات کے ابتدائی حصے میں انہیں یہ خیال آیا اسی رات انہوں نے اس کی منظوم تمہید لکھی اور وہی اشعار اس کتاب کی بنیاد بن گئے۔ اس خوبصورت کتاب کا نام "چراغ حرا" ہے۔ یہ کتاب ادارہ ادب اسلامی، ہند ۲۷۰۳، بارہ دری۔ بلیّ ماران۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶ (بھارت) نے شائع کی ہے۔ ۲۴۸ صفحات کی اس کتاب کی قیمت فی الوقت ۸۰ روپے (بھارتی) ہے۔

حسن اتفاق ہے کہ اس کتاب کے سلسلے میں چند ایسے حضرات کو بھی یہ خیال آیا جو ایمرجنسی کی شب تار میں آمریت کے ظلم و جبر کا شکار ہو کر ہزارہا دیگر افراد کی طرح بھارتی جیل میں اسیر تھے۔ خیال یہ تھا کہ عوام کو حضورؐ کی سیرت سے بڑے پیمانے پر روشناس کرانے کے لئے اس کو منظوم کر کے پیش کیا جائے تو بہت مفید ہوگا۔ ان میں سے جو صاحب شاعر سے رفاقت و محبت کا ایک طویل تعلق رکھتے تھے انہوں نے شاعر تک یہ بات پہنچائی۔ یہ تحریک داخلی بھی تھی اور بیرونی بھی۔ وہ آمادہ ہو گئے۔ نہ کوئی محمود غزنوی تھا نہ کوئی فردوسی، نہ دنیوی انعام و اکرام کا لالچ نہ خالصتاً دنیوی شخصیات کا تذکرہ۔ ایک پاکیزہ جذبے اور مقدس احساس نے اس تحریک کو تقویت بخشی اور ایک سال میں دو ہزار ستترؔ (۲۰۷۷) اشعار پر مشتمل ایک طویل نظم مکمل ہوگئی۔ یہ نظم کتاب کے ۱۸۵ صفحات پر محیط ہے۔ اس شاہنامے کا انعام شاعر کے نامہ اعمال میں درج

ہو گیا۔ آخرت میں اس کا ملنا یقینی ہے اور عین ممکن ہے کہ دنیا میں بھی شاعر اس انعام کے کچھ حصے سے نوازا جائے جو اس کے لئے سکینت کا باعث ہو اور اس کے ایمان کو مضبوط تر کرنے کا وسیلہ ہو۔

اس کتاب میں پچپن عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔ عنوانات کے بارے میں قیصرالجعفری کا کہنا ہے کہ "کسی عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں بہت سی ایسی چیزیں آگئی ہیں جو بظاہر اس عنوان سے تعلق نہیں رکھتیں۔ دوسرے موضوع بھی آگئے ہیں لیکن اس سے اسوۂ رسولؐ کے کتنے ہی گوشے اجاگر ہو گئے ہیں جو تاریخی حوالوں میں معتبر ہوئے ہیں۔"

واقعات کے بارے میں بھی ہم شاعر ہی سے رجوع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "کہیں تفصیل سے کام لیا گیا ہے اور کہیں اختصار سے مگر ہر جگہ تشریحی اور تجزیاتی رنگ اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

اس طویل نظم کے اسلوب اور زبان و بیان کے بارے میں ان کی وضاحت یوں ہے۔

"اس طویل مثنوی پر غزلیہ طرز فکر اور اسلوب ادا نظر آنا حیرت کی بات نہ ہوگی کہ غزل کہتے عمر گذری ہے مگر یہاں شاعری نے ایک سچے موضوع پر سچائی کا سفر کیا ہے---- زبان و بیان پر بڑی توجہ دی ہے مگر، کہاں کہاں لغزش ہوئی ہے مجھے معلوم ہے اہل نظر سے چھپنا محال ہے---- قوافی کے تعلق سے کوتاہی ہوئی ہے اور بھی کوتاہیاں اور کمزوریاں ملیں گی جس کا مجھے اعتراف ہے۔"

تخلیق کار کی نثری سطور کے بعد کتاب کا منظوم ابتدائیہ ہے جو شاعر کے قلبی اور روحانی جذبات سے لبریز ہے۔ اس میں جو سرشاری کی کیفیت ہے وہ خیالی نہیں، عین حقیقت پسندانہ ہے۔ یہ کیفیت جو ابتدائیہ سے پھوٹی ہے، پوری نظم پر چھا گئی ہے۔ اگر ہم نعت سے صرف شاعرانہ اسلوب میں مدحت رسولؐ سے مراد لیں تو بھی یہ کتاب نعت کی ایک اہم اور قابل ذکر کتاب ہے۔ جس میں نعت کے مختلف پہلو سیرت رسولؐ اور حیات نبویؐ کے واقعاتی جائزے سے اخذ کئے گئے ہیں اور بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ اس بات کا ضرور خیال رکھا گیا ہے کہ نظم اختصار چاہتی ہے اور دریا کو کوزے میں بند کرتی ہے۔ اس لئے واقعات کو زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے سیرت رسول اکرمؐ پر بہت سی نثری کتابیں موجود ہیں جو پڑھی جانی چاہئیں۔ مثلاً" قاضی سلیمان سلمان پوری، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، حسنین ہیکل، صفی الرحمٰن مبارکپوری وغیرہم کی کتابیں۔ "چراغ حرا" نظم ہونے کی وجہ سے کچھ اور ہی چیز ہے۔ اس کے شاعرانہ اسلوب میں حالات و واقعات کے علاوہ جس خصوصیت کو ہم شعریت کہتے ہیں اس سے ہم اس

کتاب کے ہر صفحے کو مالا مال پاتے ہیں۔

اس کتاب کا ابتدائیہ ۴۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں سے چند اشعار:

منزلِ جاں کا سفر در بدری میں گزرا جو بھی گزرا وہ عجب بے خبری میں گزرا

کوچۂ فن میں بڑی گرد اڑائی میں نے تھک گئے پاؤں مگر راہ نہ پائی میں نے

پھر بھی اک نورِ رسالت کہ خیالوں میں رہا میں اندھیروں میں رہا، ذہن اجالوں میں رہا

نظم کی اٹھان میں جو روانی اور سلاست ہے قابلِ توجہ ہے۔ آگے چل کر کہتے ہیں:

سیرتِ احمدِ مختارؐ مجھے لکھنی ہے مدحتِ سیدِ ابرارؐ مجھے لکھنی ہے

رنگ سوکھے ہوئے پھولوں میں سمونا ہے مجھے اپنے اشعار میں صدیوں کو پرونا ہے مجھے

ایک اک لفظ کو آئینہ بنادوں یارب! جو تصور میں ہے کاغذ پہ بچھادوں یارب!

تیرے محبوبؐ کی مدحت میں قلم اٹھا ہے میرے ویرانے میں اک ابرِ کرم اٹھا ہے

ذہن میں کس گلِ نورس کا خیال آیا ہے کس کی خوشبو ہے جو کاغذ میں جمال آیا ہے

کوئی جلوہ نہ ہو آنکھوں میں مدینے کے سوا اور کچھ کام نہ ہو عشق میں جینے کے سوا

یہ پورا ابتدائیہ ذوق و شوق کی ایک نہر ہے جو رواں ہے۔ آب رکنا باد اس کے آگے کیا ہے اور کہاں ہے۔ اس میں عقیدت اور عقیدہ دونوں موج زن ہیں۔ اس میں جو جذبہ کار فرما ہے وہ ہمیں نعیم صدیقی کے نعتیہ مجموعے "نور کی ندیاں رواں" کی یاد دلاتا ہے۔ یہ ابتدائیہ چراغِ حرا کا ایک بہت خوبصورت تعارف ہے۔

مجھ سا انسان بھی توصیفِ پیمبرؐ لکھے ایک قطرے کی یہ جرأت کہ سمندر لکھے

شعر اترتے ہیں، یہ الہام نہیں تو کیا ہے ہاں، یہ انعام پہ انعام نہیں تو کیا ہے

جب قلم کھردرے کاغذ پہ رواں ہوتا ہے مجھ کو جبریلؑ کے اڑنے کا گماں ہوتا ہے

نعت لکھنے کی خواہش کو اور اس لکھنے کے عمل کو متعدد شعرا نے نظم کیا ہے لیکن اس ابتدائیے میں لکھنے کی بات جس طرح آئی ہے وہ منفرد ہے اور قیصر الجعفری ہی کا حصہ ہے۔ اس میں احساس کے شعلے ہیں تو آنسوؤں کی نمی بھی ہے۔ اس میں جذباتی فضا کی کیفیت بھی ہے اور تازہ تازہ لہو کی حرارت بھی۔ اس میں دیدہ وری بھی ہے اور جگر کاوی بھی۔ اس میں تنہائی کی بزم آرائی بھی ہے اور مضامین کے نزول کی سعادت افزائی بھی۔ بزمِ رسالت مآب میں اشعار کا دفتر یوں کھلا ہے گویا گنجینۂ گوہر کا در کھل گیا ہے۔ بقول غالب "ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال" جب حیاتِ انسانی میں رازِ ہستی سر تا سر کھل جائے اور حیاتِ بشری کو جنت کا نمونہ بنا دینے والےؐ کا تذکرہ ہو تو گور کے اندر خلد کا در کھلنے کی بات تو بعد کی بات ہے، پہلے فرشِ زمیں پر

ہی وہ منظر نگاہوں کے سامنے کھل جاتا ہے۔ جو فردوس نظر بن جاتا ہے۔ "چراغ حرا" کا ابتدائیہ پڑھ کر قاری اس میں چھپی والہانہ شیفتگی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایسی شاعری میں یہ مجموعی کیفیت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ ملہم غیب خود ہی کسی شاعر کو تلمیذ الرحمان کے منصب کا اہل قرار نہ دے دے۔ یہ صرف شاعری نہیں ہے اس سے آگے بھی بہت کچھ ہے۔
قیصر الجعفری اپنی اس کاوش کی وجہ سے بے شمار نعت گو شعرا سے بازی لے گئے ہیں اور ہم سب کے لئے قابل رشک ہیں۔ انگلیاں بے شک شاعر کی ہیں لیکن ہنر خود بول رہا ہے کہ وہ کس کا ہے۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

ابتدائیے کے بعد کتاب "دور ابراہیم" سے شروع ہوتی ہے۔ اس حصے میں دور ابراہیمیؑ کی عکاسی ہے:

آؤ نظارہ کرو عہد براہیمیؑ کا سامنے دور ہے نمرود کی نمرودی کا
وہ جہنم جسے نمرود نے بھڑکایا تھا سرد امان نبوت بھی نہ چھو پایا تھا
کھل اٹھے آگ کے شعلے بھی گلستاں کی طرح پھول برسائے ہواؤں نے بہاراں کی طرح

یہ حصہ اقبال کے اس مصرع کی تشریح ہے "کود پڑا آتش نمرود میں عشق" اور قرآن کریم کی سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۶۹ کی تفسیر ہے۔ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کے لئے سلامتی بن جا۔" اس کے علاوہ ان کا اپنے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کو شیرخوارگی کے عالم میں اپنی اہلیہ بی بی ہاجرہ کے ساتھ بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑ دینے اور بعد میں ان کے ذبح کے واقعہ کو نظم کیا گیا ہے۔

کس کے ہاتھوں پڑی اللہ کے گھر کی بنیاد غیر ذی زرع زمیں کیسے ہوئی ہے آباد
ایک معصوم کا جنگل میں گزر کیسے ہوا صرف تعمیل مشیّت میں سفر کیسے ہوا
ماں نے صحرا میں بسایا نئے گھر کو کیسے باپ نے چھوڑ دیا لخت جگر کو کیسے
خون دل کتنا جلا اس چمن آرائی میں ان کے دن کیسے کٹے دشت کی تنہائی میں

بیٹے کی قربانی کا ذکر بھی اس باب میں ہے۔ یہاں شاعر نے ڈرامائی اسلوب اختیار کیا ہے۔ بیٹے کے ذبیحہ کے واقعے کو پہلے بیان کیا ہے اور حکم الہی کی تعمیل میں بیوی بچے کو اللہ کے سپرد کرنے کے واقعے کا بعد میں۔ واقعاتی لحاظ سے یہ ترتیب درست نہیں لیکن جس انداز اور جس فکری پہلو سے یہ ترتیب بدلی گئی ہے وہ اس لحاظ سے ہے کہ ترتیب وار بیانیہ انداز شاید یہاں وہ اثر مرتب نہ کر پاتا جو شاعر کا مقصود ہے۔ اس نظم میں صرف وقائع نگاری ہی مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے مطلوبہ نتائج کا حصول بھی ہے۔ اس انداز نگارش اور اسلوب بیان نے اس کتاب کی

شاعری کو ادبی معیار اور شعری بلند مقامی عطا کر دی ہے۔ البتہ ایک اعتراض یہاں کیا جا سکتا ہے۔ اسماعیل یا اسمٰعیل کی میم کو الف کے ساتھ نہیں بلکہ بالفتح نظم کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کی رائے میں شاعر اس کے لئے مجبور نہیں تھے۔ مزید توجہ کی ضرورت تھی۔ قدرت کلام انہیں حاصل ہے۔

اس کے بعد والا عنوان ہے "چشمۂ زمزم"۔ یہ سب جانتے ہیں کہ چشمۂ زمزم کیسے وجود میں آیا۔ وہ ریگستان کا منظر، پانی کی نایابی، دھوپ کی شدّت، حضرت بی بی ہاجرہ کا ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک دوڑ دوڑ کر جانا اور آنا، پانی کے لئے بچے کی طلب، خود حضرت ہاجرہ کی پریشانی۔ ان سب کی ایک ایسی تصویر کشی ان اشعار میں ہے جو اپنی جگہ مکمل ہے۔ نظم کو پڑھئے تو پورا منظر سامنے آجاتا ہے۔ آسمان کے چہرے کا جھلسنا، شعلوں کا زمین پر برسنا، نظر کے پاؤں کا جلنا، نہ ابر نہ پرندے، صرف صحرا کی گرم ہوا کے جھونکے، کہیں کوئی سایا تک نہیں۔ قاری یہ سب چشم تصور سے دیکھتا ہے۔ یہاں تک کہ محسوس بھی کرتا ہے۔ اور جب ساری شدّتیں بی بی ہاجرہ اور ان کے معصوم بچے ننھے اسماعیلؑ پر گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کا کرم یوں نمودار ہوتا ہے:

خیال میں بھی نہ آئے وہ معجزہ دیکھا	اتر کے آتے ہی بچے کو کھیلتے دیکھا
زمیں کی کوکھ سے اک آبشار جاری ہے	کہ اس کی ایڑی سے پانی کی دھار جاری ہے
سکوت دشت میں آواز یہ سنائی پڑی	فضا تمام چھلکتی ہوئی دکھائی پڑی
ہم اس کے فیض کو دنیا کے نام کرتے ہیں	ہوائے چشمۂ زمزم کو عام کرتے ہیں
اس آستانے پہ تاریخ سر جھکائے گی	یہ سعئی ہاجرہ ہے، رائیگاں نہ جائے گی

اس کے بعد "دور جاہلیت" کا حال رقم کیا گیا ہے۔ اصحاب فیل کے واقعے پر اختتام کے بعد "آمد" کے عنوان سے ولادت مبارکہ کا ذکر ہے۔ "آمد" کے دوسرے حصے کا عنوان "طلوع سحر" ہے۔ پہلے حصے کے چند اشعار:

نور ہی نور تھا جس سمت نظر جھانکتی تھی	صبح صادق کے دھندلکوں سے سحر جھانکتی تھی
پرتو مہر کے آنے کی صدا تھی روشن	ڈوبنے والے ستاروں سے فضا تھی روشن
اپنے دامن میں اجالوں کو بھرے پھرتے تھے	آسمانوں پہ فرشتوں کے پرے پھرتے تھے
رات نے خود کو کھجوروں میں سمو رکھا تھا	ریگ صحرا کو بھی شبنم نے بھگو رکھا تھا
منزل بعثت نبیؐ سامنے دوگام پہ تھی	روشنی عرش کی مکےّ کے در و بام پہ تھی
حجلۂ قدس میں حوریں بھی سر شام سے تھیں	آمنہؓ مرحلۂ درد میں آرام سے تھیں

بغیر لفّاظی کے کتنا خوبصورت انداز بیان ہے۔ البتہ مندرجہ بالا دوسرے شعر کے پہلے مصرع

میں "ڈوبنے والے" کے الفاظ غیر مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے بجائے "صبح کے وقت" کے الفاظ لکھ دیئے جائیں تو یہ سقم دور ہو جاتا ہے۔ ولادت کے بعد چوبیں اشعار ایسے ہیں جن کا ہر پہلا مصرع "وہ رسول" اور ہر دوسرا مصرع "وہ نبیؐ" سے شروع ہوتا ہے۔ ان کا ایک ایسا تسلسل ہے جیسے ابر کرم کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ پڑھئے اور جھومئے۔ جھومئے اور پڑھئے۔ ان چوبیں اشعار میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی طرف بھی لطیف اشارے ہیں۔

وہ محمدؐ کہ صحیفوں کی خبر تھی جس کی وہ نبیؐ عالم فردا پہ نظر تھی جس کی
وہ محمدؐ جسے صحرا کی اذاں ہونا تھا وہ نبیؐ جس کو زمانے کی زباں ہونا تھا
وہ محمدؐ جسے ظلمات کو سر کرنا تھا وہ نبیؐ جس کو ستاروں میں سفر کرنا تھا
وہ محمدؐ جسے تکمیل خودی کرنی تھی وہ نبیؐ جس کو روایت شکنی کرنی تھی
وہ محمدؐ کہ دل و جاں میں تھا ڈیرا جس کا وہ نبیؐ وقت سے آگے تھا پھریرا جس کا
وہ محمدؐ کہ سبھی سلطنتیں جس کی تھیں وہ نبیؐ عشق کی سب مملکتیں جس کی تھیں

پھر؟

پھر اس کے بعد نئے طور آشکار ہوئے
پھر اس کے بعد چراغ حرا ہوا روشن

"سراپائے رسولؐ" بھی عام انداز سے بالکل ہٹ کر ہے۔ جس طرح "آمد رسولؐ" میں طرز بیان کی تازگی ہے اسی طرح سراپائے رسولؐ کے ذکر میں بھی ایک ایسی شگفتگی ہے جو عطر بیز بھی ہے اور روشن بھی۔

حیات طیبہ اور سیرت رسولؐ سے متعلق جن خاص خاص سوانح اور وقائع کو شاعر نے اپنی فکر کے لئے منتخب کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ سعدیہ حلیمہ، مکہ نامہ، کعبہ کی تعمیر نو، حرا، اعلان نبوت، شعب ابی طالب، بیعت عقبہ اولیٰ، وادئ طائف، شب معراج، بیعت عقبہ ثانی، مدینہ کا پس منظر، ہجرت، مدینہ میں انتظار رسولؐ، مدینہ میں دار القیام، مسجد وادی، مسجد نبویؐ، اذان، عائشہ صدیقہؓ، حدیبیہ کا سفر، سفر مکہ، بیعت رضوان، صلح حدیبیہ، سنہ الوفود، حجتہ الوداع اور وصال مبارک۔ غزوات میں معرکۂ بدر اور اسیران بدر، غزوۂ قنیقاع، غزوۂ سویق، جنگ احد، غزوۂ خندق، جنگ بنی قریظہ، غزوۂ خیبر، غزوۂ موتہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک۔ ان کے علاوہ شہیدان رجیع، بیر معونہ اور مسجد ضرار جیسے موضوعات بھی شامل ہیں۔ عمرۃ القضا، زوال قیصر و کسریٰ اور انقلاب اسلام جیسے عنوانات ان کے علاوہ ہیں۔ یہ تمام عنوانات اس لئے ذکر کئے گئے ہیں کہ ان سے شاعر کے تاریخی شعور، اس کی فکری حدود اور اسلامی انقلاب سے متعلق اس کے تہذیبی و

تمدّنی ادراک اور نظریات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان تمام موضوعات کو شاعری کا پیرایہ دینا اور ایسی شاعرانہ طرز بیان اختیار کرنا جیسی کہ اس کتاب میں ہے ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں۔ اس کے لئے جذبۂ صادق کی جو گہرائی اور احساس واثق کی جو گیرائی چاہئے وہ قدرت نے قیصر الجعفری کو فراوانی کے ساتھ عطا کی ہوئی ہے۔ ان خوبیوں کی موجودگی میں قاری خود بخود شاعر کے ساتھ ہو لیتا ہے اور تاریخ کے جھروکوں میں بیان کی پوری پوری لطافتوں کے ساتھ جھانکتا ہے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعے کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اس اہم واقعہ کی کمی کتاب میں محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال رسول اکرمؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے قبولیت اسلام اور اس کے فروغ کے سلسلے میں جو تکالیف اٹھائیں اور جو اذیتیں برداشت کیں ان کی مثال نہیں ملتی۔ اسلام دشمن قوتوں نے جو ناپاک منصوبہ بندیاں کیں ان سے جہاد کا جواز پیدا ہوا۔ "غزوات کا پس منظر" میں شاعر نے وہ تمام عوامل بیان کر دیئے ہیں جن کی وجہ سے غزوات اور سریے پیش آئے۔ کہتے ہیں:

معاشرے کو برائی سے پاک کرنا تھا　　منافرت کے گریباں کو چاک کرنا تھا
جہاں کو رشتۂ توحید میں پرونا تھا　　جبین وقت سے صدیوں کا داغ دھونا تھا
کہاں ہیں وقت کے آثار دیکھنے والے　　کرم بھی دیکھ لیں تلوار دیکھنے والے
فساد خون کو نشتر بہت ضروری ہے　　ستم کی کاٹ کو خنجر بہت ضروری ہے

اس ضمن میں "فتح مکہ" کا حصہ سب سے بڑا ہے۔ یہ ایک سو چار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا آخری شعر یہ ہے۔

سارا غرور اہل ستم خاک ہوگیا　　آلائشوں سے صحن حرم پاک ہو گیا

کتاب کا آخری حصّہ "حجتہ الوداع" ہے۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے شاعر کے قلم پر ایک سال کا عرصہ گزر جاتا ہے۔ نظم میں وقت کی یہ مسافت اگر زیادہ نہیں تو کچھ کم بھی نہیں۔ یہاں قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کا قلم کچھ تھک گیا ہے۔ اسے آرام کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ وہ راہ تھی جہاں ٹھہرنا محال تھا۔ اشہب شوق کو منزل قریب دکھائی دے رہی تھی۔ ذہن کی تازگی چونکہ برقرار تھی اس لئے سفر جاری رہا۔ تاہم ذوق مطالعہ کو یہاں تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ بیان کے لئے کچھ اور وسعت چاہئے تھی۔ اس حصے کے لئے تیس اشعار کافی نہ تھے۔ حجتہ الوداع کا سفر، مناسک حج کی ادائیگی، وحی الٰہی کا نزول، حضرت صدیق اکبرؓ کا اس موقع پر نزاکت کو سمجھ لینا اور وہ عظیم خطبہ جو مختلف ٹکڑوں میں دیا گیا اور ہم تک ایک مربوط خطاب کی صورت میں پہنچا۔ ان تمام باتوں کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت تھی۔ یہاں اختصار نے ہمیں اللہ کے آخری

نبیؐ اور رسولؐ کی حاضری میں رہنے اور آپؐ کی مشایعت کے لئے وقت کم دیا ہے۔ ہم آپؐ کے خطاب کو بھی پورے طور پر سننے سے محروم رہے۔ اس موقع پر کئی اشارے ہاتف غیبی نے دیئے کہ آپؐ دنیا سے پردہ فرمانے والے ہیں لہٰذا ہمیں حاضری میں رہنے کا مزید وقت ملنا چاہئے تھا۔ اگرچہ یہ بات بالکل درست ہے کہ:

یہ حرف حرف بشارت ہے حشر تک کے لئے　　حجاز میں نہ رہے گا نشان کفر کہیں
نبیؐ کے بعد کوئی آسرا نہیں قیصر　　خدا کے بعد کوئی ہمدم و انیس نہیں

سب سے آخر میں "وصال پاک" کے عنوان سے دو شعر ہیں۔ انہیں پر اس طویل نظم کا اختتام ہوتا ہے:

سمجھ رہی ہے۔ مشیتؐ بساط فکر مری　　قلم سکوت زدہ ہے تو کوئی بات نہیں
وصال سرور عالمؐ پہ یہ سخن ہے بہت　　کہ نور سطح زمیں پر ہے شمع زیر زمیں

"چراغ حرا" ایک طویل مثنویہ نظم ہے۔ اس میں مثنوی کی روایتی بحر استعمال نہیں کی گئی ہے۔ یہ جن عنوانات اور موضوعات کا احاطہ کرتی ہے ان کے لئے ایک چھوٹی بحر کا استعمال غالباً ممکن نہ ہوتا۔ لہٰذا اس نظم کے لئے تین اوسط بحریں استعمال کی گئی ہیں۔ طویل بحریں بھی اکتاہٹ پیدا کرنے کا سبب بن جاتیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے یہ شاعری مثنوی کی ہیت میں ہے البتہ دو استثنائی صورتیں ہیں۔ ایک "طلوع سحر" جو مندرجہ ذیل مطلع سے شروع ہوتی ہے اور آخر تک ردیف و قوافی کے التزام کے ساتھ ہے۔

پھر اس کے بعد رخ مصطفےٰ ہوا روشن　　پھر اس کے بعد سمک تا سما ہوا روشن

"حجتہ الوداع" میں ردیف نہیں ہے صرف قافیہ ہے۔ اس مطلع سے اس کا آغاز ہوتا ہے:

گماں کا دور گیا سامنے ہے عہد یقیں　　چمک رہی ہے ستاروں سے بھی زیادہ زمیں

آخر تک قافیہ کا التزام ہے۔

"چراغ حرا" ماہتاب نبوت اور آفتاب رسالت بن کر ابھرا۔ اس کی روشنی سے جاہلیت' جہالت اور کفر و شرک کی تمام تاریکیاں دور ہو گئیں۔ آپؐ کی بعثت نے جو اسلامی انقلاب برپا کیا اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ جو لوگ اس انقلاب سے بے بہرہ رہے اور ذہنی اور قلبی طور پر بے تعلق رہے ان کی بے نصیبی بلکہ بدبختی میں کسے شک ہو سکتا ہے۔ آج بھی کتنے ہیں جو غیر اسلامی نظریات اور غیر اسلامی طرز حیات کو اپنانے ہی میں اپنے لئے فخر کی بات سمجھتے ہیں۔ وہ حق اور حقیقت کی راہ کو بلاشبہ نہیں پہچانتے۔ ازل سے ابد تک اللہ تعالیٰ کی تمام نوری' ناری اور خاکی مخلوقات میں عظیم ترین شخصیت سے جس کو ذہنی' قلبی' جذباتی اور محسوساتی لگاؤ نہیں وہ

انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ سیر و تواریخ کی تمام کتابیں یہی سمجھاتی ہیں۔ نعت نگاری کے تمام پہلو اسی بات کا ذکر کرتے ہیں۔ زیر مطالعہ کتاب "چراغ حرا" کی خوبصورت اور انسانیت آموز شاعری بھی اسی آفاقی نکتے کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ معروف شاعر اور ماہر فن عروض جناب شوکت الہ آبادی کے نعتیہ مجموعے کا نام بھی "چراغ حرا" ہے لیکن یہ حیرت کی بات نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ قیصرالجعفری کی "چراغ حرا" رسول اکرمؐ کی پوری حیات طیبہ کا احاطہ کرتی ہے اور سیرت رسولؐ کو مختلف عنوانات کے تحت تفصیل سے بیان کرتی ہے جو عام نعت نگاری میں اس طرح ممکن نہیں۔ پھر؟

پھر اس کے بعد نئے طور آشکار ہوئے　　پھر اس کے بعد چراغ حرا ہوا روشن
تمام مکہ نبیؐ کی صدا سے روشن ہے　　سیاہ رات چراغ حرا سے روشن ہے

سوانح و وقائع کے علاوہ نعت کا جو ایک عام تصور ہے اس کے مطابق بھی اس نظم میں بے شمار خوبصورت اور شعریت سے بھرپور اشعار ہمیں پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ذہن تازہ ہو جاتا ہے۔ دل کھل اٹھتا ہے اور روح جھوم جاتی ہے۔

جہاں زبان پہ نام حضورؐ آتا ہے　　تو اہل عشق کے چہرے پہ نور آتا ہے
رسولؐ دعوت اسلام لے کے آئے تھے　　زمیں پہ امن کا پیغام لے کے آئے تھے

پہلا شعر عقیدتوں، محبتوں اور اطاعتوں کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے تو دوسرا شعر انسانی زندگی میں حسن اور خیر کے تمام مفاہیم کو بسیط ہے۔ پوری نظم ایک نہایت اہم شعری تخلیقی کاوش ہے اور ایک روشن روشن پاکیزہ فضا کی حامل ہے۔ یہ ہر لحاظ سے سراہے جانے کی مستحق ہے۔

اس نظم کا جو بہاؤ ہے اس میں ایک ایسی دلکشی اور دل آویز کیفیت ہے جو بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ مثال کے طور پر "سعدیہ حلیمہ" کے عنوان والے حصے کے چند اشعار:

آمنہ کی جو محمدؐ پہ نظر پڑتی تھی　　چاندنی ان کی نگاہوں میں اتر پڑتی تھی
انکی انگنائی میں چمکا تھا ستارا ایسا　　چشم آفاق نے دیکھا نہ دوبارا ایسا
بچپنا دوسرے بچوں سے جداگانہ رہا　　کھیل اور کود سے ہر چیز سے بیگانہ رہا
جانے کس دور سے یہ رسم چلی آتی تھی　　خادمہ دودھ پلانے کو رکھی جاتی تھی
پرورش کرتی تھیں بچوں کی جو ماؤں کی طرح　　لوریاں جن کی مہکتی تھیں دعاؤں کی طرح
دور و نزدیک سے آتا تھا قبیلہ ان کا　　تھا یہی ایک گزارے کو وسیلہ ان کا
آمنہ سے، کوئی کیا دیکھ کے سودا کرتا　　کون بن باپ کے بچے کی تمنا کرتا

یہ سعادت تھی حلیمہؓ کے قبیلے کے لئے ‏ یہ گل تو تھا بنی سعد کے ٹیلے کے لئے
سال دو سال گزاریں انھیں بے گانوں میں ‏ بکریاں جا کے چرائیں وہ بیابانوں میں
سعدیہ گود میں انوار سحر لے کے گئیں ‏ مل گئی دولت کونین تو گھر لے کے گئیں
رزق کی راہ گزر ہی سے فراوانی ہوئی ‏ راستے میں انھیں یہ دیکھ کے حیرانی ہوئی
دودھ چھاتی سے چھلکنے لگا زمزم کی طرح ‏ مامتا دل پہ برسنے لگی شبنم کی طرح
ناقہ مردہ کی رفتار بھی یوں تیز ہوئی ‏ ریگزاروں کی مسافت بھی دل آویز ہوئی
خود پہ جب دائی حلیمہ کی نظر جاتی تھی ‏ آنکھ معصوم کے چہرے پہ ٹھہر جاتی تھی
پھول برساتی ہوئی باد مراد آتی تھی ‏ دیر تک آمنہ خاتون کی یاد آتی تھی
گود میں ان کی امانت تھی سفر جاری تھا ‏ جھومتی جاتی تھیں وہ عالم سرشاری تھا
گھر جو پہنچیں تو وہاں بھی یہی اندازہ ہوا ‏ در و دیوار کو دیکھا تو یقیں تازہ ہوا

یہ روانی اور یہ آمد کیا زمزم کے چشمے کی طرح سے نہیں ہے؟ ایسی مثالوں سے پوری کتاب بھری ہوئی ہے۔

ایک مثال "اذان" کی ہے۔ اس عنوان کے تحت جس توانا جذبے اور طاقتور آواز سے اذان دی گئی ہے وہ ان اشعار کے قاری کی سماعت میں گونجتے ہیں اور انھیں الفاظ میں جو خالق کائنات کے قرار دیئے گئے اس کے اپنے گھروں کے میناروں سے اس کے اپنے مقررہ الفاظ میں بلند ہوتے ہیں۔ یہ آوازیں نہ صرف چاروں طرف پھیل جاتی ہیں۔ بلکہ اللہ کے بندوں کو ان گھروں کی طرف بلاتی ہیں۔ آؤ صلوٰۃ کی طرف، آؤ فلاح کی طرف، ذہن ہی نہیں دل بھی شاعر کے ساتھ ہولیتا ہے اور بے اختیار اپنی بندگی کے اظہار کے لئے بے تاب ہوجاتا ہے۔ قیصرالجعفری کے اپنے الفاظ میں اس اذان کی کشش دیکھئے۔ چند اشعار

اذان روح کی پرواز دل کی دھڑکن ہے ‏ اذان ارض و سما کی صدائے روشن ہے
اذان اوج ثریّا کا اہتمام سفر ‏ اذان مشرق و مغرب، اذان شام و سحر
اذان موسم گل ہے اذان موج صبا ‏ اذان ذوق عبادت، اذان حرف دعا
اذان عشق خدا ہے، اذان عشق نبی ‏ اذان بادۂ وحدت، اذان تشنہ لبی
اذان آئینہ خانہ، اذان آئینہ ‏ اذان ہفت سماوات کے لئے زینہ
اذان لحن بلالی، اذان نغمہ جاں ‏ اذان صبح تقدس، اذان شام اماں
لکھوں جو وصف تو کاغذ میں جان آتی ہے ‏ مرے قلم سے صدائے اذان آتی ہے

کتاب کا جو صفحہ بھی کھولئے، کانوں میں رس گھولتا ہے۔ جس عنوان کے تحت جو اشعار ہیں

انھیں پڑھے تو اس میں شاعر تو کیا لحن داؤدی بولتا ہے۔

البتہ کہیں کہیں ایسے اشعار بھی سرزد ہو گئے ہیں جن پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔ مثلاً "حرا" کے حصے میں ایک شعر ہے

یہ نور دامن مریم کو دھونے والا تھا　　یہ نورُ لاشۂ عیسیٰ پہ رونے والا تھا

پہلا مصرع درست، دوسرا بے معنی ہے۔ لاشۂ عیسیٰ غیر قرآنی بات ہے۔ اس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح "شعب ابی طالب" کے حصے کا آخری شعر ہے

روشنی چھوڑ کے یہ دور اذیت گزرا　　غم کا بادل تھا مگر چاند کی صورت گزرا

یہ ابہام کی مثال ہے۔ بظاہر شعر خوبصورت ہے لیکن معنی آفریں نہیں۔ "دور اذیت گزرا" اور "صورت گزرا" کے پہلے مصرعوں کو مکمل کرنے کے لئے موزوں اور مناسب الفاظ کی ضرورت ہے۔ جو اس صورت حال کو سمیٹیں کیونکہ یہ شعر اس حصے کا آخری شعر ہے۔ لیکن طویل نظموں میں ایسی خامیاں خارج از امکان نہیں ہوتیں۔ اگر تنقیدی نگاہ ڈالی جائے تو دور کی جا سکتی ہیں۔ تاہم بے شمار خوبیوں کے مقابلے میں ایسی چند خامیاں نظرانداز کی جا سکتی ہیں اور کی جانی چاہئیں۔

سیرت رسول اکرم کی بات ہو تو اور کئی نام مختلف کردار رکھنے والوں کے اس تذکرے میں آتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی آتے ہیں۔ چند نام یہ ہیں۔

کعبہ :

کعبے والے ہی نے کعبے کی حفاظت کردی　　سورۂ فیل نے تصدیق حقیقت کردی

سنگ اسود :

اٹھا کے لائے تھے جنت سے جس کو جبرائیل　　وہ بوسہ گاہ جناب خلیلؑ و اسمٰعیلؑ

مدینہ :

مدینہ شہر رسالت پناہ ٹھہرا ہے　　مدینہ جلوہ گہ مہر و ماہ ٹھہرا ہے

ابو مطلب :

تھے ابو مطلب اک ایسے ہی سرداروں میں　　سمجھے جاتے تھے جو کعبے کے نگہداروں میں

ابو طالب :

کئی برس ابوطالب کی سرپرستی رہی　　خزاں کے دور میں ان کی دعا برستی رہی

آمنہؓ :

آمنہؓ پھول ہیں خوشبو ہیں محمدؐ ان کی　　انتہاء کوئی تھی ان کی نہ کوئی حد ان کی

حلیمہؓ :

خود پہ جب دائی حلیمہ کی نظر جاتی تھی   آنکھ معصوم کے چہرے پہ ٹھہر جاتی تھی

خدیجہؓ :

انہیں شفیق انہیں مہرباں سمجھتی ہے   تمام ملت اسلام ماں سمجھتی ہے

ابوبکر صدیقؓ :

وہ حق پرست ابوبکر نام تھا جن کا   قبول دین ہی پہلا مقام تھا جن کا

عائشہؓ :

عائشہ زینت قرطاس حیا آج بھی ہیں   سورۂ نور کی تفسیر ضیاء آج بھی ہیں

علیؓ :

علیؓ نثار محمد تھی کم سنی جن کی   بساط عمر سے باہر تھی روشنی جن کی

عثمانؓ :

کہ لوٹ آئے مثال بہار جاں عثمانؓ   وہ روح عشق وہ سرخیل عاشقاں عثماں

بلالؓ :

بلالؓ دین براہیمؑ کے نمائندہ   بلال شیوۂ تسلیم کے نمائندہ

مسجد نبویؐ :

یہاں سے عرش معلّٰی دکھائی دیتا ہے   ہوا چلے ہے تو قرآن سنائی دیتا ہے

عمر فاروق رضی اللہ عنہ :

اس انداز کا کوئی شعر نہیں ملا۔ اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال یہ شخصیات کی بات ہے اور شاعر کے اپنے محسوسات کی بھی۔ ہاں ایک قاری کی حیثیت سے جہاں جہاں کمی محسوس کی گئی اس کی نشان دہی ضروری تھی۔ ممکن ہے کہ شاعر بھی اس طرف توجہ کریں۔

"چراغ حرا" کو پڑھ کر یہ خیال بھی آتا ہے کہ خالق حقیقی نے جن شعراء کو شاعرانہ اور تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال کر دیا ہے اگر وہ سیرت رسول پاک" اسوۂ حسنہ اور حیات مبارکہ کا سنجیدگی کے ساتھ تفصیلی مطالعہ کریں اور اپنے گہرے مطالعہ کے نتائج کو شعری تاثرات کے ساتھ طویل نظموں کی صورت میں رقم کریں تو ان کے اتنے رخ اور اتنے زاویے ہیں کہ کئی معیاری تخلیقات وجود میں آسکتی ہیں۔ پورا انسانی معاشرہ ہمارے سامنے ہے۔ اس کا ماضی' حال اور مستقبل ہے۔ روئے ارض کے جغرافیائی خطے ہیں جہاں پیغام الٰہی مختلف طریقوں سے پہنچا اور اس نے تاریخی حیثیت اختیار کرلی۔ ان تمام باتوں کو اسی طرح یا کسی اور انداز میں نظم کیا جائے تو چراغ حرا کی روشنی اپنے تمام رنگوں کے ساتھ شعری ادب کے شعبے میں دور دور تک پھیلائی جا

سکتی ہے۔ قیصر الجعفری نے "چراغ حرا" لکھ کر یہ ثابت کردیا ہے کہ نظم میں نعت نگاری کے بہت سے زاویے ہو سکتے ہیں جو ذہن رسا، طبع رواں، پختہ مشقی، قدرت کلام، تازہ بیانی اور لہجہ کی شگفتگی کے منتظر ہیں۔ مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ۔ اگر ایک ورق تمام ہو جاتا ہے تو مدح پھر بھی باقی رہتی ہے اور یکے بعد دیگرے بہت سے سادہ اوراق کھلتے چلے جاتے ہیں تاکہ ان کی تقدیر سنواری جائے اور جو تصور اور تخیل کی اعلیٰ سطحوں پر ہے اس کو کاغذ پر تصویر کر دیا جائے۔ قیصر کا کہنا ہے

روشنی کم نہ ہو کاغذ پہ قلم چلتا رہے
شعر ہی شعر میں ہر وصف نبیؐ ڈھلتا رہے

قرآن حکیم میں جگہ جگہ اوصاف محمدی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف الہام الٰہی ہے بلکہ ادب کی اعلیٰ ترین کتاب بھی ہے۔ اس کے ادبی معیار اور اسلوب کو دوسری کوئی کتاب نہیں پہنچتی۔ قیصر الجعفری نے اس کتاب سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جو کچھ لکھا ہے وہ منظوم تو ہے لیکن منظم بھی ہے۔ اس کی تائید ہم قرآن حکیم کی سورۃ القلم سے حاصل کرتے ہیں۔ "قسم ہے قلم کی اور جو لکھتے ہیں، تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ، تیرے واسطے نیک اجر، بے انتہاء اور تو پیدا ہوا خلق عظیم پر۔ سو اب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔ کون جو بچل رہا ہے؟ بے شک تیرا رب وہی بہتر جانے جو بھٹک رہا ہے اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے راہ پانے والوں کو۔" (آیات ۱ تا ۷) ان آیات میں خطاب ہے رسول کریم سے۔ بات مختصر ہے لیکن جامع ہے۔ جو لوگ کسی نہ کسی درجے میں اسلامی نظریات سے متعلق ہیں ان کے لئے اس کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ یہ تفہیم اگر شعری لطافت کے وسیلے سے ہوجائے تو فہم و ادراک کے ساتھ کیف و سرور اور نشاط روح بھی شامل ہوجائیں اور ذہن، قلب اور نظر سب نورٌ علیٰ نور کا حاصل ہوجائیں۔ قیصر الجعفری نے جس طرح اپنے قلم کا استعمال کیا ہے کم ہی نعت گو شعراء کرپاتے ہیں۔ یہ انداز اور اسلوب کی بات ہے ورنہ سیرت رسول اکرم کے بہت سے رخ ان نعتوں میں بھی پائے جاتے ہیں جو غزل کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن وہ بکھرے ہوئے ہیں اور اس طرح سے منظم اور مربوط نہیں ہیں۔ ایک طویل وقفے کے بعد جمی ہوئی برف توڑنے کی سعادت اس شاعر کے حصے میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو وہ قبولیت عطا فرمائے جس کی یہ مستحق ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں شاعر کی شاعری کا تعارف پیش کیا گیا ہے "چراغ حرا" کے حوالے سے۔ جہاں تک اس کی شخصیت کا تعلق ہے تو وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات "ماہ و سال" کے نام سے لکھ رہا ہے۔ اس نے بہت سے کام کئے۔ اس کی کتابوں نے اعزازات اور انعامات

حاصل کئے۔ انجمن ترقی پسند مصنفین اور اس کے نامور متعلقین سے اس کا قریبی رابطہ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

یوں عمر ہم نے کاٹی، دیوانہ جیسے کوئی　　پتھر ہوا میں پھینکے، پانی پہ نام لکھے

شاعر نے کہا ہے تو سچ ہی کہا ہوگا۔ اس نے پتھر بھی ہوا میں پھینکے ہوں گے اور نام بھی پانی پہ لکھا ہوگا لیکن "چراغ حرا" کے معاملے میں یہ صورت حال بالکل نہیں ہے۔ یہ ہیں زبیر احمد صاحب قیصرالجعفری، شاعر "چراغ حرا" جو اپنی ایک نعت کے مقطع میں کہتے ہیں۔

ہوا شب خون کی عادی ہے قیصر　　چراغ عزم محکم لے کے چلئے

وہ اپنی زندگی کے ۷۳ سالہ طویل سفر میں اسی عزم محکم کے طفیل "چراغ حرا" تک پہنچے ہیں۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ ہوا خود ان چراغوں کو جلائے رکھے گی۔ باشعور صلاحیتیں اور صحت مند توانائیاں چراغ سے چراغ جلائیں گے۔ "اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا۔ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔" (سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۵۷)

اس کتاب کا سرورق بھی اپنی دھنک رنگ روشنیوں کے ساتھ اتنا ہی جاذب نظر ہے جتنی کہ اس کے اندر کی نظم دلکش ہے۔ ذکر حبیب کی حلاوتیں زبان و بیان کی لطافتوں اور لذتوں کے ساتھ مل کر دو چند ہوجاتی ہیں اور لکھنے والے کے لئے روح کی گہرائیوں سے "واہ" نکلتی ہے۔ راقم الحروف کی طرف سے چار اشعار ان کی نذر

زندگی بھر لہو ہوکے کرتے رہے زخم اپنے رفو قیصر الجعفری
جب چراغ حرا کی لکھی روشنی ہوگئے سرخ رو قیصر الجعفری

پھینکے پتھر ہوا میں، لکھے نام پانی پہ بھی اولاً پھر بتایا ہمیں
مدحت احمد مجتبیٰ میں بہاتے ہیں یوں آبجو قیصر الجعفری

ان کے پر کڑی دھوپ بوچھار تھی بے اماں کوئی کمزور دیوار تھی
سائے میں آگئے ہیں تو کرتے ہیں اب آنسوؤں سے وضو قیصر الجعفری

شرم کر شرم کر شارق بے ہنر دعوئ نعت گوئی تجھے کم نظر
دیکھ تو کیسے کرتے ہیں اس فکر اور ذکر میں جستجو قیصر الجعفری

"زاد سفر" ----- ایک مطالعہ

ڈاکٹر عبدالمنان (کلکتہ، بھارت)

"زاد سفر" علقمہ شبلی کی رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ رباعیاں حمد و نعت پر مشتمل ہیں۔ مذہبی خیالات کی عکاسی مسلک شاعری میں کوئی گناہ نہیں اگر گناہ ہو بھی تو یہ دیکھنا لازم ہے کہ شاعر نے شاعرانہ انداز برتنے کی کوشش میں کس قدر فنکاری کا ثبوت دیا ہے۔ اگر متقدمین شعراء کے کلام اور دواوین کا مطالعہ کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ ان کے دواوین کا آغاز حمد و نعت سے ہوا ہے۔ ہر شاعر بلا تفریق مذہب و ملت اس روایت پر عمل کرتا رہا ہے۔ شروع میں رباعی مذہبی اور اخلاقی خیالات کے اظہار کے لئے مخصوص تھی لیکن رفتہ رفتہ اس میں تبدیلی آئی اور مختلف النوع خیالات پیش کئے جانے لگے۔ اب اس میں سماجی، سیاسی اور ثقافتی خیالات بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ سیاسی و سماجی خیالات کی عکاسی کے لئے اس صنف کا استعمال عصری حالات کے موافق بھی ہے اور ضرورت بھی کہ آج کا انسان عدیم الفرصتی کی وجہ سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ باتیں جاننا چاہتا ہے۔ اس مقصد کی حصولیابی کے لئے نثر و نظم کی کئی صنفیں ہیں لیکن رباعی ہی ایک ایسی صنف ہے جس میں طویل خیالات کو بھی چار مصرعوں میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ صنف دریا کو کوزے میں بند کرنے کا فن ہے جس کے لئے محنت و ریاض کی ضرورت ہے۔

دہلی، لکھنؤ، بہار اور بنگال میں ایسے شعراء گزرے ہیں جو نعتیہ کلام میں انفرادی شان رکھتے ہیں۔ کلیم سہرامی کا خیال ہے کہ علقمہ شبلی صاحب نے اس روایت کے چراغ کو جلائے رکھنے میں اپنی فنی بصیرت کے علاوہ بنگال کی روایت کا بھی خیال رکھا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شاعر نے اس صنف میں بھی اپنی انفرادیت کا ثبوت دیا ہے۔ مثالوں سے میری بات واضح ہوجائے گی۔

ادراک کی آنکھوں میں چمکتا ہے وہ احساس کے ہونٹوں پہ لہکتا ہے وہ
کونین کا ہر ذرہ ہے جس سے خورشید الفاظ کے پردے میں جھلکتا ہے وہ

دھرتی ہوئی بیدار سمندر جاگا تخلیق کے گلزار کا منظر جاگا
تھا نیند کی آغوش میں ذرہ ذرہ تو نے جو کہا "کن" تو مقدر جاگا

اس مجموعے کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں حمد ہے جس میں شاعر کے خیالات کا محور رب کائنات کی ذات ہے اور دوسرے حصے میں نعتیہ رباعیاں ہیں جو رسول اکرم کی شان میں پیش کی گئی ہیں۔ شاعر نے دونوں حصوں میں فکر و فن کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور جذبہ و خیال کو اس طرح ہم آہنگ کیا ہے کہ اس کی مثال کم ملتی ہے۔ فنکارانہ قادر الکلامی' ندرت خیال' تلمیحی اشارات اور صوتی آہنگ کی کرشمہ سازیاں رباعیوں کو انفرادیت بخشتی ہیں۔

ادراک کو آئینہ دکھا دیا اس نے احساس کو اظہار بنایا اس نے
قدرت کے بھی ہیں اس کی کرشمے کیا کیا ایقان ہر اک دل میں جلایا اس نے

افکار میں اک حشر بپا ہے جس سے احساس میں گلزار کھلا ہے جس سے
شبلی کا قلم اس کی ثنا کیا لکھے اشعار میں تاثیر دعا ہے جس سے

ان کی حمدیہ رباعیوں میں پھولوں کی مہک بھی ملتی ہیں اور چڑیوں کی چہکار بھی۔ طاؤس کا رقص بھی ملتا ہے اور غنچوں کی چٹک بھی۔ وہ عاجزی و انکساری بھی ملتی ہے جو شان عبودیت ہے۔ اور وہ شوخی و سپردگی بھی پائی جاتی ہے جس سے بندگی اس بلندی پر پہنچ جاتی ہے جہاں "خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔"

"زاد سفر" میں حمد کے علاوہ نعت کا حصہ کم قابل رشک نہیں۔ نعت گوئی حمد کہنے سے زیادہ دشوار گزار مرحلہ ہے۔ خدا کے ساتھ تو دیوانگی کا جواز مل جاتا ہے لیکن خدا کے محبوب کے دربار میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ علقمہ شبلی صاحب نے اس مرحلے کو نہایت سلامت روی سے طے کیا ہے انہوں نے رسول اکرمؐ کی تعریف اس انداز سے کی ہے کہ ان کی انسانیت مجروح نہیں ہوتی اور ان کی برگزیدہ شخصیت اتنی بلند ہوجاتی کہ احترام میں سر ہی نہیں دل بھی خم ہوجاتا ہے۔

ہیں آپؐ تو انسان بھی' انساں گر بھی منظر ہی نہیں' آپؐ ہیں پس منظر بھی
ذات آپؐ کی ہے فہم بشر سے بالا ہیں آدمی بھی اور ہیں پیغمبر بھی

شبلی صاحب کی رباعیوں کے مطالعہ سے اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی بلکہ فنی پختگی' شعری غنائیت اور لفظوں کے مناسب انتخاب و استعمال کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان رباعیوں کو ملاحظہ کیجئے۔

شعروں کو مرے حسن بیاں مل جائے احساس کے پھولوں کو زباں مل جائے

الفاظ کو، جو میرے قلم سے نکلیں ہو آپؐ کا یوں فیض کہ جاں مل جائے

رعنائی افکار کے مظہر، ہیں آپؐ رنگینی اظہار کے پیکر، ہیں آپؐ
ہے ذات گرامی سے محاسن کا وجود شادابی تخیل کے مصدر ہیں آپؐ

بڑا اور سچا شاعر مسرت سے اپنا سفر شروع کرکے بصیرت پر ختم کرتا ہے۔ مسرت سے بصیرت تک کا یہ سفر اپنے دامن میں مختلف النوع خیالات کو لے کر آگے بڑھتا ہے اور درس و تفہیم کے جلوؤں سے رہگزار کو دلکش بناتا ہے اور یہی زندہ فنکار اور زندہ فن کا ثبوت ہے۔ شبلی الفاظ کے استعمال کا درک رکھتے ہیں اور ان الفاظ کو انہوں نے اپنی حمدیہ اور نعتیہ رباعیوں میں نئے نئے مفاہیم و معانی سے آشنا کیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے الفاظ میں "ان کو اسلامی اساطیر سے گہرا لگاؤ ہے اور ان اساطیر کو انہوں نے خلاقانہ اشاروں کے ساتھ اپنی شاعری میں برتا ہے۔" ان کی نظر جہاں اپنی روایات کا احاطہ کرتی ہے وہیں حالات حاضرہ پر بھی رہتی ہے جس کا اظہار رمز و کنایہ میں ہوتا ہے اس سے ان کے فن میں نئی روشنی پیدا ہوگئی ہے اور اس تابندگی میں وہ اپنے خدا اور رسول کے حسن کا پرتو دیکھتے ہیں۔

تقدیر کے ہونٹوں کا تبسم بھی وہی تخلیق کے موجوں کا تلاطم بھی وہی
تاروں سے نکلتا ہے جو ساز دل کے شبلی وہ جنوں خیز ترنم بھی وہی

افکار میں اک حشر بپا ہے جس سے احساس میں گلزار کھلا جس سے
شبلی کا قلم اس کی ثنا کیا لکھے اشعار میں تاثیر دعا ہے جس سے

O--------O
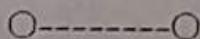
جہان حمد پر ایک نظر

منصور ملتانی

آیت : الم تران یسبح لہ من فی السموات والارض والطیر صٰفّت - کل قد علم صلاتہ و تسبیحہ - واللہ علیم بما یفعلون ○

(آیت: ۴۱، سورۃ النور)

ترجمہ : "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور پَر پھیلائے ہوئے جانور بھی۔ اور سب اپنی نماز اور تسبیح (کے طریقے) سے واقف ہیں۔ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کو معلوم ہے۔"

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے قلوب حمد ربّ جلیل کے مقدّس و مطّہر کام سے آشنا ہیں۔ اس جہان فانی میں جہان حمد وہ لافانی جہان ہے، جس نے بلاشبہ زندگی کو بقا بخش دی ہے۔ دشت فنا کے چہرۂ بے رنگ و نور کو میں نے تو رنگ بخش دیئے ہیں ثبات کے اور یہی رنگ ہیں جو اس دارالعمل یعنی دنیا میں رب کریم جسے عطا کردے۔ اسے اپنی خوش رنگی پر نازاں ہونا چاہئے۔ حمد باری کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے کی توفیق بہت بڑی سعادت ہے اور واقعی زندگی کا جو لمحہ اس کام میں صرف ہو رہا ہے، عبادت سے کم نہیں ہے۔ جب سے کتابی سلسلہ "جہان حمد" کا پہلا شمارہ میرے سامنے آیا ہے، مذکورہ بالا اور ان جیسے خیالات مسلسل ذہن کے افق پر طلوع ہو رہے ہیں۔ کراچی سے شائع ہونے والے اس کتابی سلسلے کی ادارت کا کٹھن کام "طاہر سلطانی" نے اپنے ذمّے لیا ہے۔ طاہر سلطانی نوجوانوں میں بہت اچھے نعت گو اور نعت خواں ہیں اور انتھک کام پر یقین رکھتے ہیں۔ پچھلے دنوں ان کی دو مرتب شدہ کاوشیں "خزینۂ حمد" اور "اذان دیر" منصۂ شہود پر آئی ہیں۔ اول الذکر ۷۸۶ حمدوں کا مجموعہ ہے جس میں بہت سی مختلف علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں کہی گئی حمدیں یکجا کی گئی ہیں اور مؤخرالذکر غیر مسلم شعرا کی حمدیہ شاعری کا انتخاب ہے۔ اب طاہر سلطانی نے بڑے عزم اور حوصلے کا ثبوت دیتے ہوئے یہ کتابی سلسلہ "جہان حمد" شروع کیا ہے۔

پہلے شمارے کے بارے میں چند اہم حقائق کچھ یوں ہیں کہ ۴۴۸ صفحات پر مشتمل اس شمارے میں جس پر ماہ اشاعت جون ۱۹۹۸ء درج ہے، یہ کہیں تحریر نہیں کیا گیا کہ یہ شمارہ کتنے وقفے کے بعد شائع ہوگا۔ مثلاً" ماہانہ، سہ ماہی یا شش ماہی۔ بہرحال ایک شمارہ ایک کتاب کا سرنامہ دلچسپ ہے۔ اس شمارے میں ۱۶ صفحات ابتدائیہ کے طور پر، ۲۷۷ صفحات حمد کے لئے، ۱۳۱

صفحات نعت کے لئے جبکہ ۲۴ صفحات مختلف اشتہارات اور پیغامات کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ باب اول یعنی حمدیہ ادب میں گیارہ مضامین ہیں۔ ایک کتابی طرحی حمدیہ مشاعرہ جس کا مصرع طرح ہے۔

"ہر گھڑی ہر سانس رب کی جستجو کرتے رہو"

اس مشاعرے میں ۲۱ حمدیں شامل ہیں اور اس کے علاوہ ثنائے رب ذوالجلال والاکرام کے عنوان سے ۴۳ غزلیہ حمدیں' ۱۵ نظمیہ حمدیں اور ۱۰ حمدیہ ہائیکو بھی شامل اشاعت ہیں۔ منظوم و منثور دونوں طرح کی کاوشوں میں بہت قد آور ادبی شخصیتیں بطور تخلیق کار شامل ہیں۔ نثری مضامین پروفیسر شفقت رضوی' شفیق الدین شارق' ڈاکٹر سرور اکبر آبادی' پروفیسر آفاق صدیقی' ادیب رائے پوری' عزیز احسن' شہزاد احمد' مولانا شاہ محمد تبریزی وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ حصۂ منظوم یعنی کتابی مشاعرے میں سید ریاض الدین سہروردی' انجم شادانی' مسرور کیفی' جمیل عظیم آبادی' رشید وارثی' رحمان خاور' جاوید وارثی' شاہ محمد کمال' میاں جمیل سلطانی اور راقم الحروف وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے بعد ثنائے رب ذوالجلال والاکرام میں حضرت شمس الدین تبریز کے تین فارسی اشعار' غالب کے دو اشعار' محسن کاکوروی کے تین اشعار اور امجد حیدر آبادی کے چار اشعار منتخب کئے گئے ہیں۔ غالب کے اشعار کے چناؤ میں بالکل احتیاط نہیں برتی گئی۔ ان کے علاوہ بہزاد لکھنوی' صبا اکبر آبادی' ضیاء القادری' شیدا جبلپوری' ستّار وارثی' تابش دہلوی' حفیظ تائب' سرشار صدیقی' ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی' شان الحق حقی' پیرزادہ قاسم' ریاض مجید' سحر انصاری' بشیر بدر' قتیل شفائی' خاطر غزنوی' رسا چغتائی' امجد اسلام امجد' افتخار عارف' انور سدید' عبدالعزیز خالد' عارف عبدالمتین' حنیف اخگر' وقار مانوی' واصل عثمانی' قیصر الجعفری' ع۔ س۔ مسلم' منیر قصوری' لالہ صحرائی' ظفر اقبال ظفر' ساحر شیوی' شہناز ندیم' عزیز احسن' احمد صغیر صدیقی' معراج جامی اور بہت سے دوسرے شعرا کی تخلیقات شامل ہیں۔ ان تخلیقات کے ضمن میں ادباء و شعرا کے مسکن کا تحریر نہ کیا جانا محل نظر ہے۔ جس سے جہان حمد کے سرنامے "حمد و نعت کا عالمی پیامبر" کی تصدیق نہیں ہوتی۔ مضامین میں پروفیسر شفقت رضوی کے مضمون کا عنوان ہی "قابل غور" ہے کہ "حمد صنف سخن ہی نہیں بلکہ ایمان کا حصہ ہے" حمد موضوع سخن تو کہا جا سکتا ہے بذات خود صنف سخن نہیں۔ کیونکہ اصناف تو غزل' نظم' رباعی' قطعہ' قصیدہ اور ہائیکو وغیرہ ہوتی ہیں۔ حمد نعت اور مرثیہ وغیرہ تو موضوعات سخن ہیں' جو کسی بھی صنف میں لکھے جا سکتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مضمون کا آخری نصف سے زائد حصہ غیر مسلموں کے حمدیہ کلام کے بارے میں ہے جو عنوان سے براہ راست متصادم ہے۔

شفیق الدین شارق صاحب کا مضمون "حمد کیا ہے؟" قابل مطالعہ ہے۔ ڈاکٹر سرور اکبر آبادی صاحب کے مضمون میں نعت حمد سے برتر موضوع کی صورت اختیار کررہی ہے' جو کسی طرح بھی قابل تعریف نہیں۔ خاص طور پر زیر قلم موضوع کا یہ جملہ "یہی سبب ہے کہ شعرائے کرام نے نعت لکھنے کے پہلو بہ پہلو اس سے پہلے "حمد" بھی ضرور لکھی ہے" بہرحال اس مضمون میں گہرائی اور گیرائی دونوں کی کمی شدّت سے محسوس ہوتی ہے۔ پروفیسر آفاق صدیقی کا مضمون "سندھی میں حمدیہ کلام" موضوع کی بنیادی ضرورتیں پوری کرتا نظر آتا ہے۔ تاہم اس میں صرف صوفیانہ کلام نے ہی جگہ حاصل کی۔ دوسرے شعرا کے ہاں اس مضمون کے تناظر میں حمدیہ کلام کی کمی کا تاثر ملتا ہے۔ ادیب رائے پوری صاحب کا موضوع ہی عجیب ہے یعنی "حمد باری میں نعت کا پہلو" مضمون میں جو پہلی حدیث کاحوالہ دیا گیا ہے' نامکمل ہے۔ جس سے مفہوم میں فرق پڑتا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مضمون کا مواد اپنے موضوع سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ غالباً" مضمون عجلت میں قلبند کیا گیا ہے۔ عزیز احسن کا مضمون "حمدیہ شاعری میں جدید شعری اسالیب کی دھنک" قابل غور مضمون ہے۔ اسے خاص تحقیقی کاوش کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ اس پہلی قسط میں حمد کے موضوع پر پہلی اردو مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" سے لے کر جدید دور میں محسن احسان کے حمدیہ اشعار تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں کئی حمدیں پوری کی پوری شامل کی گئی ہیں جو مضمون کو طویل تر کرنے کی شعوری کوشش نظر آتی ہے۔ جبکہ ان حمدوں کے دو سے تین اشعار کا حوالہ برائے تصدیق بیان کافی محسوس ہوتا ہے۔

شعرائے حیدر آباد سندھ کے حمد نگاری کا جائزہ شہزاد احمد کی کاوش جمیلہ ہے۔ مولانا شاہ محمد تبریزی کا موضوع "حمد کی برکتیں" ہے۔ ویسے تو کوئی بھی مسلمان حمد کی برکتوں سے انکار نہیں کرسکتا' اس مضمون میں مولانا کی زبان کئی جگہوں پر بہت زیادہ مشکل میں گرفتار نظر آتی ہے۔ ویسے بھی وہ موضوع کے اعتبار سے ادھر ادھر زیادہ ہوتے ہیں۔ جس کے سبب اس سے انصاف نہیں کرپاتے۔ ایک جملہ ملاحظہ فرمائیے :

"جس طرح سورج سے روشنی' پھول سے خوشبو' ثلج سے برودت اور آگ سے حرارت جدا نہیں کی جاسکتی بعینہٖ بعداز خدا اس کے محبوبؐ کی نعت جدا نہیں ہوسکتی۔" یہ نعت کس سے اور کیسے جدا نہیں ہوسکتی؟ اس سوال کا جواب کون دے گا؟

بنت مقبول کا مضمون "حمد --- حسن کائنات اور انسان" کے عنوان سے بہت زیادہ غیر متعلّق مباحث سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں حسن کائنات اور انسان کے موضوع پر تو یقیناً بہت سی گفتگو ہے مگر حمد کا پہلو تقریباً" غائب ہے۔ اگر کائنات' انسان اور حمد کے رشتۂ ازلی کو جوڑ دیا جاتا

تو بہت اچھا ہوتا۔

"اردو میں حمد نگاری" کے سلسلے میں شہزاد احمد کی کوشش اچھی ہے مگر اس میں ابھی مزید تحقیق اور محنت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک شاعر' چند شعر مناسب مضمون ہے۔ "جہان حمد" میں اول تو نعت سے متعلق حصہ زبردستی شامل کیا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اس کے لئے مضامین بھی ادھر ادھر سے حاصل کئے ہوئے لگتے ہیں۔ اس حصے کی شمولیت سے کتابی سلسلہ "جہان حمد" کا پہلا شمارہ غیر ضروری ضخامت کا شکار بھی ہو گیا ہے۔ زیادہ بہتر ہو اگر جہان حمد کو کم ضخامت میں اور خاص حمد سے متعلق رکھا جائے۔ اس شمارے میں سب سے زیادہ کم توجہ درستیٔ اغلاط کی طرف دی گئی ہے' کیونکہ عربی اور اردو زبانوں کے مواد میں انگنت غلطیاں ہیں جن سے بعض اوقات تو فقرے کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔

آخر میں دی گئی خبریں اور کتابوں پر تبصرہ مناسب ہیں۔ بہرحال یہ طاہر سلطانی کی ایک اچھی کاوش ہے اور اللہ تعالیٰ سے مقبولیت کی دعا کے ساتھ طاہر سلطانی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں، از عرش نازک تر
نفس گُم کردہ می آید، جُنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

قصیدہ "مدیح خیرالمرسلین" کی ایک نادر تضمین

بازیافت۔ ڈاکٹر محمد یونس حسنی

محسن کاکوروی کا قصیدہ "مدیح خیرالمرسلین" اپنی کفر ساماں تشبیب، فنّی نزاکتوں اور وجد آور مدح کی وجہ سے اردو قصیدہ نگاری کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل سمجھا گیا ہے۔ اسے ایک ادبی شاہکار قرار دینے والے بھی کم نہیں تھے اور ایسے علماء بھی تھے جنھوں نے اس قصیدے کی تشبیب پر نامشروع ہونے کا الزام عاید کیا۔ امیر مینائی مرحوم نے اس الزام کا جواب لکھا اور بدلائل لکھا جس کی وجہ سے الزام کی معنویت ختم ہو گئی۔

مختلف شعرا نے اس قصیدے کو تضمین کیا۔ "کلیات محسن" کے مرتب جناب نورالحسن کے بقول سب سے دلکش تضمین جناب سحر کی تھی جو ۱۳۰۶ھ میں "مدح پیغمبر" کے تاریخی نام سے لکھی گئی یہ تضمین کلیات محسن میں اس قصیدے کے حاشیے کے طور پر شامل ہے۔

۱۳۱۲ھ میں ٹونک کے ایک کم ممتاز سخن سید حمید الدین رعنا نے "مدیح خیرالمرسلین" کو تضمین کیا۔ جناب رعنا کے مختصر حالات جو سید حسین حسنی نے مرتب کیے ہیں یہ ہیں :

سید حمیدالدین رعنا ابن سید محمد سعید ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۲ء کو ریاست ٹونک راجپوتانہ میں پیدا ہوئے۔ والد سید سعید ٹونک میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ ایک مدّت پرگنہ سرونج کے ناظم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ دادا سید حمید الدین حمیدی شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ شاید شاعری کا ذوق رعنا کو اپنے دادا سے ورثہ میں ملا تھا۔ ابھی جوان العمر ہی تھے کہ صاحب دیوان ہو گئے۔

اپنے بڑے بھائی سید عبدالرزاق کلامی سے تلمّذ تھا۔ کلامی اپنے عہد کے معروف شاعر تھے اور ان کی دو کتابیں "صمصام الاسلام" اور "قمقام الاسلام" (جو فتوح الشام کا منظوم ترجمہ ہیں) اپنے عہد میں ناقدین سے داد و تحسین پا چکی تھیں۔ سید عبدالرزاق کلامی جناب الٰہی بخش نازش کے شاگرد تھے۔

رعنا خود بھی اپنے عہد کے معروف شاعر تھے ریاست میں سررشتہ دار کی حیثیت سے ملازم تھے اور سرکاری مصروفیات کے باعث اگرچہ مشاعروں وغیرہ سے گریزاں رہا کرتے تھے پھر بھی ریاست کے اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے اور طرح میں غزلیں کہا کرتے تھے۔ ان کی قادرالکلامی کا ثبوت یہ تضمین ہے۔ میر کاظم حسین شیفتہ کی تضمین دیکھ کر رعنا کو خیال ہوا کہ وہ اس سے بہتر تضمین کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے تضمین لکھی۔

امتداد زمانہ سے رعنا کا دیوان ضائع ہو گیا۔ ایک غزل حدیقۂ راجستھان میں بطور نمونۂ کلام

درج تھی جو ہدیۂ ناظرین ہے اس سے ان کے طرز سخن کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

کام آ جائے الٰہی کہیں الفت میری!
کاش بن جائے اسی کوچے میں تربت میری

کیا مزا ہے غم الفت میں الٰہی توبہ!
سیر ہوتی ہی نہیں اس سے طبیعت میری

حال دل مجھ سے نہ پوچھو میری صورت دیکھو
میری صورت ہی کہے دیتی ہے حالت میری

آہ نکلی نہ لبوں سے نہ اٹھا دل سے دھواں
ضبط یہ ضبط، محبت یہ محبت میری

واعظا شورش محشر تو ہے تسلیم مگر!
کون سی بات میں کم ہے شب فرقت میری

الفت یار نے مجبور کیا ہے رعنا!
میرے قابو میں نہیں ہائے طبیعت میری

رعنا کے خاندان میں علم و ادب کی روایت استوار رہی ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے دادا سید حمید الدین حمیدی کو شعر و شاعری سے بڑا شغف تھا۔ وہ سید احمد شہید، شہید بالاکوٹ کے بھانجے تھے اور ان کے میر منشی بھی تھے۔ سید صاحب کی طرف سے خطوط نویسی کا فریضہ وہی انجام دیا کرتے تھے۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد نواب وزیر الدولہ نے انہیں اپنا میر منشی مقرر کر لیا تھا۔

رعنا نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے تین صاحبزادے (۱) سید عبد الرحمان ارمان (۲) سید خلیل الرحمان (۳) سید سعید الدین اور دوسری بیوی سے بھی تین صاحبزادے (۱) سید محمد ابراہیم ندوی، ایم اے، رکن دار الترجمہ حیدر آباد (دکن) (۲) سید محمد اسماعیل ایم اے، ایل ایل بی، ناظم سائرلت ریاست ٹونک (۳) حافظ سید محمد اسحاق ایم ایس سی، آئی۔ سی۔ ایس (سی، ایس پی)، او بی ای، سیکریٹری حکومت پاکستان اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

سید حمید الدین رعنا نے ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء ٹونک میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

تضمین

موسم عیش ہے محفل میں منگائیں بوتل گوپیاں شوق سے گا گا کے منائیں منگل
نو عروسان چمن آج دکھائیں چھل بل سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

زور پانی کا ہے شدّت سے گھرا ہے بادل راہ پُر آب ہے ہر جا ہے بکثرت دلدل
لو چلی آتی ہے دروازوں پہ گنگا ہی اُبل گھر میں اشنان کریں سرو قد ان گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

آج کس زور پہ ہے جوش میں گنگا بہتی یہ تموّج یہ ترقی کبھی دیکھی نہ سنی
رنگ عالم کا نیا ہے کہ ہے دنیا بدلی خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کچھ عجب رنگ دکھاتی ہیں گھٹائیں کالی نور ایماں کو اڑاتی ہیں گھٹائیں کالی
کیا ہی ارمان بڑھاتی ہیں گھٹائیں کالی کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

کیسی چھائی ہوئی ظلمت ہے کہ خیرہ ہے نگاہ نہ ثوابت ہیں نہ سیارہ نہ خورشید نہ ماہ
ایسے کچھ زور پہ بادل ہیں کہ خالق کی پناہ جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ
کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل

وہ بجھاتا ہے لگاتی ہے یہ جل تھل میں آگ   ڈر ہے بھڑکے نہ درختوں کے نئے پھل میں آگ
وہ جو گر آب تو اس شوخ کے چھل بل میں آگ   دہر کا ترسا بچا ہے برق لیے جل میں آگ
ابر چوٹی کا برہمن ہے لیے آگ میں جل

تار باراں جو سناتا ہے نئے رنگ کے راگ   جو ششِ بادۂ گلگوں بھی اڑاتی ہے کاگ
برق اور ابر بھی دکھلاتے ہیں قدرت کی لاگ   دہر کا ترسا بچا ہے برق لیے جل میں آگے
ابر چوٹی کا برہمن ہے لیے آگ میں جل

اب کلکٹر ہے کوئی اور نہ یہاں کا ناظم   نظم عالم تہ و بالا ہے کرے کیا ناظم
اب تو ہے تو ہی خداوند تعالیٰ ناظم   ابر پنجاب تلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم
برق بنگالہ ہے ظلمت میں گورنر جنرل

پانی کم ہو تو پڑے باغ میں جھولے کے کڑی   عیش میں ماہ جبینوں کے مصیبت ہے بڑی
کس گھڑی اے مرے اللہ لگی تھی یہ جھڑی   نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی
پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل

کیسی قسمت تھی کہ ہوتے تھے برابر درشن   اب تو ہوتے ہی نہیں ہائے میسر درشن
پانی کھل جائے تو ہو آج مقرر درشن   دیکھیے ہوگا سریکشن کا کیوں کر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

پانی کم ہو تو دکھاتی ہوئی جوبن نکلیں   سرو قد غنچہ دہن جانب گلشن نکلیں
ناز کرتی ہوئی گاتی ہوئی ساون نکلیں   راکھیاں لیکے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

گل کھلاتی ہے نئے رنگ کے ساون کی ہوا   جھومتی آتی ہے ہر سمت سے گھنگور گھٹا
کون مہرو ہے جو حاضر لب دریا نہ ہوا   اب کی میلہ تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا
نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

کرتے سودائی ہیں لوگوں کو یہ بادل کالے   آتش عشق سے جانوں کے پڑے ہیں لالے
ساغر بادۂ الفت سے ہوئے متوالے   ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

نئی دیکھے نہ سنے ایسے بلا کے جھونکے   جھونکے صرصر کے ہیں یا تو رسا کے جھونکے
موج مے کے ہیں کہ ہیں موج صبا کے جھونکے   تہ و بالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے
بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل

شہر دریا ہوئے دنیا تو سبھی ڈوب گئی   قصر گردوں کہیں بہہ جائے نہ یارب قوی
خیر ہو عالم بالا کی بھی حالت بدلی   کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہ نو کی کشتی
بحر اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل

نامیاں کا وہ تکلف ہے کہ اللہ غنی   ایسی پُرجوش ترقی کبھی دیکھی نہ سنی
اس بلندی پہ ہے ہر نخل چمن کی ٹہنی   قمریاں کہتی ہیں طوبا سے مزاج عالی
لالۂ باغ سے ہندوے فلک ہمیم گسل

روز روشن کا تو باقی ہی نہیں نام و نشاں   ظلمت شب میں بڑھی تیرگیٔ وہم و گماں
چشم خوابیدہ میں جیسے کہ ہو پتلی جنباں   شب دیجور اندھیرے میں ہے بادل کے نہاں
لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل

اب کہاں حسن صفت خود کو چھپائے گھونگھٹ   چشم عشّاق میں کیوں کر نہ سمائے گھونگھٹ
کس طرح شرم سے اب سامنے آئے گھونگھٹ   شاہد کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ
چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

مئے عرفاں سے یہ مست ہے کوئی مبہوت   یا کہ صوفی ہے کوئی محو مقام ملکوت
چشم پُرآب ہے لب پر ہے لگی مہر سکوت   جوگیا بھیس کیے چرخ لگائے ہے بھبوت
یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمّل

اب کے ساون کی نئی طرح پڑی ہے تمہید   رعد بارش کی کیا کرتا ہے ہر دم تاکید
ذرۂ کبک کی کس طرح مٹی حسرت دید   شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید
ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیر زحل

ہے وہ ظلمت کہ فروغ اس میں ذرا چھائے نہ شمع   ایسے عالم میں جہاں سے کہیں اٹھ جائے نہ شمع
ہے یقیں شمع مہ و مہر بھی کہلائے نہ شمع   وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع
گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اسے لے کر مشعل

ظلمت ابر ہوئی روشنی بزم جہاں برج آبی میں ہوا مہر فروزاں پنہاں
سردم چشم تحیر بھی نہ کیوں ہو حیراں نور کی تیلی ہوئی پردۂ ظلمت میں نہاں
چشم خورشید جہاں بیں میں ہیں آثار سبل

اس ترقی پہ ہے گلزار کہ دیکھا نہ سنا شکل آتشکدہ ہے رنگ چمن جلوہ فزا
اف رے گرمی تری اللہ رے مرا نشوونما آتش گل کا دھواں بام فلک تک پہنچا
جم گیا منزل خورشید کے چھت میں کاجل

عیش و عشرت کی جہاں میں نہ رہی کوئی شے اب میسر ہمیں ہوتا ہے نہ معشوق نہ مے
ہو گیا گردش ایام کا دورہ کیا طے ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل

ایسے گھبرائے اندھیرے سے کہ ہے دم پہ بنی لاکھ چمکی نہ کوئی راہ نکلنے کی ملی
سخت بیتاب ہوئی اور نہایت تڑپی جس طرف سے گئی بجلی پھر ادھر آ نہ سکی
قلعۂ چرخ میں ہے بھول بھلیاں بادل

رحمت حق نے جہاں میں وہ جمائی تاثیر جوش باراں نے حرارت کی مٹائی تاثیر
موسم آب نے کیا طرفہ بتائی تاثیر فیض ترتیب ہوا نے یہ دکھائی تاثیر
رز محلول ہے انگور تو کھرل ہے منقل

آب گوہر صفت اشک گرا جاتا ہے چشمہ مہر میں سیلاب بڑھا جاتا ہے
آئینہ آئینہ حیرت کا بنا جاتا ہے آب آئینہ تموج سے بہا جاتا ہے
کھیے تصویر سے گرتا نہ کہیں دیکھ سنبھل

کیسا موسم ہے کہ ہر چیز کو ہے نشوونما زائد النور ہوئے ماہ و ثریا و سہا
قدرت حق کا نیا ہم نے تماشا دیکھا آج یہ نشو و نما کا ہے ستارہ چمکا
شاخ میں کاہکشاں کے نکل آئی کونپل

فرق رکھتی ہے جوانی سے لڑکپن کی بہار بڑھتے بڑھتے یوں ہی بڑھ جاتی ہے جوبن کی بہار
اب کی دونی نظر آئی ہمیں ساون کی بہار دیکھتے دیکھتے بڑھ جاتی ہے گلشن کی بہار
دیدۂ نرگس شہلا کو نہ سمجھو احول

فیض خالق ہے عروسان چمن کا دمساز   گل و بلبل میں عجب طرح کے ہیں راز و نیاز
نہیں معلوم کہ پوشیدہ ہے اس میں کیا راز   خضر فرماتے ہیں سنبل سے تری عمر دراز
پھول سے کہتے ہیں پھلتا رہے گلزار امل

کیا طرب خیز ہے واللہ ہوائے گلشن   حیرت انگیز نکالا ہے چمن نے جوبن
روکش گلشن فردوس ہوا صحن چمن   عطر افشاں ہے شبیہ گل نسرین و سمن
نخل داؤدی موی سے ٹپکتا ہے عسل

آج جوبن پہ ہے کیسا لب ساحل سبزہ   شکل معشوق ہے صرف کشش دل سبزہ
صاف ظاہر ہے کہ ہے برق پہ مائل سبزہ   لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ
چرخ پہ بادلہ پھیلا ہے زمیں پہ مخمل

کیسا موسم ہے کہ جس چیز پہ جاتی ہے نظر   جلوہ یار کے انداز دکھاتی ہے نظر
نور عرفاں دل عارف میں بڑھاتی ہے نظر   جگنو پھرتے ہیں جو گلبن میں تو آتی ہے نظر
مصحف گل کے حواشی پہ طلائی جدول

محفل عیش ہے ہم بزم ہیں نسرین و سمن   رقص طاؤس ہے گاتے ہیں پپیہے ساون
قمریاں سرو پہ ہیں محو ثنائے گلشن   ہم زباں وصف چمن میں ہوئے سب اہل چمن
طوطیوں کی ہے جو تضمین تو بلبل کی غزل

ہے بہار طرب افزا کہ ہیں خوش مومن و گبر   دید معشوق سے عشاق کریں کیوں کر صبر
بلبلیں نغمہ سرا ہیں کہ نہیں نام کو جبر   تخت طاؤسی گلشن پہ ہے سایہ کیے ابر
چتر کھولے ہوئے فرق شہ گل پہ سنبھل

جوش تفریح سے گلزار ہے شوریکا مکاں   پتے کیلے کے ہیں یا صفحۂ قرطاس عیاں
قدرت منشئ قدرت ہے عیاں راچہ بیاں   جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں
لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

نالۂ بلبل شیدا جو ہوا عالمگیر   مست ہونے لگے سن سن کے صغیر اور کبیر
سنی اب نغمہ سرایان گلستاں کے صفیر   آہ قمری میں مزہ اور مزے میں تاثیر
سرو میں دیکھیے پھول آنے لگے پھولوں میں پھل

باعث مستی گلزار ہوئی نکہت گل نالہ قمری کا کہیں ہے کہیں شور بلبل
مست و مدہوش جوانان چمن ہیں بکل شاخ پہ پھول ہیں جنبش میں زمیں پہ سنبل
سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار و پیدل

کوئی پتّا نہیں بیکار زہے فیض عمیم اللہ اللہ ہے کیا شان خداوند کریم
خس و خاشاک ہیں یا سبزۂ گلزار نعیم پھول ٹوٹے ہوئے پھرتے روشوں پہ ہے نسیم
یا سڑک پر ہیں ٹہلتے ہوئے گلگوں کوتل

موسم باروری نے وہ بڑھائیں شاخیں شجر عیش میں مستی کی لگائیں شاخیں
جوش تفریح نے حسرت کی گھٹائیں شاخیں شجرۂ پیر مغاں میں نکل آئیں شاخیں
حرمت دختر رز میں نظر آتا ہے خلل

یہ جگر پارہ ہیں یا نور نظر کے ٹکڑے قطرۂ اشک رواں ہیں کہ گہر کے ٹکڑے
یا مرے نخل تمنا کے ثمر کے ٹکڑے ساتھ ساتھ آتے ہیں نالوں کے جگر کے ٹکڑے
شجر آہ رسا میں نکل آئی کونپل

کیسا موسم نے دکھایا ہے تغیّر بے ڈھب جوش سبزہ سے ہوا دل میں فزوں رنج و تعب
پنکھڑی پھول کی پوشیدہ ہوئی ہائے غضب سبزہ خط سے ہوا ہونے لگی سرخیٔ لب
چمن حسن سے لال اڑ گئے بن کر ہریل

کیا خود آرائی نے بدلی رخ جاناں کی طرح رنگ چہرے نے دکھایا چمنستاں کی طرح
چشم مخمور ہوئی نرگس فتاں کی طرح صاف آمادۂ پرواز ہے شاماں کی طرح
پر لگائے ہوئے مژگان صنم سے کاجل

کیوں نہ ہوں نغمہ سرائی پہ عنادل مغرور پھول جوبن پہ ہیں اور جوش میں صہبائے سرور
غیر ذی روح بھی فرحت سے ہوئے ہیں مسرور خندہ ہائے گل قالیں سے ہوا شور نشور
کیا عجب ہے جو پریشاں ہوا خواب مخمل

طالب جلوۂ دیدار عجب پھیر میں ہے کوئی کھلتا نہیں آزار عجب پھیر میں ہے
نیند آتی نہیں بیمار عجب پھیر میں ہے طرفہ گردش میں گرفتار عجب پھیر میں ہے
سرمہ ہے نیند مری دیدۂ بیدار کھرل

اللہ اللہ ہے اس فصل میں کیا جوش بہار شعر خوانی کی کیا کرتی ہے بلبل تکرار
مست ہو ہو کے یہ کہتا ہے پپیہا ہر بار شاخ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار
نونہالان گلستاں کو سنائے یہ غزل

کر چکا عالم علوی کا تماشا بادل سیر کو عالم سفلی کے اب آیا بادل
گوہر عیش کے ہے فکر میں کالا بادل سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل

سیر گوکل کو نہا دھو کے ہے نکلا بادل گوپیاں شاد ہیں کہتی ہیں وہ آیا بادل
استعاروں سے ہوا پر نہ مصفّا بادل سمت کاشی سے گیا جانب متھرا بادل
برج میں آج سریکشن ہے کالا بادل

آج پہنے ہوئے ہے رخت شاہانہ بادل نو عروسان گلستاں کا ہے دولھا بادل
جھومتا جھامتا آتا ہے عجوبہ بادل شاہد گل کا کئے ساتھ ہے ڈولا بادل
برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل

کبھی رنگ رخ عذرا ہے دکھاتا بادل کبھی آتا ہے نظر صورت لیلہ بادل
کیسے جوبن پہ ہے نکھرا ہوا کالا بادل خوب چھایا ہے سر گوکل و متھرا بادل
رنگ میں آج کنھیّا کے ہے ڈوبا بادل

ابر میں برق چمک جاتی ہے گنگا جمنی رنگتیں قوس بھی دکھلاتی ہے گنگا جمنی
روپ پر روپ شفق لاتی ہے گنگا جمنی سطح افلاک نظر آتی ہے گنگا۔ جمنی
روپ بجلی کا سہرا ہے روپہلا بادل

واہ کس شان سے ابر آج ادھر آتا ہے شہسواروں کی طرح سینہ پر آتا ہے
کیا بنے جنگ لئے تیغ و تبر آتا ہے چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے
سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل

پردۂ ابر میں پوشیدہ ہوا چرخ بریں اب نہ خورشید جہاں تاب نہ ہے ماہ مبیں
کس طرح مہر پرستوں کی عبادت ہو کہیں جب تلک برج میں جمنا ہے یہ کھلنے کا نہیں
ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل

مہ انور اسی اندوہ سے گھٹ جائے نہ کیوں چاندنی کثرت ظلمت سے سمٹ جائے نہ کیوں
شمع میں نور نہیں شرم سے کٹ جائے نہ کیوں بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیوں
وہ اندھیرا ہے کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل

واہ کس اوج پہ اختر ہے زمیں کا چمکا سایۂ ابر گہر بار ہے یا ظلّ خدا
قدرت حق سے ہوئے جلوہ نما ارض و سما چشمۂ مہر ہے عکس زر گل سے دریا
پرتو برق سے ہے سونے کا بجرا بادل

الفت پردہ نشیں سے میں ہوا ہوں غم نوش صبر کا اب مجھے یارا نہ بجا ہیں مرے ہوش
جوش طوفاں مری آنکھوں کا ہے ادنیٰ سا جوش مری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش و خروش
کسی بے درد کو دکھلائے کرشما بادل

سوز الفت نے مرے دل میں وہ سوزش بھر دی گرمی مہر جہاں تاب مقابل نہ رہی
قطرۂ اشک میں کیفیت طوفاں دیکھی دل بے تاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی
چشم پر آب کا ہے ایک کرشما بادل

دل بے تاب کا دیکھے، جو تماشا بجلی بھول جائے یہ چمکنا یہ تڑپنا بجلی
جان مضطر کا مرے ایک نمونا بجلی تپش دل کا اڑایا ہوا نقشا بجلی
چشم پر آب کا دھویا ہوا خاکا بادل

آج کیا کیا مری آنکھوں نے تماشے دکھلائے اس قدر روئیں کہ طوفان پہ طوفان اٹھائے
سو برس روئے تو اس جوشش گریہ کو نہ پائے اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پہ چڑھ جائے
مری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقا بادل

ابر تر دیکھ لیا میرا ضبط کر بھی سکتا ہے کوئی کوزے میں یوں دریا ضبط
منہ کو آجائے کلیجہ جو کرے ایسا ضبط کچھ ہنسی کھیل نہیں جوشش گریہ کا ضبط
یہ مرا دل ہے یہ میرا ہے کلیجا بادل

اب کہاں ہیں وہ بہاریں وہ امنگیں نوخیز گوہر افشاں نہ گھٹا ہے نہ ہوا عنبر بیز
حادثہ دار فنا میں ہے یہ حیرت انگیز جام عمر فلک پیر ہوا ہے لبریز
لئے آتا ہے جنازہ دیے کاندھا بادل

موسم عیش ہے تفریح کی ہے طغیانی تو عروسان گلستاں کے ہیں جوڑے دھانی
باغ میں ساقی و مطرب کی ہوئی مہمانی راجہ اندر ہے پری خانہ مے کا پانی
نغمہ نے ہے سریکشن کنھیا بادل

ساغر بادۂ گلرنگ پیوپے در پے میکدے چل کے کرو زہد کے جھگڑے سب طے
موسم عیش ہے اے شیخ یہ تقویٰ تا کے جوش پر رحمت باری ہے چڑھاؤ خم مے
چشمک برق سے کرتا ہے اشارہ بادل

جب سے رعنا اسے الفت کی ہوئی بیماری نالے ہیں شعلہ فشاں آنکھوں سے دریا جاری
سچ ہے اندوہ میں ہوتا ہے یہ عالم طاری دیکھتا گر کہیں محسن کی فغان و زاری
نہ گرجتا کبھی ایسا نہ برستا بادل

اب کھلے جاتے ہیں سب عقدۂ یا لاینحل ہوئے جاتے ہیں عیاں پردۂ اسرار ازل
پھر یہ مست محبت نے چڑھائی بوتل پھر چلا خامہ قصیدے کی طرف بعد غزل
کہ ہے چکر میں سخن گو کا دماغ تحل

واہ کس آب مصفّا میں نہا کر آیا گرد کلفت کو زمانے سے مٹا کر آیا
مژدہ عیش ہی مستوں کو سنا کر آیا باغ میں ابر یہ مست چڑھا کر آیا
جام خورشید مع میکدۂ برج حمل

اس قدر فصل بہاری سے ہے گلشن شاداب عوض آب ہے نہروں میں رواں جوئے شراب
میکدۂ صحن گلستاں سے تو ساغر سے حباب چشم میکش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب
پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل

شجر الفت ساقی میرے دل سے نہ اکھیڑ تجھ کو کیا ناصح نا فہم تو اپنی ہی نبیڑ
مست ہیں مست ذرا دامن تقویٰ کو سکیڑ جام بے بادہ سے کہتے ہیں کہ رندوں کو نہ چھیڑ
دست بے جام سے کہتے ہیں کلیجوں کو نہ مل

کتنی منت سے خوشامد سے پیالہ مانگا کچھ بھی وہ کافر مغرور مخاطب نہ ہوا
ساغر بادۂ گلگوں نہ دیا پر نہ دیا گوہر دل کو بڑی سنگدلی سے پیسا
کشتی مے کو بنایا مرے ساقی نے کھرل

موسم عیش ہے بن آئی ہے مستانے کی   فکر ہے ساقیِ فیاض کے بلوانے کی
باغ جوبن پہ ہے شادی ہے بہار آنے کی   کیسی افسردگی کیا بات ہے مرجھانے کی
غنچہ کہتا ہے لجالو سے کہ گلشن سے نکل

آمد فصل بہاری ہے دلوں میں ہے امنگ   جرعۂ آب میں دیکھی مئے گلگوں کی شہ رگ
رنج و آزار ہوئے دور ہزاروں فرسنگ   سیر میں دشت کے مصروف ہے جو پاؤں میں لنگ
شغل میں چاک گریباں کے ہے جو ہاتھ ہے شل

پھر بہار آئی ہے افزائش سودا کے لیے   جوش پھولوں کا ہوا بلبل شیدا کے لیے
یار نے رنگ جمایا دل رعنا کے لیے   مصر والوں کو یہ ڈر ہے کہ زلیخا کے لیے
سر بازار نہ بکنے لگے سودے کا خلل

شادیاں نعت پیمبر سے ہوئیں دل کو حصول   اب کوئی غم ہے نہ باقی ہیں کچھ افکار فضول
مست ہے بادۂ مدحت سے یہ فرقت کا ملول   مئے گلرنگ سے کیا شمع شب فکر کا پھول
چلتے چلتے جو قلم ہاتھ سے جاتا ہے نکل

فکر عالی ہے رسائی سے وزیر نے کلک   روشنائی کی روانی ہے دبیر نے کلک
جوش وحشت کے مضامیں ہیں مشیر نے کلک   کیا جنوں خیز ہے لکھنے میں صریر نے کلک
کہ سیاہی سے ہے ہر حرف کو سودے کا خلل

نہ رہی فکر مضامیں سے سراپا کی خبر   یاد دل دار نہ اپنے دل شیدا کی خبر
کثرت شوق میں الفاظ نہ معنی کی خبر   ہے سخن گو کو نہ املا کی نہ انشا کی خبر
ہو گئی نظم کی انشاء و خبر سب مہمل

آج کل جوش پہ ہے بادۂ الفت کا دور   نہ بھلائی پہ نظر ہے نہ برائی پہ ہے غور
ہوش اس طرح سے کچھ بگڑے ہوئے ہیں بے طور   دل میں کچھ اور ہے پر منہ سے نکلتا ہے کچھ اور
لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے اٹکل

نشہ صہبائے محبت کا اسے جب سے چڑھا   ہوش پابندی مذہب کا بھی اصلا نہ رہا
کبھی کعبہ کبھی بتخانے کا جلوہ دیکھا   کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا
کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل

کبھی گلشن پہ ہے مائل تو کبھی صحرا پر   کبھی کہسار پہ جاتا ہے کبھی دریا پر
جوش وحشت نے ٹھہرنے نہ دیا یکجا پر   کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر
گھاگرا پر کبھی گزرا کبھی سوئے چمبل

دل مضطر کے ہوئی الفت جاناں نہ کفیل   درد فرقت جو مصاحب ہے تو وحشت ہے دلیل
پائے گی گوہر مقصود مری سعی جمیل   چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم و نیل
نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل

پھر مرے باغ معانی میں ہوا جوش بہار   پھر ہوئی بادۂ مضموں سے طبیعت سرشار
نہ گئی فیض سے خالق کے یہ محنت بے کار   ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار
ہوئی آئینہ مضموں کی دو چنداں صیقل

دھیان آیا جو کبھی ساغر و مینا کی طرف   جام خورشید کو دیکھا کہ ثریا کی طرف
جوش مستی میں گیا عالم بالا کی طرف   روئے معنی ہے بھٹکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف
تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل

ان دنوں جوش پہ ہے تازہ مضامیں کا چمن   فکر عالی کی ہے گلگشت سوئے چرخ کہن
اب تو باقی نہ رہی حاجت سیر گلشن   اک ذرا دیکھیے کیفیت معراج سخن
ہاتھ میں جام زحل شیشۂ مہ زیر بغل

ہم ہیں وہ مست وہاں یا کہ یہاں رکھا پاؤں   جلوۂ وحدت کا نظر آیا جہاں رکھا پاؤں
نشہ بادۂ وحدت میں کہاں رکھا پاؤں   گرتے پڑتے ہوئے مستانہ وہاں رکھا پاؤں
کہ تصور بھی جہاں جا نہ سکے سر کے بل

کچھ عجب رنگ کا چھایا ہے مرے دل پہ سماں   پھر گئی آنکھ میں کیفیت گلزار جناں
رنگ بیرنگیٔ مطلق کا ہوا جلوہ عیاں   یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں
خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل

ارنی گو کہیں موسیٰؑ کہیں لحن داؤدؑ   کوئی مصروف سجود اور کوئی مشغول درود
از فلک تا بہ زمیں جلوۂ حسن معبود   تار باراں مسلسل ہے ملائک کا درود
پئے تسبیح خداوند جہاں عزّ و جل

کہیں عیسیٰؑ کہیں موسیٰؑ کہیں ادریسؑ کہیں کہیں یوسفؑ ہیں کہیں حضرت یعقوبؑ حزیں
کہیں حوریں کہیں غلمان کہیں روح امیں کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں
کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل

ہو گئے ہم پہ عیاں معنی اللہ جمیل دل مضطر کو نظر آئی ہر اک شکل شکیل
کہیں حوریں کہیں غلماں ہیں بچشمان کحیل کہیں جبریل حکومت پہ کہیں اسرائیل
کہیں رضواں کا کہیں ساقیٔ کوثر کا عمل

ماسوا اللہ سے جو پاک ہو وہ پہچانے جو گرفتار معاصی ہو بھلا کیا جانے
نور کی ساری زمیں نور کے تھے کاشانے کنز مخفی کے کسی سمت نہاں تہہ خانے
اک طرف مظہر قدرت کے عیاں شیش محل

طالب دید کہیں تھے صف عشّاق ملول اور ہوتا تھا کسی کو کہیں دیدار حصول
جلوہ کس شان کا تھا رمز تھے کیسے معقول عاشق جلوہ طلب گار کہیں چشم قبول
ناز معشوق کے پردے میں کہیں حسن عمل

بادۂ الفت احمد سے ہوا ہے سرشار کس ترقی پہ ہے اب منزلت بادہ گسار
رات دن دیکھتا ہے عالم عرفاں کی بہار گل بیرنگیٔ مطلق کے لہکتے گلزار
بے نیازی کے ریاحیں کے مہکتے جنگل

اب فروزاں ہوا جاتا ہے جمال تشبیہ اب کمالات دکھاتا ہے کمال تشبیہ
جلوہ افزا نہ ہو کس طرح خیال تشبیہ باغ تنزیہ میں سرسبز نہال تشبیہ
انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفاء ہیں کونپل

باغ رضواں کو بہار اس کے تصدّق میں ملی گلشن دہر میں بھی اس کی ہی خوشبو مہکی
واہ واصلّ علیٰ مظہر قدرت ہے یہی وہ گل خوش رنگ رسول مدنی و عربی
زیب دامان ابد طرّۂ دستار ازل

جتنی عالم میں ہے مخلوق صغیر اور کبیر نور سے احمد مختار کے ہے فیض پذیر
کیا کہوں گر نہ کہوں نور خدا کی تنویر نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر
نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل

منبع علم و ہنر مرجع ارباب نظر رحمت حق کا نمر نور خدا کا مظہر
قاسم خلد و سقر دونوں جہاں کا سرور اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر
بحر وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول

ملک و جنّ و بشر اس سے لگاتے ہیں لَو دین و دنیا ہیں محبت میں اسی کے تو گرو
روشنی مہر و قمر کی ہے اسی کا پرتو مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو
شمع ایجاد کی لَو بزم رسالت کا کنول

سرور عرش مکیں صاحب اعجاز متیں ملک راج و نگیں بادشہ روئے زمیں
صدر ایوان یقیں دافع آلام و حزیں مرجع روح امیں زیب دہ عرش بریں
حامی دین متیں ناسخ ادیان و ملل

ہفت افلاک ہیں جس شاہ کے صحن درگاہ کیوں نہ گلگشت کرے عرش پہ وہ عرش پناہ
شش جہت دونوں جہاں رتبہ سے اس کے آگاہ ہفت اقلیم ولایت میں شہ عالی جاہ
چار اطراف ہدایت میں نبی مُرسل

نور ایماں سے منور ہیں مرے قلب و جگر اب مرا دامن عصیاں بھی ہے دامان سحر
شاہد نعت پیمبر ہے مرے پیش نظر جی میں آتا ہے لکھوں مطلع برجستہ اگر
وجد میں آ کے قلم ہاتھ سے جائے نہ اچھل

آپ کی ذات مقدس ہے جہاں سے افضل آپ کو خالق برحق نے بنایا اکمل
اب کھلے راز ازل عقدہ مالا ینحل منتخب نسخہ وحدت کا یہ تھا روز ازل
کہ نہ احمد کا ہے ثانی ہے احد کا اول

شب گردوں کی بھی ظلمت کبھی دھو جائے گی صبح شام پر گردش ایّام کی رو جائے گی صبح
چشمۂ مہر کو اک روز ڈبو جائے گی صبح دور خورشید کی بھی حشر میں ہو جائے گی صبح
تا ابد دور محمدؐ کا ہے روز اول

واہ کیا رفعت و عظمت تھی مرے سرور کی منزلت ہو گئی دونی فلک اخضر کی
روشنی ماہ کی ایسی نہ کسی اختر کی شب اسریٰ میں تجلّی سے رخ انور کی
پڑ گئی گردن رف رف میں سنہری ہیکل

نگراں عشق میں تھا جس کے سوئے فرش زمیں   شب معراج وہی ماہ ہوا اس پہ مکیں
شوق میں مست ہے کچھ بات تعجب کی نہیں   سجدۂ شکر میں ہے ناصیہ عرش بریں
خاک سے پائے مقدّس کی لگا کر صندل

تیری تعریف سے مملو ہیں زمانے کے خطب   تیری تصدیق کے شاہد ہوئے اشجار و رطب
کون کہتا ہے کہ معراج میں حائل تھے حجب   افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب
اولیت پہ تری متفق ادیان و ملل

نور سے ترے ہوا عالم امکاں محکم   فیض سے تیرے ہوا گلشن عرفاں محکم
ہیں تری ذات سے اسلام کے ارکاں محکم   لطف سے تیرے ہوئی شوکت ایماں محکم
قہر سے سلطنت کفر ہوئی مستاصل

تیرے اعجاز سے اعجاز مسیحا ادنیٰ   اور نور کف پا سے ید بیضا ادنیٰ
خاک درگاہ سے ہر جوہر اعلیٰ ادنیٰ   مبحث جاہ میں اعلیٰ کے ہیں معنی ادنیٰ
مصرف جود میں اکثر کا مرادف ہے اقل

قطرہ ہائے عرق رخ پہ ہے قربان سہیل   محو ہیں روئے منور پہ ملک خیل کے خیل
ذات باری کو بھی ہے چشم مکحل پر میل   شانہ حضرت کا ہے تشدید دو لام واللیل
صاد مازاغ بصر سرمۂ چشم اکحل

کیوں نہ ابلیس کے اس در سے پلٹ جائیں قدم   کیوں نہ کفار کے اس تیغ سے کٹ جائیں قدم
کیوں نہ اصنام کے اس گھر میں سمٹ جائیں قدم   جس طرف ہاتھ بڑھیں کفر کے ہٹ جائیں قدم
جس جگہ پاؤں رکھیں سجدہ کریں لات و ہبل

اہل عرفاں کے تیرے در پہ نہ کیوں آئیں قدم   جن کا ہو بخت مددگار وہی پائیں قدم
صدقے ان قدموں کے مجھ کو بھی وہ دکھلائیں قدم   جس طرف ہاتھ بڑھیں کفر کے ہٹ جائیں قدم
جس جگہ پاؤں رکھے سجدہ کریں لات و ہبل

گو بہت پاس ادب کی رہی مجھ پر تنبیہہ   کہ نہ ہو نعت نبی میں کوئی بے جا توجیہ
جوش مستی میں مگر مجھ کو یہ سوجھی تشبیہ   تیری تشبیہ کا ہے آئینہ خانہ تنزیہ
شان بیرنگیٔ مطلق ہے تجھے رنگ محل

آپ کی ذات مبارک سے شریعت کا مقام   اہل تقویٰ کے لئے ہے وہ طریقت کا مقام
اہل عرفاں کو طریقت ہے حقیقت کا مقام   ہے حقیقت کو مجاز آپ کا حیرت کا مقام
بے نیازی کو نیاز آپ کا نازش کا محل

جو کہا آپ نے منہ سے نہ کہا غیر خدا   جو سنا آپ نے ہرگز نہ سنا غیر خدا
کوئی عالم میں نہ مطلوب ہوا غیر خدا   ہو سکا ہے کہیں محبوب خدا غیر خدا
اک ذرا دیکھ سمجھ کر مری چشم احول

اہل عالم کے دلوں پر تھا اندھیرے کا غلاف   رنگ عصیاں سے نہ تھا ایک بھی آئینہ صاف
علم عرفاں میں ہر اک قوم کو تھا لاف گزاف   رفع ہونے کا نہ تھا وحدت و کثرت کا خلاف
میم احمد نے کیا آکے یہ قصّہ فیصل

صاف ظاہر کیے دیتی ہے خبر دال دوئی   عبد و معبود کی فارق ہے مگر دال دوئی
میں نہیں کہتا کہیں اہل نظر دال دوئی   نظر آئے مجھے احمد میں اگر دال دوئی
روز محشر ہوں الٰہی میری آنکھیں احول

شعر گوئی میں جو مشّاق ہے موّاجی طبع   دل حاسد پہ بہت شاق ہے موّاجی طبع
فیض سے نعت کے براق ہے موّاجی طبع   پھر اسی طرز کی مشّاق ہے موّاجی طبع
کہ ہے اس بحر میں اک قافیہ اچھا بادل

ہند سے آج قسم کھا کے ہے اٹھا بادل   ظلمت کفر سے ہے پاک مصفّا بادل
میکدہ چھوڑ کے کعبہ کو ہے جاتا بادل   کیا جھکا کعبہ کی جانب کو ہے قبلہ بادل
سجدہ کرتا ہے سوئے یثرب و بطحا بادل

تھا کسی وقت میں یہ والہ و دیوانہ برج   مست تھا بادۂ الفت سے یہ مستانہ برج
اب ہدایت جو ہوئی ہو گیا بیگانہ برج   چھوڑ کر میکدہ ہندو صنمخانہ برج
آج کعبہ میں بچھائے ہے مصلّا بادل

شب معراج میں جبریل مقرّب آیا   سیر کو ایک فرس حور شمائل پایا
وہ گیا وقت مگر ابر نے دھوکا کھایا   سبزہ چرخ کو اندھیاری لگا کر لایا
شہسوار عربی کے لئے کالا بادل

آپ سے پہلے ہوئے حضرت عیسیٰؑ و کلیمؑ نہ تو وہ شافع محشر نہ وہ کوثر کے قسیم
اب ہوا اور نہ ہو مادر گیتی ہے عقیم بحر امکاں میں رسول عربی دُرِّ یتیم
رحمت خاص خداوند تعالیٰ بادل

جادۂ راہ الٰہی ہے رہ کوئے حضور نور قندیل فلک روشنی روئے حضور
طائر سدرہ ہے محو قد دل جوئے حضور قبلۂ اہل نظر کعبہ ابروئے حضور
موئے سر قبلہ کو گھیرے ہوئے کالا بادل

جان رشک رخ پُرنور میں کھوتی ہے برق پُرکف پا کے مقابل نہیں ہوتی ہے برق
آبرو اپنی اسی غم میں ڈبوتی ہے برق رشک سے شعلۂ رخسار کے روتی ہے برق
برق کے منہ پہ ہے رکھے ہوئے پلّا بادل

دہن پاک میں ہے آب بقا کی لذت اور ہونٹوں میں گل باغ جناں کی رنگت
ان کی انفاس میں آیات شفا کی برکت دور پہونچی لب جاں بخش نبی کی شہرت
سن ذرا کہتے ہیں کیا حضرت عیسیٰؑ بادل

ہیں دُرِ قصر ارم ان کے مقابل میں خفیف گوہر انجم افلاک نہیں ایسے لطیف
دُرِّ شہوار کی تمثیل ہے تمثیل ضعیف چشم انصاف سے دیکھ آپ کے دندان شریف
دُرِّ یکتا ہے ترا گرچہ یگانہ بادل

بالیقیں آپ ہوئے فخر ملک فخر بشر آپ کو حق نے کیا دونوں جہاں کا سرور
مرجع اہل سماوات ہے ذات اطہر تھا بندھا تار فرشتوں کا در اقدس پر
شب معراج میں تھا عرش معلی بادل

شب معراج میں اللہ نے ہو کر مشتاق بھیجا رہوار کہ تھا خوبی و رفتار میں طاق
نہ رہا طالب و مطلوب میں کچھ وہم فراق آمد و رفت میں تھا ہم قدم برق براق
مرغزار چمن عالم بالا بادل

کوئی اب تک نہ ہوا اور نہ ہو گا ایسا تو نے معراج میں دیدار خدا کا دیکھا
غلغلہ چرخ بریں پر تری رفعت کا ہوا ہفت اقلیم میں اس دیں کا بجایا ڈنکا
تھا تری عام رسالت کا گرجتا بادل

باغ امکاں ہے ترے فیض قدم سے چمکا   بحرِ عرفاں ترے انوار کرم سے چمکا
نورِ ایماں ترے اخلاقِ اتم سے چمکا   دینِ اسلام تری تیغِ دو دم سے چمکا
یا اٹھا قبلہ سے دیتا ہوا کاندھا بادل

الفت روضۂ پُرنور میں یہ نقشہ ہے   گرد پھر پھر کے تصدّق یہ ہوا کرتا ہے
شوقِ دیدار میں بے خود ہے تعجب کیا ہے   آستانے کا ترے دہر میں وہ رہتا ہے
کہ جو نکلا تو جھکائے ہوئے کاندھا بادل

تیری رحمت ہے تیری شہرت عادل کی طرح   تیرے انوار ہیں تاباں مہ کامل کی طرح
تو یمِ فیض ہے در ہے ترا ساحل کی طرح   تو وہ فیاض ہے در پہ ترے سائل کی طرح
فلکِ پیر کو لایا دیے کاندھا بادل

ہے دلِ پاک نبی بارگہِ لم یزلی   ہے زباں قفلِ درِ رحمتِ حق کی کنجی
دانت ہیں گوہرِ گنجینۂ اسرارِ خفی   تیغ میدانِ شجاعت میں چمکتی بجلی
ہاتھ گلزارِ سخاوت میں برستا بادل

خرمنِ دشمنِ اسلام میں اک آگ لگی   مومنوں کے چمنِ دیں میں ہوئی سرسبزی
ذاتِ پاکِ نبوی کی ہے یہ سب بوالعجبی   تیغ میدانِ شجاعت میں چمکتی بجلی
ہاتھ گلزارِ سخاوت میں برستا بادل

کر چکا طوفِ صنم ختم ہوئی گردشِ دہر   صدقۂ نعت سے رعنا کا ہے انجام بخیر
کوئی صورت نہیں بخشش کی شفاعت کے بغیر   محسن اب کیجئے گلزارِ حاجات کی سیر
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل

کب ہوئی نعت ادا لاکھ مچائی ہلچل   اے مری طبعِ رواں دیکھ ذرا دیکھ سنبھل
عرض مطلع وہ کروں جو کہے اے نورِ ازل   سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصّل کا یہی ہے مجمل

ہو مرے حال پہ مبذول جو فیضِ عالی   کشتِ عصیاں کی نہ کس طرح سے ہو پامالی
طبعِ رنگیں نہ رہے عشق میں کیوں متوالی   ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیرے خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

قبر کا خوف نہ اندیشۂ عقبیٰ ہو مجھے نہ کسی نعمت دنیا کی تمنا ہو مجھے
اک ترا ذکر تری نعت وظیفہ ہو مجھے دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
صرف تیرا ہی بھروسا تری قوت ترا بل

قدرت حق سے ہو جب تک فلک اخضر سبز فیض باراں سے رہے باغ کا ہر منظر سبز
شاخ گل سدرہ و طوبیٰ سے بھی ہو بڑھ کر سبز ہو مرا ریشۂ امید وہ نخل سر سبز
جسکی ہر شاخ میں ہوں پھول ہر اک پھول میں پھل

عیش دنیا کا نہ ارمان رہے تادم مرگ اک تری نعت کا سامان رہے تادم مرگ
عشق تیرا مرا عنوان رہے تادم مرگ آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تادم مرگ
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

شب یلدا کا مجھے ڈر نہ خیال شب قدر نہ کسی شکل کی خواہش کہ جو ہو صورت بدر
آرزو ہے دم مردن نہو شیطان کا عذر نام احمد بہ زباں سر بلا میم بصدر
لب پہ ہو صلّ علیٰ دل میں مرے عزّو جل

جرم عصیاں کے لئے تیری شفاعت ہو کفیل آب تسنیم پلائیں مجھے حوران جمیل
ہو ترا شوق زیارت مری بخشش کی سبیل روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل
کہ مری جان مدینہ کو جو چلتی ہے تو چل

ہر گھڑی دل میں تصور رہے صورت کا ترے میرا ہمدرد رہے درد محبت کا ترے
فکر عقبیٰ میں سہارا ہو عنایت کا ترے دم مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا ترے
فکر فردا کی نہ کر دیکھ لیا جائے گا کل

موت الفت میں تری دولت و نعمت ہو مجھے نام سکرات ہے جس کا وہی راحت ہو مجھے
داغ رنج و مصیبت تری صورت ہو مجھے یاد آئینہ رخسار سے حیرت ہو مجھے
گوشۂ قبر نظر آئے مجھے شیش محل

ملک الموت کہیں خلد مقرر ہے ترا بارگاہ شہ لولاک پہ بستر ہے ترا
داور روز جزا حامی و یاور ہے ترا میزباں بن کے نکیرین کہیں گھر ہے ترا
نہ اٹھانا کوئی تکلیف نہ ہونا بیکل

یہی حسرت یہی ارمان رہے بعد فنا　اس تمنا میں مری جان رہے بعد فنا
نور ایماں شہ ذیشاں رہے بعد فنا　رخ انور کا ترے دھیان رہے بعد فنا
مرے ہمراہ چلے راہ عدم میں مشعل

ہو مرے سر پہ ترا سایۂ دامان شریف　ترے صدقے سے ملے خلد میں اک قصر لطیف
نہ جلے آتش دوزخ سے مرا جسم نحیف　حذف ہوں میرے گناہان ثقیل اور خفیف
آئیں میزاں میں جب افعال صحیح و مختل

کر دیا کثرت عصیاں نے مرے دل کو تباہ　اب منور ترے انوار سے ہو صورت ماہ
مرے عصیاں کو ملے حسن شفاعت یا شاہ　میری شامت سے ہو آراستہ گیسوئے سیاہ
عارض شاہد محشر ہو اگر حسن عمل

تو نے پایا ہے عجب رتبہ والا مدّاح　سچ تو یہ ہے کوئی تجھ سا بھی نہ ہوگا مدّاح
دیکھ کر مجھ کو ملائک کہیں آیا مدّاح　صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

اہل محشر کی زباں پر ہو رواں بسم اللہ　حور و غلماں کے بھی ہو ورد زباں بسم اللہ
کیجئے نعت پیمبر کا بیاں بسم اللہ　کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

معراج نامہ

شاعر لچھمی نرائن شفیق

بازیافت :۔ شفقت رضوی

لچھمی نرائن نام شفیق اور صاحب تخلّص، ۲ صفر ۱۱۵۸ھ کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے ان کے والد منسارام تھے جن کے جد بزرگوار بھوانی داس لاہور کے رہنے والے تھے۔ عالمگیر کے لشکر میں ملازمت اختیار کی اور اسی کے ساتھ اورنگ آباد آگئے تھے۔ وہیں باقی زندگی گزاری۔ بھوانی داس ذات کے کھتری کپور تھے۔ ان کے جد متوسط منسارام کی ولادت بھی اورنگ آباد میں ہوئی۔ منسارام دس برس کے تھے کہ ان کے والد فوت ہو گئے۔ انھی کی قوم کے ایک بزرگ لالہ جسونت رائے نے منسارام کو اپنے ساتھ سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ لالہ نے انھیں تعلیم دلائی۔ انھیں نواب آصف جاہ غفراں پناہ کے زمانہ میں چھ صوبوں کا پیش کار مقرر کیا گیا۔ منسارام نے چالیس برس یہ خدمت ایمانداری اور وفاداری سے انجام دی۔ جناب میر غلام علی آزاد بلگرامی اس دور کے جیّد عالم تھے انھوں نے بھی اورنگ آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی منسارام کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ مولانا آزاد علی گڑھ کی سعی و سفارش سے نواب صمصام الدولہ نے انھیں منصب سے سرفراز کیا تھا۔ بعد میں وہ بخش الملک کے پیش کار بھی رہے۔ مسلمان بادشاہوں سے توسّل پر اسوخت خاندان کو فخر رہا۔ منسارام اپنے نام کے ساتھ آصف جاہی، اپنے والد کے نام کے ساتھ غازی الدین خانی اور دادا بال کشن کے نام کے ساتھ عابد خانی لکھا کرتے تھے۔ منسارام کی ایک تصنیف "دربار آصفی" ہے جس میں آصف جاہ روی کے دور کے حالات اور قوانین کے علاوہ ان کے حسن انتظام کی تعریف و توصیف بھی ہے

لچھمی نرائن نے ابتدائی تعلیم عبدالقادر مہربانی سے حاصل بعد میں مولانا آزاد بلگرامی کی شاگردی اختیار کی۔ انھیں کے فیض سے صاحب استعداد ہوئے۔ سترّہ برس کی عمر میں جملہ علوم میں طاق ہوئے۔ عربی، فارسی، صرف و نحو اور انشاء میں خاص اہلیت پیدا کرلی زبان فارسی میں اردو شعراء کا "تذکرہ" "چمنستانی شعرا" ۱۸ برس کی عمر میں مکمل کیا۔ شاعری "سخن سنجی، سخن فہمی، شعرگوئی اور تاریک گوئی میں مولانا آزاد کے فیض سے ملکہ حاصل کیا۔ مولانا آزاد بھی ان کے حال پر شفقت فرماتے تھے۔ شفیق نے اکثر فارسی اشعار میں اپنے استاد کا ذکر کمال عقیدت سے کیا ہے۔ چنانچہ ان کی شان میں کہا ہے۔

لا مکاں است مقام آزاد فوق عرش است خرام آزاد

سبحہ گرداں زکواکب ہر شب ملک رہبر است بنام آزاد

در گلستان جہاں برگل و خار مور رحمت عالم آزاد

جدّ او ساقیٔ کوثر باشد آب خضراست بجام آزاد

اے خداوند جہاں باد مدام ساغر عیش بکام آزاد

صاحب ہر دو جہاں ست شفیق ہرکہ گردید غلام آزاد

لچھمی نرائن ابتدائے مشق سخن کے دوران صاحبؔ تخلّص کرتے تھے۔ حضرت آزاد نے انھیں تخلّص شفیق مرحمت فرمایا۔ لچھمی نرائن نے اردو میں صاحب تخلّص برقرار رکھا فارسی میں شفیق تخلّص کرنے لگے۔ مرحمت تخلص کے بارے میں انہوں نے کہا ہے

حضرت فیض بخش آزاد کردند مرا تخلّص انعام

گفتم تاریخ ایں عنایت "امداد شفیق شد مرا نام"

آخر مصرعہ کے اعداد ۱۱۷۶ ہیں۔ اسی سال حضرت آزاد نے ان کا تخلّص شفیق قرار دیا تھا۔ ان کی تصانیف میں چمنستان شعرا کے علاوہ مآثر آصفی، مآثر حیدری، تذکرۂ گل رعنا، تذکرۂ شام غریباں، بساط الغنائم، مراۃ الہند، تخلستان، تذکرۂ بابا گرونانک شامل ہیں ان میں سے بیشتر تاحال طباعت و اشاعت سے محروم ہیں۔ شفیق کا رجحان اردو کی نسبت فارسی کی طرف زیادہ رہا۔ ان کی تصانیف فارسی میں ہیں اور کلام کا بڑا حصہ بھی فارسی میں ہے۔ اپنے دور کے ادبی تقاضوں کے مدّ نظر انہوں نے اردو میں بھی شاعری کی۔ ان کا زمانہ ولی کے بعد کا ہے وہ سراج اورنگ آبادی (۱۱۲۴ھ تا ۱۱۷۷ھ) آبادی کے (جونیئر) معاصر اور اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ مہ لقابائی (۱۱۸۱ھ تا ۱۲۴۰ھ) کے سینئر معاصر تھے۔ انہوں نے ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ شفیق وسیع المشرب تھے۔ حضرت آزاد کی صحبت میں اسلام اور شعائر اسلام سے واقفیت حاصل ہوئی تھی۔ اسی ذریعہ نے ان کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عقیدت اور احترام کے جذبات کو جگایا تھا اس کا نتیجہ ان کا طویل معراج نامہ ہے۔ اسے اس موضوع پر کسی غیر مسلم کی پہلی کوشش کہا جا سکتا ہے۔ معراج نامہ پر تبصرہ کرتے ہوئے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے لکھا ہے۔

"یہاں ہم ان کا معراج نامہ نقل کرتے ہیں جو اتفاقاً ہمارے ہاتھ آگیا۔ اگرچہ شاعری اور خیالات کے لحاظ سے اس میں کوئی خاص بات نہیں لیکن یہ اس زمانہ کا رنگ دکھاتا ہے جب

ہندو مسلمان یک رنگ اور ہم خیال تھے اور آپس میں یہ اجنبیت نہ تھی جو آج کل نظر آتی ہے"۔

(رسالہ ماہی اردو' اورنگ آباد ۱۹۲۷ء)

بابائے اردو کی رائے کے برخلاف افسر امروہوی دکنی میں لکھے گئے معراج ناموں کا ذکر کرتے ہوئے اس معراج نامہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

"چوتھا معراج نامہ صاحب اورنگ آبادی کا ہے جن کا نام بچھی نرائن تھا۔ وہ شفیق بھی تخلّص کرتے تھے بڑے عالم فاضل استاد اور قادر الکلام شاعر گذرے ہیں۔ اس معراج نامہ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ایک غیر مسلم شاعر کا لکھا ہوا ہے۔ الفاظ کے انتخاب مصرعوں کی برجستگی اور زبان کی صفائی دیکھنے کے لائق ہے۔ شب معراج کی کیفیت کتنے پیارے الفاظ میں بیان کی ہے"

(رسالہ سیّارہ ڈائجسٹ رسول نمبر۲: ص ۴۸۳)

ان آرا کو ذہن میں رکھتے ہوئے معراج نامہ کا مطالعہ فرمایئے اور اپنی رائے خود متعین کیجئے۔

در بیان معراج صاحب درۃ التاج

تصنیف

لچھمی نرائن صاحب تخلّص

اے مطرب مبارک باد کو ہوگا — کہ ہے یہاں وصل کی شب کا چرچا

طنبورے کے ملا اس طور سے تار — کہ فرق تال و سُر اُٹھ جائے یک بار

عجائب رات تھی او نور افشاں — کہ ہر کوکب تھا یک مہر درخشاں

کہوں گر رات اس کو ہے تامل — کہوں گر دن تو عالم میں پڑے غلُ

نہ تھی وو رات اور دن بھی نہاں تھا — میان روز و شب اور ہی سماں تھا

عجب کچھ نور تھا عرش بریں پر — قیامت نور تھا فرش زمیں پر

غلط میں نے کہا استغفر اللہ — زمیں کے تحت بھی تھی نور کو راہ

زمین و آسماں پر یہ زمانہ — بنا تھا نور حق کا ایک دانہ

غرض یہ ہفت سیّار و ثوابت — ہزاروں پھر کر کر کے محنت

لے آوے وو گھڑی اور ایسے اوقات — کہ وہاں اوقات کی ہرگز نہ تھی بات

یہی کہتا تھا وقت نور افشاں — کہ ہے ذرّہ یہاں کا مہر رخشاں

لفظ کہنے کو تھا خورشید ناپید — سراسر آسماں تھا جرم خورشید

سمج مت خلق کو اس رات تھا خواب — نہیں تھا دیدۂ عالم کے تئیں تاب

کہ ایسا نور نظارے میں لاوے — کثیف اصلاً لطافت کو نہ پاوے

نظر ہوتی ہے خیرہ برق کو دیکھ — پھر اُس میں اور اِس میں فرق کو دیکھ

غرض غفلت سیوں پر چھا رہی تھی — خرد داروئے حیرت کھا رہی تھی

سفیر نیک یہ پیغام لایا — سلام حق کہا اور یہ سنایا

در حجرہ پہ وو آجوڑ کرہات — کہا سرورؐ ترے پر حق کے صلوات

خدا کی ذات خواہش سے بری ہے — سو اس نے بھی تری خواہش کری ہے

چل اُٹھ، اے شہ کہ ہے معراج تیرا — غنی بھی آج ہے محتاج تیرا
خدائی ساری جوں دلہن بنی ہے — ظہور عشق کی سب روشنی ہے
زباں پر قدسیوں کی ہے یہ چَد نَد — خدا عاشق ہے، شاہد ہے محمدؐ
زمیں و آسماں سب نور ہی نور — جدھر دیکھئے ہے نور بھرپور
منور ہو رہے ہیں آٹھوں جنت — ہوئی دونوں جہاں کو زیب و زینت
ملائک تک رہے ہیں سب تری راہ — سبھی ہیں قدسیاں تیرے ہوا خواہ
کھڑے ہیں انبیاء سب باندھ کر صف — لئے ہیں عہدے سب خدمت کے برکف
در دولت پہ ہے باسازو و ساماں — سواری کو براق برق جولاں
خیال اور یہ گماں اور وہم یہ فکر — ہیں چاروں نعل اس کے کیا کروں ذکر
نہایت خوش عناں اس کو کہئے ہیں — ارادے کو لگام اس کو دیئے ہیں
دم گرم اس کے ہے بجلی کی ایجاد — دہن کے کف سے ہے تاروں کی بنیاد
ٹپکتے ہیں عرق کے بوند جس دم — شہاب اس کے تئیں کہتے ہیں عالم
نہ ہو جب اب توقف کے روادار — کہ ہے گا منتظر خلاقؔ داوار
پیمبر وہیں اٹھا بستر سے چالاک — سوار اسپ ہو جستے سے بے باک
پلک کے مارتے اقصیٰ کو پہنچے — وہاں سے عالم بالا کو پہنچے
قمر کوں چرخ اول لا کے نزدیک — کہا اس کے بھی کانسے میں ملی بھیک
کہے حضرت مثال شمس انور — کئے ماہائے قمری ہم مقرر
برائے معجزہ یہ شق ہوا ہے — ہماری ضرب سینے پر لیا ہے
قمر نے تب کہا اے شاہ شاہاں — مرے سے برطرف ہو نقص نقصاں
کہے حضرت تو ہے ہر چرخ دنیا — کہ یہاں لازم ہے گھٹنا اور بڑھانا
ولے بخشی ترے تئیں ہم نے عزت — ترے پر منحصر راکھی عبادت
تیرے تئیں دیکھ روزہ کو دھریں گے — ترے تئیں دیکھ کر عیدیں کریں گے

کبھی دو دن نہ دیکھیں گے جو تجکو کو بہت ڈھونڈھیں گے بدلی میں وو تجکو

قمر ہو خم، کیا تسلیم اس دم ہلال اندر وہی ہے اب تلک خم

وہاں سے چرخ دوم پر کئے عزم عطارد قصد خدمت کو کیا جزم

محرّر ہوں مجھے امداد کچھ ہو کتابت وحی کی ارشاد کچھ ہو

کہے حضرت نے اس کو اے ہنرور رسالت ہو گئی ہے ختم مجھ پر

وحی کا بھی سرشتہ کوئی ہے دن کٹے گی زندگی کیوں مشغلہ بن

میں تجکو دفتر کونین بخشا ابد تک جمع و خرچ عین بخشا

عطارد رہ گیا تسلیم کو کر سواری گزری چرخ سیوم میں پر

وہاں زہرہ خوشی سے ناچتی ہے فلک کے دائرے کو باجتی ہے

ادا سے سامنے حضرت کے آئی قدم بوسی کو کر سر کو جھکائی

ہوا ارشاد تو دنیا کے اندر تمامی شب دکھا مت روے انور

سحر کو کوئی دم یا شام کے تئیں نمود اپنا کیا کر نام کے تئیں

حیا زن کو بجائے جان کے ہے حیا بھی شرط سے ایمان کے ہے

یہ تنقیس پا کے زہرہ وہاں سے آئی خوشی کر گھر میں گائی اور بجائی

گئی جب چرخِ چارم پر سواری ہوئی خورشید کے تئیں بے قراری

وہی دوڑا سر اپنے کو قدم کر قیامت تک ہوا روشن منور

کہے حضرت نے تجکو کچھ خبر ہے قیامت ترے ہی پر منحصر ہے

تجھے طالع کریں گے غرب سے ہم ہمارا سایہ ترے سر پہ قایم

وہی خورشید کو اب تک خطر ہے سفر مغرب کا اس کو ہر سحر ہے

وہی ڈر ایک دن مغرب کو کر یاد پھرا حضرت علیؓ کا سن کو ارشاد

مسیحا پیشوا تشریف کو لا کہے میری شفاعت ہوئی مولا

وہاں سے چرخ پنجم پر جب آئے — کئے مرّیخ کی یاد اور بلائے

کہے تجکو کیا مردوں کا سردار — دلیروں کا جہاں میں رہ مددگار

سنا حضرت سے جب حرف بحالی — تبی مرّیخ کے منہ پر ہے لالی

عنایت کا جو مژدہ پا رہا ہے — اوسی شادی سے منگل گارہا ہے

کئے جب چرخ ششم پر سواری — وہاں تو مشتری کی پہنچی باری

اسے ارشاد ایسا کچھ کئے ہیں — تجھے جوہر سعادت کادئے ہیں

وہیں برجیس آداب عنایت — بجا لاکر ہوے اس جا سے رخصت

سواری چرخ ہفتم پر کئے جب — زحل کی منزلت والا ہوئی تب

زحل نے آکے سجدہ کر کیا عرض — سیہ رو کیا کرے اب مدّعا عرض

مخاطب ہو کہے اس کو اے کیواں — کہ ہے ظلمات اندر آبِ حیواں

بلندی پر زحل اپنی مبا ہی — کہ رنگے نیست بالائے سیاہی

وہاں سے چرخ ہشتم پر گذر کر — کئے جرم ثوابت کو منوّر

ثوابت کو کروں کس طور اظہار — کہ ہے تاروں کی گنتی کارِ دشوار

یہاں آخر ثوابت کا ہے قصّہ — ملا ہریک کو قدر حال حصّہ

قدم وہاں سے کئے عرش بریں پر — کھلا چرخ نہم نے پاؤں پر سر

کہا بارا اماموں کا فدا ہوں — بنا بارا وری میں نے کیا ہوں

کئے جب عرش کے آگے تو بّراق — وہاں روح الامینؑ بھی رہ گئے طاق

رہے جبرئیلؑ بھی رَف رَف کے رو میں — کہ میکائیلؑ تھے وہاں سے جلو میں

اوسی میدان میں روکا شیر نے رہ — کہا کچھ بھی عنایت ہوئے رسللہ

وہاں انگشتری اپنی دئے ہیں — کہ اپنا مہر دار اس کو کئے ہیں

کہوں میں لامکاں کی کس طرح بات — وہاں سے سب رہے اور اوگئے ذات

بیاں سے بات یہاں کی کچھ بروں ہے
مری کیا طاقت اور کیا بجگوں موں ہے

سرا پردہ سے نکلا ھات ایدھر
کہ جس میں وو انگشتر تھی خوشتر

بہم شیر و برنج اوس سات کھائے
چشک امت لئے اس کو لے آئے

گئے اور آئے اس عرصہ کے اندر
کہ کچھ باقی تھی یاں گرمی بستر

یہ نقطہ زیر ہے جب تک جدا ہے
گیا جس وقت بالا پھر خدا ہے

اے صاحب قفل کر درج دہاں کو
نکال اب مت دُرِ رازِ نہاں کو

حقیقت یہ بہت مشکل ہے پانا
ملّوث ہو رہا ہے یہ زمانہ

حسد ہے بغض ہے، کینہ ، عداوت
رعونت کبر ہے، رشک اور شقاقت

انانیت یہاں رکھتی نہیں بار
یہاں ہے نیستی سے ہی سروکار

یہ شکر مل رہی ہے ریت کے بیچ
اور اوس میں مل رہا ہے بھوت سا کیچ

شکر حاتی سے یہ کھائی نہ جاوے
کہ اوس کے دانتوں میں کرکرھی آوے

جو کوئی چیٹی[1] بنے شکر کو کھاوے
وہی تب ریت اور شکر کو پاوے

نبیؐ تیرا ثناء خواں ہوں کرم کر
غریقِ بحرِ عصیاں ہوں کرم کر

مری دونوں جہاں میں آبرو رکھ
سر اوپر میرے اپنا ھات تو رکھ

ارے صاحب تجھے ہے کیا لیاقت
زباں رکھتی ہے تیری کیا طلاقت

سر توحید کو ہر چند ہے جوش
پر اے کم حوصلے خاموش خاموش

اے بے ہودہ بک بک کو کم کر
کہاں عالم ہے ان باتوں کا محرم

حقیقت کا سخن مستور کر تو
مجازی کا ذرا مذکور کر تو

سخن پر کاملوں کے کان تو دھر
نصیحت پر علیؓ کی اب عمل کر

زفہم مستمع ایں حرف دور است
سخن بے رنگ شد رنگش ضرور است

بطرز مولوی آہنگ بردار
حدیث دیگراں کُن پردۂ تار

تو بردار واز آواز بگذر
بدل ناخن زن واز ساز بگذر

(1) چیونٹی

شاعر : ممنونؔ، میر نظام الدین

بازیافت : شفقت رضوی

میر نظام الدین نام، ممنون تخلص، والد ان کے میر قمرالدین منت تھے۔ اجداد سونی پت کے رہنے والے تھے مگر ممنون دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشوونما پائی۔ اکبر شاہ ثانی (عہد ۱۸۰۶ء تا ۱۸۳۷ء) نے فخرالشعراء کے خطاب سے نوازا تھا۔ وہ اجمیر میں بحیثیت صدرالصدور مقرر رہے۔ ۱۲۶۰ھ میں بمقام دہلی انتقال کیا۔ نہایت قابل اور صاحب علم تھے۔ ان کے شاگردوں میں مفتی صدرالدین آزردہ اور دیگر مشہور لوگ گزرے ہیں۔ نہایت قادر الکلام شاعر تھے۔ ایک ہی زمین میں طبع آزمائی کرتے تو کوئی قافیہ نہ چھوڑتے۔ کثیر اشعار کی غزلیں ان سے یادگار ہیں۔ یہی حال ان کی نعتوں کا ہے۔

اگر تھا دلبر یعقوب ماہ کنعانی
مہ حجاز مرا ہے حبیب یزدانی

جو ذکر حفظ ہو اوس کا تو بزم میں گلگیر
گلوے شمع کی خاطر کرے گریبانی

صحاح جود میں اوس کی نعت نویس قضا
لکھے ہے ترجمہ لفظ "کرم" فراوانی

اگر وہ دست سخا شانہ کش ہو کیا ممکن
کہ رہوے کاکل افلاس میں پریشانی

گدا جو اوس کی گلی کا ہے نقش پا سے کم
نظر میں اس کی ہے اکلیل فرق سلطانی

اوسی کے لطف سے بچ جائے موج حادثہ میں
اگر سفینۂ نوحؑ نبی ہو طوفانی

گر آئے ظل حمایت میں اس کی یک پر کاہ
کرے مثال عصائے کلیم ثعبانی

پناہ اوس در دولت پہ لے جو مور ضعیف
نظر سے اوس کی گرے حشمت سلیمانی

کرے وہ دست شفاعت جو مثل مشاطہ
سیاہ روئی عصیاں پہ غازہ افشانی

ہوا ہے ولولہ انداز دل میں شوق خطاب
ہوئی گدا کو ہوائے حضور سلطانی

عرب جو تو ہے یہ اس میں ہے رمز پنہانی
کہ عین رب ہے تو اے فخر انسی و جانی

جمال حق کا جھمکڑا ترے جمال میں ہے
مثال آئنہ پہ مجھ کو یہی ہے حیرانی

نگاہ تیری ہی طاقت پہ کیوں نہ کی اس نے
جو حق سے تھا ارنی گو، کلیم عمرانی

تجھے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں
کہ تیری مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

کہوں ہوں اشہد ان لا الہ الا اللہ
کہ تو ہے مثل احد لاشریک و لاثانی

نہ تھا وجوب تو کیا تھا کہ تو وہاں پہنچا
نہ گرد تھی ترے دامن کے گرد امکانی

شہا طفیل سے ترے ہی خوانِ ہستی پر — قضا نے کی ہے سب اہل جہاں کی مہمانی
تری کتاب ہے اُمّ العلوم اُمّی کیوں — نہ ہو خطاب ترا اے رسول یزدانی
طیور تیرے گلستان علم کے جس دم — کریں زبور حقائق کی زمزمہ خوانی
مقام دان معارف جو ہیں سو پھر مسموع — کریں نہ حضرت داؤد کی خوش الحانی
اُمم نواز رسول و جہاں پناہ شہا — تری ثنا میں ہے ممنوں مقرّ نادانی
وہ اس مقام پہ ہرگز نہیں سمجھتا ہے — کہ کیا ہے طرز سخن گوئی و سخن دانی
ترے ہی لطف سے امیدوار ہے کہ ذرا — خطائے لفظ و معانی سے کر نگہبانی
زبان ہر سرِمُو تن پہ ہو اگر گویا — ادا نہ ہووے ترا شمّۂ ثنا خوانی
نہیں ہے مدح تری حد کلک و عہدۂ نطق — تری جناب میں کافی ہے مدح یزدانی
کہاں مجال ثنا عرض حال کا ہے وقت — سن اے کہ ملک کرم کی تجھے جہاں بانی
دل سیہ سے مرے یوں ہے نور تقویٰ دور — کہ روئے کفر سے جوں پرتو مسلمانی
نسیم فیض جو تری چلے تو اٹھ جائیں — پڑے ہوئے ہیں جو دل پر حجاب ظلمانی
مثال جامہ ہے جان اپنی گرد آلودہ — تمام دامن دل پر ہیں داغ عصیانی
یہاں وفور گنہ ہے پر آسرا ہے یہ — کہ سب سے تیری شفاعت کو ہے فراوانی
امید تیری شفاعت کی جس کو محکم ہے — کچھ اوس کا کم نہیں طاعت سے ناز عصیانی
تمام مایۂ عمر عزیز صد افسوس — ہوا ہے مفت ہی میں دست برد نادانی
کروں ہوں ختم دعا پر قصیدہ اب ممنوں — یہ وہ دعا ہے جسے لازم قبول یزدانی
مثال دست کرم آفتابِ عالم تاب — کرے ہے خاک پہ جس آن تک زر افشانی
ہمیشہ دست سخا کے ترے حضور شہا — رہے سپہر و زمیں کی کشادہ پیشانی

(اقتباس)

شاعر : زیبا، پنڈت برج موہن لال تکو

بازیافت : شفقت رضوی

برج موہن لال نام، زیبا تخلص، اصلاً" برہمن، نسلاً" کشمیری۔ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ کرسچین کالج لاہور سے ایم۔ اے کیا۔ ہندو سبھائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔

موجودہ صدی کی دوسری دہائی کے نصف آخر میں ایک گلدستہ "سخن سنج" لکھنؤ سے جاری ہوا تھا۔ اس کی جلد اول کا آغاز جنوری ۱۹۱۷ء سے ہوا۔ یہ سہ ماہی گلدستہ تھا ہماری نظر سے پہلے سال کے چار شمارے نہیں گزرے لیکن دوسری، تیسری، چوتھی جلد کے ۱۲ شماروں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اس کے مدیر اور مہتمم حکیم سراج الحق تھے جو مولانا عبدالحلیم شرر کے رفیق کار اور ان کے رسالہ دلگداز کے مینجر بھی تھے۔ سخن سنج کو بھی مولانا شرر کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس میں حصہ نثر بھی ہوتا تھا۔ متذکرہ شمارہ میں صرف مولانا شرر اور مدیر گلدستہ حکیم سراج الحق کے ہی مضامین شائع ہوتے تھے۔

گلدستہ سخن سنج عام نوعیت کا تھا زیادہ تر غیر طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ کبھی کبھار نعت سے بھی اس کی زینت ہوتی۔ جنوری ۱۹۱۹ء اور جولائی ۱۹۲۰ء میں مولانا ظفر علی خاں کی نعتیں شائع ہوئی تھیں۔ جنوری ۱۹۲۰ء کے شمارے میں پنڈت برج موہن لال تکو زیبا کی بھی ایک نعت اشاعت پذیر ہوئی جو یہاں درج کی جاتی ہے۔

محبت سب کو دامن گیر ہے حضرت محمدؐ کی
جہاں جاؤ وہاں توقیر ہے حضرت محمدؐ کی

سنا جس نے کلام ان کا ہوا فی القدر شیدائی
مؤثر اس قدر تقریر ہے حضرت محمدؐ کی

شجاعت، بردباری، دردِ دل، پاکیزگی، نیکی
کھنچی ان پانچ میں تصویر ہے حضرت محمدؐ کی

رسولِ کبریا کا نام لیتے ہیں عنادل بھی
ثنا ہر برگ پر تحریر ہے حضرت محمدؐ کی

زباں کچھ کہہ نہیں سکتی قلم کچھ لکھ نہیں سکتا
کلیجے پر کھنچی تصویر ہے حضرت محمدؐ کی

اٹھا کر پردۂ ظلمت دکھا دی روشنی سب کو
سوا خورشید سے تنویر ہے حضرت محمدؐ کی

کُھے سر پر رکھیں گا ہے رکھیں آنکھوں پہ اے زیبا
ہمیں تو خاکِ پا اکسیر ہے حضرت محمدؐ کی

شاعر : گلزار دہلوی

بازیافت : شفقت رضوی

پنڈت آنند موہن زتشی نام، ۷؍ جولائی ۱۹۲۶ء کو گلی کشمیریاں بازار، سیتارام دہلی میں پیدا ہوئے۔ کیفی دہلوی اور سائل دہلوی سے مشورہ سخن کیا۔ انجمن تعمیر اردو دہلی کے بانی اور ناظم عمومی ہیں۔

(ماخوذ "العلم" شمارہ ۴ جلد نمبر ۲۷)

سلام بحضور سرکار رسالت مآبؐ

سلام اس پر کہ جس نے بے نواوں کو نوا بخشی
مریض انسانیت کو زندگی بخشی شفا بخشی

سلام اس پر کہ جس نے فطرت انساں بدل ڈالی
بنائے آدمیت حسب پیمان ازل ڈالی

سلام اس پر کہ جس نے بندگی کو خواجگی بخشی
براہیمی گلستاں کو نئی اک تازگی بخشی

سلام اس پر کہ جس نے آمنہ کی گود روشن کی
منور جس سے دنیا ہو گئی بطحا و ایمن کی

سلام اس پر جو بن کر آدمیت کا وقار آیا
سلام اس پر جو بن کر رحمت پروردگار آیا

سلام اس پر جو بن کر حسن رب المشرقین آیا
سلام اس پر جو بن کر عشق رب المغربین آیا

سلام اس پر جو موجودات کا حق کی امیں ٹھہرا
سلام اس پر جو کل عالم میں ختم المرسلیں ٹھہرا

سلام اس پر جو ہو کے حق کا لطف تازہ تر آیا
سلام اس پر جو بن کر آخری پیغامبر آیا

سلام اے رحمت عالم محمد مصطفےٰؐ تجھ پر
سلام اے پیشوائے مرسلان مجتبیٰؐ تجھ پر

رہے اردو چراغ نور کی مانند دنیا میں
دعا گلزار کی اتنی ہے دربار رسالتؐ میں

مدحت

نعت سرور کونین ﷺ

میرے آقاؐ کی ہے شان سب سے الگ
جیسے معیار قرآن سب سے الگ

شان خیر البشر، خاتم الانبیاء
اک پیمبر اک انسان سب سے الگ

شفقتیں بے سبب، رحمتیں بے طلب
ان کی بخشش کا عنوان سب سے الگ

عرش قدموں میں، پیوند پوشاک میں
ہے دو عالم کا سلطان سب سے الگ

ان کو دیکھا نہیں پھر بھی پہچان لیں
میری آنکھوں کا ایمان سب سے الگ

ان کے در کے گدا، سر پہ تاج انا
ہم فقیروں کی پہچان سب سے الگ

نعت لکھتے ہیں دل کی زمینوں میں ہم
شاؔعر اپنا ہے میدان سب سے الگ

شاعر لکھنوی (مرحوم)

○

قیامت کے انتظار میں

جب گرمی تھی
تو دوزخ کا خیال آیا تھا
اب سردی ہے
جہنم میں بھی تو زمہریر ہے
اس نیلی آنکھ میں
سچا وعدہ نہیں
رہبر ملک و قوم
سچا بھی نہیں جھوٹا بھی نہیں
لکھنے والے کا قلم
لکھنے والے سے خائف ہے
زمیں کے فاصلے سمٹ رہے ہیں
آسماں میں شگاف پڑنے والا ہے

ستارے جھڑنے والے ہیں
اور سمندر اُبلنے والے ہیں
اور قبریں شق ہونے والی ہیں
مگر ابھی سورج مغرب سے نہیں نکلا
اور محمدؐ کا حرفِ شفاعت چمک رہا ہے
محمدؐ کی آواز کا مرہم ہمارے زخموں کو اپنے دامن میں لے رہا ہے
مگر اس آواز میں اس جہنم کی وعید بھی ہے
جہاں ہم نہ مریں گے نہ زندہ رہیں گے
ابھی سورج مغرب سے نہیں نکلا
آؤ محمدؐ کے قدموں سے لپٹ جاؤ
سنتے ہیں
کہ ان سے رشتہ سجدہ بن جاتا ہے
سجدہ ---- رب کا سجدہ
جو نجات ہے
جو حیات ہے
سجدہ ---- ایک کائنات ہے
تسلّی کی
تشفّی کی
شفاعت کی

سید محمد ابوالخیر کشفی (کراچی)

نگہبان

عنکبوت کو خبر نہ تھی
کہ جس دہانِ غار پر
وہ اپنے ریشمی مہین تار سے
لطیف چادرِ حجاب تاننے میں محو ہے
وہ کردگار کے پیام کا امین ہے

مجھے یقین ہے
کہ وہ بچانے والا ہاتھ
آج بھی اسی طرح نگاہ دار دین ہے
حیات دشت کار زار ہے
کہاں کہاں نہ وقت نے ہمیں
طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کیا
ہمیں تمام تلخیاں، تمام رنج یاد ہیں
مگر کسے خبر کہ دست بے نشاں نے
ہم کو کون کون سے عذاب سے بچا لیا
سو آج پھر انہی کے نام پر اٹھو
کہ جن کی ذات کے طفیل
تار عنکبوت معجزے کی طرح محترم ہوا
اٹھو کہ نصرت و ظفر
کڑے دنوں کی ابتلا میں کوششوں کا نام ہے
تمہیں خبر نہ ہو مگر
تمہارے ساتھ دست غیب رحمت تمام ہے

ضیا جالندھری

○

دیار پاک شہہ بیکساں سے نسبت ہے
کہاں کی خاک ہوں میں اور کہاں سے نسبت ہے
مرے حبیب کا اک ادنیٰ معجزہ یہ ہے
خدا جو بولتا ہے اس زباں سے نسبت ہے
مرے وجود کی پہنائیوں کا راز نہ پوچھ
مکاں میں رہتے ہوئے لامکاں سے نسبت ہے
وہ جس نے یاد نبیؐ کو بھلادیا، اس کی
خدا گواہ، کہ کار زیاں سے نسبت ہے
مرے لئے ہے بہت معتبر وہ شہر جمال
کہ جس کی خاک کو بھی کہکشاں سے نسبت ہے
ازل ابد کی حدوں کو ملادیا جس نے
اسی زمین کو اس آسماں سے نسبت ہے

محسن احسان (پشاور)

○

یہ مہر و ماہ دلیلیں ہیں کم نظر کے لئے — کہ آسمان سجا تھا کسی سفر کے لئے
غلام آنکھوں کا ہوجاؤں عمر بھر کے لئے — مجھے مدینہ دکھادیں بس اک نظر کے لئے
جہاں سے دین بھی ملتا ہو اور دنیا بھی — مدینہ ایسا خزانہ ہے دیدہ ور کے لئے
تمہارے در کی زیارت کے بعد جب لوٹی — تو ہر نگاہ نے بوسے مری نظر کے لئے
وسیم آؤ در مصطفیٰ پہ سر رکھ دیں — کہ اس سے بڑھ کے کوئی در نہیں ہے سر کے لئے

وسیم بریلوی (بھارت)

○

دبستان حرا کے فارغ التحصیل کی باتیں — کرم کی بدلیاں ہیں، رحمت و شفقت کی برساتیں
ادھر انسان سازی کا عمل جاری رہا پیہم — ادھر ہوتی رہیں، روح الامیں سے بھی ملاقاتیں
دنوں کی آبرو بڑھتی رہی، ذکر محمدؐ سے — درودوں کے اجالوں میں بسر ہوتی رہیں راتیں
نبی ہرگز نہیں، کہہ دو مسلمانانِ عالم سے — جو کل تھیں، آج بھی بالکل وہی ہیں کفر کی گھاتیں
زمیں پر ہے یہی آرام گاہ ساقی کوثرؐ — اسی در سے ملیں گی زائر و جنت کی سوغاتیں
اندھیروں سے اجالے مانگنے والو، ادھر دیکھو — عمل، اسی لقبؐ کے ہیں، کتاب اللہ کی باتیں
ادب آموز گویائی تھی جوہر خامشی انؐ کی — لب و لہجہ پہ انؐ کے، ناز کرتی تھیں مناجاتیں

جوہر سعیدی (مرحوم)

○

کبھی گلوں کی کبھی ہے بہار کی خوشبو — نفس نفس ہے نبیؐ کے دیار کی خوشبو
فضائے نعت معطر ہے اس طرح گویا — ہر ایک حرف نے خود اختیار کی خوشبو
جمال گنبد خضراء ترے تصدق میں — کہ تیرے قرب سے آتی ہے پیار کی خوشبو
ہوائے شام ہو باد سحر ہو کوئی ہو — کوئی تو لائے نبیؐ کے دیار کی خوشبو
حنین و بدر و احد کے ہر ایک ذرّے میں — بسی ہوئی ہے اسی شہسوار کی خوشبو
نبیؐ کا فیض ہے جاری کہ ہر رگ و پے میں — بسی ہوئی ہے گل اعتبار کی خوشبو
نوائے واصل خستہ پہنچ گئی شاید — جب ہی تو آئی مدینہ سے پیار کی خوشبو

واصل عثمانی (دمام، سعودیہ)

○

دل میں خوابیدہ ہے ارمان، یہ خواہش ہے دبی کاش دربار مدینہ میں ہو میری طلبی
کہہ اٹھوں جیسے ہی دیکھوں حرم پاک نبیؐ مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آپ کی یاد میں آنکھیں ہیں ہمیشہ پر نم آپ کی یاد ہے زخم دل و جاں کا مرہم
آپ کی یاد ہے ہر تار نفس کا سرگم من بی دل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

جب نہ محفوظ یہاں رہ سکا اللہ کا گھر کیا بتاؤں کہ ہے کس حال میں اپنا چھپر
بے زبانی ہی زباں اپنی ہے اے پیغمبرؐ چشم رحمت بکشا، سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقب و ہاشمی و مطلبی

سر بسر نور بھی ہیں آپ، بشر بھی شاہا آپ سا کون دو عالم میں ہے عالی جاہا
اے کہ یٰسٓ کبھی آپ کبھی ہیں طٰہٰ نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بر تر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

اللہ اللہ یہ عروج اے شہہ ملک لولاک آپ کی مدح کا حق مجھ سے ادا ہو کیا خاک
قاب قوسین سے ظاہر ہے تقرب کا تپاک شب معراج عروج تو گزشت از افلاک
بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبیؐ

آپؐ اے سید کونین ہیں اللہ کا نور آپ کے نور کا پرتو ہے ہر اک شے میں ضرور
اے کہ تو ناسخ تورات و اناجیل و زبور ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

دن ہو یا رات ہو یا صبح ہو یا ہو وہ شام بارش رحمت حق ہوتی ہے طیبہ میں تمام
آپ کا فیض ہے جاری ہمہ دم شاہ انام نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

المدد اے شہہ مکی مدنی العربی سایۂ رحم و کرم کیجئے ناوکؔ پہ نبیؐ
ہائے اس عاشق ناشاد کی یہ جاں بلبی سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

ناوک حمزہ پوری (گیا، بھارت)

○

نعتیہ ہائیکو

آیا ہوں مدینے میں
طوفان ہے دنیا میں
اور میں ہوں سفینے میں

وہ سیرت نورانی
دنیا کے اندھیروں میں
قرآن کی تابانی

○ ○

دل اس کا بسیرا ہے
عاشق ہے خدا جس کا
محبوب وہ میرا ہے

طیبہ سے نہ جاؤں گا
تا حشر یہاں سو کر
میں بخت جگاؤں گا

○ ○

رحمت کی گھٹائیں ہیں
انوار کی چادر میں
طیبہ کی فضائیں ہیں

طیبہ کی جو یاد آئی
اشکوں کی ہوئی بارش
مدحت کی دھنک چھائی

لالہ صحرائی (جہانیاں)

مساوات کا داعی

وہ ایک دور کہ تھا دور ظلم و ظلمت کا
چڑھا ہوا تھا زمانے پہ ظلمتوں کا غلاف
سیاہ چاند کا چہرہ تھا، چاندنی تھی سیاہ
سیاہ نجم و قمر تھے، سیاہ کاہکشاں
سیاہ غنچہ و گل تھے، سیاہ ذرے تھے
سیاہ دیدہ و دل اور سیاہ نظریں تھیں
سیہ تھا ظرف و ضمیر اور ذہن و فکر جہاں
سیاہیاں تھیں، زمان و مکاں کا گہوارہ

ہر ایک چیز تھی تاریکیوں کا فوارہ
یہ رنگ بھا نہ سکا دیر تک مشیت کو
کدورتوں سے تعلق نہ تھا محبت کو
دل و نگاہ میں احساس نور جاگ اٹھا
نفس نفس میں سرور حیات لہرایا
نظر نظر میں کھلے آرزو کے تازہ گلاب
قدم قدم پہ جلے، علم و آگہی کے چراغ
ہر ایک گوشہ تاریک میں اجالا ہوا
خوشی سے ذرہ ناچیز بھی ہمالا ہوا

وہ اک پیمبر اعظمؐ کہ جس نے فرمایا
وہ کوئی راہ ہو اس کی ہے ایک ہی منزل
وہ کوئی فکر ہو اس کا ہے ایک ہی مرکز
وہ کوئی آنکھ ہو اس میں ہے ایک ہی پرتو
وہ کوئی پردہ ہو، اس میں ہے ایک ہی جلوہ
وہ کوئی ساز ہو، اس میں ہے ایک ہی آواز
وہ کوئی نغمہ ہو، اس میں ہے ایک ہی تاثیر
وہ کوئی پھول ہو، اس میں ہے ایک ہی خوشبو
وہ کوئی رنگ ہو، اس میں ہے ایک ہی جوہر
وہ کوئی ذہن ہو، اس میں ہے ایک سچائی
وہ کوئی چیز ہو، اس کا ہے ایک ہی حاصل
تمام ظاہر و باطن کی ہے حقیقت ایک
خدا بھی ایک ہے اور رمز آدمیت ایک

وہ اک پیمبرؐ نکہت نفس کہ دنیا میں
دیا ہے جس نے محبت کا دل نشیں پیغام
وہ ایک ہادی انسانیت کہ جس نے ہمیں

بڑے خلوص سے سمجھایا پیار کا مفہوم
وہ اک پیمبرِ اعظم کہ جس نے فاش کیا
وہ ایک راز جسے نقدِ زندگی کہیئے
وہ راز کیا ہے؟ اسے جانتے ہیں اہلِ نظر
یہ رنگ و نسل و سیاست کے تفرقے ہیں فضول
یہ ذات پات کی حد بندیاں ہیں ناکارہ
جو اصل شے ہے، وہ دنیا میں صرف انساں ہے
اور اس کے ساتھ زمانے میں صرف ایماں ہے

عنوان چشتی (بھارت)

○

زمانے میں پھیلا ہے نور آپؐ سے — دلوں کو ملا ہے سرور آپؐ سے
اندھیرا کٹا آپؐ ہی کے طفیل — سحر کا ہوا ہے ظہور آپؐ سے
سکون آفریں آپؐ کا ذکر ہے — منور ہے عقل و شعور آپؐ سے
مجھے اہلِ دنیا نے ٹھکرادیا — جہاں میں ہوں میں پر غرور آپؐ سے
اسی سے سرافراز ہوں دہر میں — جو نسبت ہے مجھ کو حضور آپؐ سے
مجھے پھر مدینے بلا لیجئے — نہیں رہ سکوں گا میں دور آپؐ سے
زمانہ بھی اس کو بھلا دیتا ہے — جو دانستہ ہوتا ہے دور آپ سے
جسے لوگ کہتے ہیں انور سدید — وہ مانگے شفاعت حضور آپؐ سے

انور سدید (لاہور)

○

اللہ رے یہ حسنِ سفر کیسا لگے گا — معراج کی منزل پہ بشر کیسا لگے گا
یوں نخلِ تمنا کا ثمر کیسا لگے گا — سجدے تیرے در پر ہوں تو سر کیسا لگے گا
اک صاحبِ والیل کی فرقت میں شبِ غم — گرتا ہوا دامن پہ گہر کیسا لگے گا
جس ہاتھ سے لکھوں گا محمدؐ کا قصیدہ — اس ہاتھ میں جبریلؑ کا پر کیسا لگے گا
پلکوں پہ اگر گردِ رہِ طیبہ سجالوں — لوگو! میرا دامانِ نظر کیسا لگے گا

بیمار الم آپ کا اے جان مسیحا   جب ہوگی شب غم کی سحر کیسا لگے گا
جب لوٹ کے آؤں گا مدینہ کے سفر سے   میں کیسا لگوں گا میرا گھر کیسا لگے گا
ابھرا ہے ہلال آج جو نعتوں کے افق پر   کل ہوگا جو یہ رشک قمر کیسا لگے گا

ہلال جعفری (اسلام آباد)

○

اس شخص کی قسمت میں نہ دنیا ہے نہ دیں ہے
شامل جو غلامان محمدؐ میں نہیں ہے

یہ اپنا عقیدہ ہے، یہی اپنا یقیں ہے
ہم دور ہوں اس ذات سے وہ دور نہیں ہے

اللہ کا محبوبؐ سر عرش بریں ہے
امت کے سوا ذکر کوئی اور نہیں ہے

دنیا ہو کہ محشر ہو، سفر ہو کہ حضر ہو
کیا خوف، کہ جس دل میں ترا عشق مکیں ہے

بازیچہ اطفال ہے، وہ فکر و تجسس
وابستہ جو اس ذات گرامی سے نہیں ہے

ذہنوں پہ نہیں جس کی حکومت ہے دلوں پر
وہ نور یقیں، نور یقیں، نور یقیں ہے

بے فیض ہے، اس کے لئے تشبیہ و علامت
وہ ذات مبارک، جو ہر اک شے سے حسیں ہے

ہے ظلمت اوہام ظفر مجھ سے گریزاں
اللہ کے محبوبؐ کی الفت، مرا دیں ہے

ڈاکٹر ظفر مراد آبادی (بھارت)

○

گزریں گے پل صراط سے لے کر نبیؐ کا نام
ہو گا ہمارا مونس و یاور نبیؐ کا نام

ہر روشنی کا مرکز و محور نبیؐ کا نام
عالم ہے شب، چراغ منور نبیؐ کا نام

آتی ہے جب بھی گردش ایام سامنے
آتا ہے بے محابا لبوں پر نبیؐ کا نام

میں ایسے خوش نصیب فقیروں کا ہوں غلام
لکھتے ہیں جو نظر سے دلوں پر نبیؐ کا نام

ان کے لئے نوید ہے بخشش کی حشر میں
پڑھتے رہے درود جو سن کر نبیؐ کا نام

محشر میں نعت پاک کریمی سناؤں گا
لوں گا میں پیش داور محشر نبیؐ کا نام

آفتاب کریمی (کراچی)

○

روئے انور کی طرح گوشۂ سیرت چمکے
آئینے دیکھے تو آئینے کی قسمت چمکے

جس اجالے سے رسالت کا فلک روشن تھا
اس اجالے سے سبھی مہر نبوت چمکے

فکر و ادراک کی خوشبو سے معطر لہجہ
ذکر سرکارؐ سے قرآن کی آیت چمکے

انؐ کی یادوں سے نکھر آتا ہے اسلوب سخن
حسن اشعار میں ایمان کی صورت چمکے

عشق سرکارؐ کی دولت ملے اے کاش حلیم
داغ ہائے دل افلاس کی قسمت چمکے

حلیم حاذق (بھارت)

○

غزل سے نعت ہے سفر فطور سے شعور تک
ہنر نکل کے آگیا ہے ظلمتوں سے نور تک

عجیب رشک آرہا ہے مجھ کو اپنی نعت پر
کہ مجھ سے پہلے میرا فن پہنچ گیا حضور تک

میں نعت کہہ کے آگیا ہوں آپ کی پناہ میں
ہیں رحمتیں ہی رحمتیں نظر میں دور دور تک

مرے عمل کی فرد میں لکھے ہیں آپ پر سلام

ز ابتدائے کار ہوش آخری سطور تک

زباں سے نام آپ کا لیا تو معجزہ ہوا
کہ چل کے آگئی ہے دل کی بے کلی سرور تک

سلام بھیجتے ہیں آپ پر چمن کے برگ و بار
شجر، ثمر، ثمر، کلی کلی طیور تک

نفس نفس ہیں راستے میں رحمتیں حضور کی
سفر میں زندگی کے ماں کی گود سے قبور تک

کسی نے اس کو پالیا جلو میں آپ کے حضورؐ
خدا کو دیکھنے گئی نظر کسی کی طور تک

دو نیم کرکے آپ نے وہ درس دے دیا کہ اب
کبھی قمرؔ کی عاجزی نہ جائے گی غرور تک

قمر زیدی (کراچی)

معدن صدق کا در خوش آب وہ
جاگتی آنکھ کا اک حسیں خواب وہ

پارہ ابر وہ جاں گسل دھوپ میں
آگ سی ریت میں چشمہ آب وہ

شبنم سرد وہ بہر قلب تپاں
وجہ تسکین ہر روح بے تاب وہ

دل میں پروائیاں جیسے چلنے لگیں
گلشن روح کی فصل شاداب وہ

زد پہ تیروں کی جو دشمنوں کے رہا
رحمت عام کا اک کھلا باب وہ

ذرے ذرے کو جس نے کیا ضو فگن
مہر افروز وہ، رشک مہتاب وہ

مدح خالق نے کی جس کی لولاک سے
میرا ممدوح ہے جنس نایاب وہ

جس کے در کا گدا بے نوا علقمہ
رحمت بے بہا رب ارباب وہ

علقمہ شبلی (کلکتہ، بھارت)

○

منزلیں ان کے لئے ہر رہگزر ان کے لئے ہے
میں مسافر ہوں مرا عزم سفر ان کے لئے ہے

ان کے ہی دست کرم سے شعلہ جاوید ہوگا
میری خاکستر میں پوشیدہ شرر ان کے لئے ہے

دل ہو جاں ہو چشم تر ہو یا مرا کلک ہنر ہو
میں سمندر ہوں مرا ہر اک گہر ان کے لئے ہے

ہے انھیں کے آب نسبت سے نمو میرے شجر کی
غنچہ سر میری شاخ روش پر ان کے لئے ہے

کرسی و لوح و قلم جو کچھ بھی ہے سب ان کی خاطر
وسعت عرش علیٰ میں مستقر ان کے لئے ہے

کتنی شوریدہ ہواؤں نے بجھانا چاہا لیکن
روشن اب تک یہ چراغ چشم تر ان کے لئے ہے

جن سروں پر سایہ افگن ہوگیا خورشید طیبہ
حدت خورشید محشر بے اثر انؐ کے لئے ہے

جلتی چٹانیں ہوں بستر یا سلگتی ریت قاسم
سائبان گنبد خضرا مگر ان کے لئے ہے

قاسم حبیبی برکاتی (بھارت)

○

نہ اجلے دن نہ گئی رت کے خواب مانگتا ہوں
خدایا عشق رسالت مآب مانگتا ہوں

پھر آج تذکرۂ شہر علم ہے مطلوب....
شکوہ لہجۂ امّ الکتاب مانگتا ہوں

لغت قلیل ہے وصفِ نبیؐ ہے لامحدود
پئے ثنا نگہ انتخاب مانگتا ہوں

ہزار خواب تراشے ہیں میری آنکھوں نے
برنگ خواب سہی عین خواب مانگتا ہوں

وہ جس کو آیۂ تطہیر سے کیا ہے کشید
قسیم روز ازل ! وہ شراب مانگتا ہوں

کسی کی آنکھ نے دیکھا نہ ہو جسے اب تک
بہ فیضِ عشقِ محمدؐ وہ خواب مانگتا ہوں

ترے کرم کے تصدق مگر ولائے رسولؐ
ترے کرم کی طرح بے حساب مانگتا ہوں

وفاؔ جو دل ہی نہیں روح منقلب کردے
وہ انقلاب پس انقلاب مانگتا ہوں

قمر عباس وفا کانپوری (کراچی)

وہ ایک نام

وہ ایک نام کہ تسکین جان و تن ٹھہرا
اسی کے فیض سے گلشن میں عطر بیزی ہے
کبھی گلاب کبھی سرو یا سمن ٹھہرا
ہوا کے دوش پہ یوسفؑ کا پیرہن ٹھہرا
وہ ایک نام کہ تسکین جان و تن ٹھہرا

وہ ایک نام کہ جس سے سکون ملتا ہے
غموں کی دھوپ میں سایہ گھنے شجر کا ہے
شفیق و مونس و غمخوار ہر بشر کا ہے
وہی دعائے مسیحاؑ وہی دوائے الم

اسی کے ذکر سے بزمِ حیات زندہ ہے
وہ ایک نام کہ تسکین جان و تن ٹھہرا

ہے ایک نور اسے کس طرح جدا کیے
یہ انتہا ہے سوا اس کے اور کیا کیے
نظر جو آئے اسے نور مصطفیٰؐ کیے
نظر جو آ نہ سکے ذات کبریا کیے

وہ ایک نام کہ تسکین جان و دل ٹھہرا
اس ایک نام سے دل کو سکون ملتا ہے

ڈاکٹر سعید وارثی (کراچی)

○

کوہ فاراں سے جب چل پڑی روشنی | دشت ظلمات پر چھائی روشنی
جہل و عصیاں میں تھے لوگ ڈوبے ہوئے | آپؐ نے بخش دی علم کی روشنی
دامن مصطفیٰؐ جس کے ہاتھ آگیا | اس کے ہاتھ آگئی زیست کی روشنی
لات و عزیٰ، ہبل گر پڑے منہ کے بل | جب حرا سے نکل کر چلی روشنی
درس یہ آپؐ ہی سے ملا ہے ہمیں | جہل ہے تیرگی، آگہی روشنی
آپؐ نورالہدیٰ، آپؐ خیرالوریٰ | سارے عالم میں ہے آپؐ کی روشنی
آپؐ کا خلق اظہر من الشمس ہے | سیرت پاک ہے دائمی روشنی
بربریت میں تھے جو انہیں دے گئی | حسن تہذیب و شائستگی روشنی
از ازل تا ابد نور کا سلسلہ | یہ نہ سمجھو کہ ہے عارضی روشنی
انؐ کی توصیف کا مجھ کو یارا کہاں | یوں سمجھئے کہ بس مل گئی روشنی
اے حبابؔ آپؐ کے فیض ہی سے ملی | حسن اخلاق و کردار کی روشنی

حباب ہاشمی (الہ آباد، بھارت)

○

خیال مدح کرے دل، نظر سے خوشبو آئے | نفس نفس سے مرے مشک برسے خوشبو آئے
درود پاک کی جب جب ہو عنبر افشانی | مہک اٹھے مرا گھر بام و در سے خوشبو آئے

دعا دعا میں اگر ہو وسیلہ آقا
دعا دعا مہک اٹھے، اثر سے خوشبو آئے

یہ سچ ہے تذکرہ کاکل شہ بطحا
زباں پہ ہو تو زبان بشر سے خوشبو آئے

گلی مدینے کی مخزن ہے مشک و عنبر کا
یہی پکارتی ہر دم ادھر سے خوشبو آئے

مسافرو! یہی خوشبو ہے رہبر منزل
چلے چلو اسی جانب جدھر سے خوشبو آئے

قدم جو سوئے مدینہ خلوص دل سے اٹھیں
قدم قدم مرے رخت سفر سے خوشبو آئے

کچھ ایسا ہو مرے آقا کہ میرے زیر قدم
جو رہ گزر ہو، اسی رہ گزر سے خوشبو آئے

کہوں وقار اسے لبیک، اس میں بس جاؤں
مرے لئے اگر آقا کے در سے خوشبو آئے

وقار مانوی (دہلی)

○

اگر قبول رسالت مآب ہوجائے
لبوں پہ حرف ثنا آفتاب ہوجائے

وہاں عبث ہے تمنائے تاب نظارا
جہاں خود اپنی بصارت حجاب ہوجائے

یہ ان کی شان سماعت نہیں تو پھر کیا ہے
کہ خامشی بھی ہماری خطاب ہوجائے

خلوص دل سے اگر مصطفیٰؐ کو یاد کرو
غموں کی دھوپ ردائے سحاب ہوجائے

رواں ہے رحمت کونین کے چمن کی ہوا
وگرنہ سانس بھی لینا عذاب ہوجائے

پھر اس کو کیوں نہ کہیں سجدہ گاہ کون و مکاں
وہ آستاں جو حرم کا جواب ہوجائے

اسی کی چشم کرم کا ہے انتظار فہیمؔ
نگاہ جس کی دل انقلاب ہوجائے

فہیم ردولوی (کراچی)

○

آپؐ کے ذکر سے معطر ہے میری ہر سانس کا سفر آقاؐ
اس سے بڑھ کر بھی آرزو کیا ہو میں ہوں ادنیٰ سا اک بشر آقاؐ

روضہ پاک کو حضور کے میں ہر گھڑی دل کے پاس پاتا ہوں
کاش وہ دن بھی آئے قسمت میں جو ہو اس پر مری نظر آقاؐ

نام سے آپؐ ہی کے زندہ ہیں پھول، کلیاں، صبا، نسیم سحر
دشت، صحرا، ہوا، گھٹا، بادل ارض و افلاک، بحر و بر آقاؐ

آپؐ نظر کرم جو فرمائیں روح سرشار میری ہوجائے
آپؐ کے نقش پا سے روشن ہے زندگانی کی رہ گزر آقا

دل کی کشتی بھنور سے بچ نکلی زور طوفاں بھی سر پٹکتا رہا
دیکھ کر دنگ رہ گئیں موجیں آپؐ کے نام کا اثر آقا

سر میں سودائے شوق بے پایاں' دل میں طوفان آرزو لے کر
اپنی آنکھیں بچھائے بیٹھا ہوں راہ میں گام گام پر آقا

ہاتھ باندھے نسیم آیا ہے نعت گوئی کا شوق دل میں لئے
کاش قسمت میں اس کی بھی آئے کچھ تو سرمایہ ہنر آقا

نسیم عزیزی (ہوڑہ' بھارت)

○

کوئی تجھ سا بھی ہو محال یہی ہے   میرے آقا ترا کمال یہی ہے
تو نے ذروں کو آفتاب کیا ہے   میں بھی ذرہ ہوں عرض حال یہی ہے
تیری چاہت کی اک کسک میٹھی سی   حاصل روز و ماہ و سال یہی ہے
جس کا تو ہے' خدا بھی ہے اسکا ہی   میں جو تیرا ہوں نیک فال یہی ہے
کٹ رہی ہے ترے بغیر بھی لیکن   رائیگاں ہے بہت ملال یہی ہے
تیرا ہوجاؤں اک جہان سے کٹ کر   سنت بوذرؓ و بلالؓ یہی ہے
تیری الفت کو حرز جاں ہے بنایا   میرا سرمایہ' میرا مال یہی ہے
جز ترے اور خواہشیں بھی ہیں دل میں   حیف اس آئینے میں بال یہی ہے
میری آزادیاں ہیں حد رسن تک   بستہ پا ہوں مری مثال یہی ہے
نام لیواؤں میں ہوں تیرے شامل   رحمت رب ذوالجلال یہی ہے
حشر میں دیکھیں گے تجھے جی بھر کے   ہے مبارک اگر مآل یہی ہے
اور سودا نہیں ظفر کوئی سر میں   بار پاؤں گا کب' سوال یہی ہے

قاضی ظفر اقبال

○

ذرہ ذرہ مصطفیٰؐ سے چاہتا ہے روشنی
سب سمجھتے ہیں کہ بس ان کی عطا ہے روشنی

ان کی تنویرِ رسالت نے بتایا خلق کو
دین حق کے ساتھ پیمان وفا ہے روشنی

نور احمد نے یہ قلب و ذہن پر روشن کیا
کیسے ملتی ہے ہدایت اور کیا ہے روشنی

مہر و ماہ و انجم و برق و شرار و کہکشاں
ہیں تو سب روشن مگر دل کی جلا ہے روشنی

ان کی طرز زندگی میں نور حق پوشیدہ ہے
ان کے انداز تکلم کی ضیاء ہے روشنی!

شہر علم و آگہی نے فاش یہ نکتہ کیا
تیرگی بیماری دل ہے، دوا ہے روشنی

ان کا دست مہرباں وجہ سکون قلب ہے
ان کے ایمائے ثناء کا سلسلہ ہے روشنی

میں عزیزؔ احسن مدیح کے دجم کیسے کروں؟
مجھ کو عشق مصطفیٰؐ ہی بخشتا ہے روشنی

عزیز احسن (کراچی)

○

جہاں میں چاندنی پھیلی جونہی ماہ منور کی
زمیں والوں کے ذہنوں سے اندھیرے کی ردا سرکی

رہے گا تا ابد یونہی سفر اشعار کا جاری
نہ مل پائے گی لیکن انتہا نعت پیمبرؐ کی

کیا ناطق اسے تاکہ نبوت کی گواہی دے
خموشی توڑ ڈالی آپؐ کے ہاتھوں نے پتھر کی

صداقت بھی امانت بھی رسالت بھی شہادت بھی
کوئی گنوائے کیا کیا ہر سعادت ہے اسی گھر کی

مسیحائی ہو یا شاہی ملے عالم پناہی بھی
عطا کرنا صفت ہی خاص ٹھہری آپؐ کے در کی

ہے رحمت آپؐ کی اس درجہ بے پایاں بتاؤں کیا
کہ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں وسعت سمندر کی

دم آخر سے پہلے وہ در اقدس پہ جا پہنچے
ملے منصور کو آقا یہ مہلت تو گھڑی بھر کی

منصور ملتانی (کراچی)

کیا صلِ علیٰ عظمت محبوبؐ خدا ہے ہر وقت درود ان پہ خدا بھیج رہا ہے
وہ چہرا کبھی چشم بصیرت سے چھپا ہے؟ قرآن کی آیات میں جو جلوہ نما ہے
اللہ بیاں کرتا ہے اوصاف نبیؐ کے اس بندہ عاجز کو کہاں تاب ثنا ہے
اس نام کی حرمت پہ مری جان فدا ہو اللہ نے جس نام کو منعوت کیا ہے
اے صاحب لولاک! ترا نام مبارک اقصائے دو عالم میں یونہی گونج رہا ہے
تو بحر سخا، موج کرم، کان عطا ہے تپتے ہوئے صحراؤں پہ رحمت کی گھٹا ہے
طواف حرم کے ہیں ترے جن و ملائک ہر لب پہ دم طوف درودوں کی صدا ہے
قرآن ترے مصحف سیرت کا ہے عنواں ہر قول ترا نطق خدا عقدہ کشا ہے
منصب ہے ترا ختم رسل، رحمت عالم رتبے میں سوا تجھ سے فقط ذات خدا ہے
قدموں میں ترے ارض و سما کے ہیں خزانے اعزاز تجھے قاسم نعمت کا ملا ہے
آسودہ ترے ذکر سے رہتے ہیں دل و جاں اور نام ترا باعث ایجاب دعا ہے
جاری ہے ازل سے ترا دریائے مروت رتبہ جو تجھے شافع محشر کا ملا ہے
ہستی ہے تری باعث تکوین دو عالم قامت پہ تری خلعت لولاک لما ہے
شاہد ہے تصرف پہ ترے رجعت خورشید دو نیم قمر تیرے اشارے سے ہوا ہے
پیڑوں کو ترے حکم نے رفتار عطا کی سنگریزوں کو مٹھی نے تری نطق دیا ہے
مضطر کو ترے لطف نے تسکین عطا کی کشکول بصیرت کو در دید ملا ہے
تاباں ترے جلووں سے ہے رخسار تمدن تہذیب ترے جلوہ سیرت کی ضیاء ہے
قرآن کو میزان بناتا ہوا کردار چہرے سے عیاں تابش انوار خدا ہے
صورت میں جو یکتا ہے تو سیرت میں بھی یکتا تو نور ازل مظہر اخلاق خدا ہے
گفتار کے انداز میں کوثر کی روانی کردار کے اعجاز میں خالق کی ادا ہے
خاموش صداؤں کی سماعت تجھے آساں بے نور نگاہوں کا بھی تو راہنما ہے
یثرب تری آمد سے ہوا طیبہ و طابہ کیا خاک قدم گاہ میں تاثیر شفا ہے
پر سوختہ ہوجائے جہاں طائر سدرہ وہ عالم بالا بھی تری جلوہ سرا ہے

ہاں محفل کونین کا تو صدر نشیں ہے
انداز ترے کار خلافت کا جدا ہے

بخشا ہے تجھے حق نے ہر اک شے پہ تصرف
اور قادر مطلق تو فقط ذات خدا ہے

شایاں ترے منگتا کے نہیں چشمہ حیواں
جویاں ترے فیضان کا خود آب بقا ہے

غرقاب معاصی نہیں نومید شفاعت
ساقی! ترے سرمست کو یہ کیسا نشہ ہے

محشر میں اسے جرعہ کوثر بھی عطا ہو
شاہا! جو تری آل کے ٹکڑوں پہ پلا ہے

طاعت جو رشید ان کی اطاعت ہے خدا کی
توصیف نبیؐ شامل توصیف خدا ہے

رشید وارثی (کراچی)

○

وہ لہجہ، وہ خلوص، وہ انداز، وہ خطاب
اس صاحب کتاب کا ہر لفظ اک کتاب

اُمّی تھا اور اس نے عمل کی دلیل سے
ترتیب دے دیا ہے ہر اک دور کا نصاب

وہ ہے تو سارا عالم امکاں ہے معتبر
اس کے بغیر عالم موجود بھی سراب

یہ عرش و فرش دیدۂ حیراں ہیں آج بھی
پیدا نہ ہوگا اب کبھی اس کا کوئی جواب

ایسے مہک رہا ہے وہ اس شش جہات میں
سینے پہ کائنات کے جیسے کوئی گلاب

اس فیض تک نہ جائیں تو رستہ کوئی نہیں
اور جانا چاہیں آپ تو رستے ہیں بے حساب

صابر وسیم اپنی ہر اک سانس اس کی ہے
دونوں جہان آج بھی ہیں جس سے انتساب

صابر وسیم (حیدر آباد)

○

تمام بچھڑے ہوئے دل ملے انہیؐ کے سبب
محبتوں کے ہیں سب سلسلے انہیؐ کے سبب

انہیؐ کی ذات ہے مرکز سو اہل ہجر کے بیچ
ڈھلے ہیں قرب میں سب فاصلے انہیؐ کے سبب

ہم اہل غم کو جو رہتے تھے اپنی قسمت سے
ہوئے ہیں دور وہ شکوے گلے انہیؐ کے سبب

رہ حیات کی منزل سے روشناس ہوئے
تمام بھٹکے ہوئے قافلے انہیؐ کے سبب

انہیؐ کے در پہ ہوئے جمع پھر دریدہ دل
کہ زخم ہائے جگر بھی سلے انہیؐ کے سبب

ہر ایک ظلم کے طوفاں میں بے کسوں کے شہابؔ
چٹان بنتے گئے حوصلے انہیؐ کے سبب

شہاب صفدر (ڈیرہ اسماعیل خان)

○

الفت مصطفیٰ جس کو حاصل ہوئی اس پہ سمجھو خدا کی نظر ہو گئی
دو جہاں کی اسے ساری دولت ملی زندگی راہ حق میں بسر ہو گئی

جب سے دیکھا ہے آنکھوں نے روئے نبیؐ ہم پہ طاری ہے اک عالم بیخودی
خواب تھا یا حقیقت کہوں کیا اسے شب تھی لیکن یہ دیکھا سحر ہو گئی

سارے کفار حیرت سے تکنے لگے عقل پر ہر محقق کے پتھر پڑے
اک اشارے میں ٹکڑے ہوئے چاند کے ساری دنیا کو حق کی خبر ہو گئی

اپنی تقدیر کا شکوہ کرتے ہو کیوں بگڑے حالات سے اتنا ڈرتے ہو کیوں
جاؤ روضے پہ مانگو تو دل سے دعا پھر کہو گے دعا بااثر ہو گئی

خواب میں آئے انؐ کی نوازش ہوئی ابر رحمت کی واللہ بارش ہوئی
کاش بیدار ہوتا نہ میں عمر بھر زندگی میرے حق میں ضرر ہو گئی

اپنے ماموں کے نقش قدم دیکھ کر نعت کہتا ہوں میں عشق میں ڈوب کر
وہ گدائے نبی ہم غلام نبی زندگی خوب سے خوب تر ہو گئی

ان کے در پر گئے اور پھر جائیں گے لوٹ کر دیکھو اظہر نہ پھر آئیں گے
نور سے سینہ معمور ہو جائے گا سب کہیں گے وفا معتبر ہو گئی

محمد کمال اظہر (کویت)

○

یہی ہے زیست کا حاصل نظر میں رہ جاؤں
تمہارا در نہ ملے تو سفر میں رہ جاؤں

تمہارا دست کرم جس گھڑی نہ ہو مجھ پر
عجب نہیں صف نامعتبر میں رہ جاؤں

میں اڑا رہا ہوں تو یہ بھی کرم تمہارا ہے
الجھ کے ورنہ غم بال و پر میں رہ جاؤں

طلب کے پھول جہاں سب رتوں میں کھلتے ہیں
میں مثل خاک اسی رہگذر میں رہ جاؤں

خوشا وہ اسم "محمدؐ" خوشا وہ باب یقیں
میں کیسے غفلت شام و سحر میں رہ جاؤں

اے کار عشق محمدؐ یہ کم نہیں ہے مجھے
تمام عمر میں تیرے اثر میں رہ جاؤں

خالد معین (کراچی)

○

لذت عشق میں دل مگن ہے صرف توصیف میری زباں ہے
ہے تصور میں دربار آقا، کیا بتاؤں کہ دل اب کہاں ہے

منکروں سے ذرا یہ تو پوچھو، کس کا قرآن رطب اللساں ہے
کس کی منزل ہے سدرہ سے آگے، زیرپا کس کے سارا جہاں ہے

ہم کو دین محمدؐ ملا ہے، بخت پر کیوں نہ اپنے ہوں نازاں
ہم گناہوں کے پروردہ کیڑے، اور شفاعت کا وہ آسماں ہے

جس کا ثانی نہیں ہے جہاں میں، جس سے بہتر نہیں ہے جہاں میں
جس کا سایہ نہیں ہے کہیں بھی، سارے عالم کا وہ سائباں ہے

کیا مقام عطا مل گیا ہے بخت پر رشک کرتے ہیں قدسی
جب بھی چاہوں میں پہنچوں مدینے، اب تصور مرا کامراں ہے

وہ ہیں ممدوح رب العلا بھی، وہ ہیں وجہ وجود دو عالم
ان کی چاہت نہیں اتنی آساں، ہر قدم عشق میں امتحاں ہے

دین و دنیا میں وہ سرخرو ہے جس نے تم سے رکھی اپنی نسبت
جس نے چھوڑا ہے دامن تمہارا، سارے عالم میں وہ بے اماں ہے

بڑھ رہا ہے مرا شوق مدحت پڑھ رہا ہوں میں نعت محمدؐ
لوح دل پہ رقم کررہا ہوں اب روانی پہ کلک زباں ہے

عاشقان محمدؐ سے کہہ دو تم پہ لازم ہے حفظ مراتب
دل میں چاہت نہیں ہو تو جامیؔ مدحت مصطفیٰ رائیگاں ہے

سید معراج جامی (کراچی)

○

کوئی منصورؒ کوئی بن کے غزالیؒ آئے
ان کے دربار سے اٹھ کر جو سوالی آئے

ہم بسا لائے ہیں آنکھوں میں مدینہ سارا
دیکھنی ہو جسے سرکارؐ کی جالی آئے

یہ تو سرکار کی رحمت کو گوارا ہی نہیں
ان کی چوکھٹ پہ کوئی جائے تو خالی آئے

ان کے الطاف و کرم بڑھ کے خریدیں گے اسے
آج بھی لے کے کوئی ذوق بلالی آئے

خرچ کرتے ہیں تو ہوجاتی ہے کچھ اور سوا
لے کے سرکار سے ہم بھیک نرالی آئے

ان کا جلوہ تو ہے موجود یہاں بھی لیکن
کوئی لیکر تو نظر دیکھنے والی آئے

حسرت دی سوا ہوگئی دیدار کے بعد
ہم مدینے سے سوالی کے سوالی آئے

سامنے ہو ترے قرآن کا جلوہ خالد
یاد سرکارؐ کی جب شستہ مقالی آئے

خالد محمود نقشبندی (کراچی)

○

مدحت خیرالبشرؐ منزل بہ منزل دل بہ دل
رحمتوں کا یہ سفر منزل بہ منزل دل بہ دل

سیرت سرکارؐ پر جو بھی عمل پیرا رہے
چمکے مانند قمر منزل بہ منزل دل بہ دل

ہم گنہگاروں پہ بھی رہتا ہے یہ سایہ فگن
ان کی رحمت کا شجر منزل بہ منزل دل بہ دل

شہر پہ انوار کی مہکی ہوئی رعنائیاں
ہیں مرے پیش نظر منزل بہ منزل دل بہ دل

ان کے در سے امن و یکجہتی کا ملتا ہے پیام
ہے محبت کا اثر منزل بہ منزل دل بہ دل

زائرو کہتی ہے یہ باب حرم کی آرزو
خواہشوں کا ہے گذر منزل بہ منزل دل بہ دل

رحمت رب لے گی طاہر مجھ کو پھر آغوش میں
ان کی یادیں ہیں اگر منزل بہ منزل دل بہ دل

طاہر سلطانی (کراچی)

○

اس پر گواہ بن گیا، میرا شعور حرف حرف
آپؐ کی نذر کردیئے میں نے حضور حرف حرف

وہم و یقیں کے درمیاں فکر بشر تھی بدگماں!
وجہ ہدایت و یقیں ان کا ظہور حرف حرف

دل کے ورق پہ مدحتیں لکھی ہوئی ازل سے ہیں!
قریہ جاں ہے سر بہ سر کیف و سرور حرف حرف

وجہ سکون جان بھی، فیض کا آسمان بھی!
لطف کا سائبان بھی ذکر حضور حرف حرف

نور حرا بھی ہیں وہی، شمع ہدیٰ بھی ہیں وہی
ان کے ہی اسم پاک سے دیتا ہے نور حرف حرف

ذکر نبیؐ جہاں ہوا سیل کرم رواں ہوا!
ان کی عطا کا جابجا دیکھا ظہور حرف حرف

نعت نبیؐ رئیس ہم، کیسے کریں بھلا رقم!
علم و عمل کہاں بہم، کیسے ہو نور حرف حرف

○

رئیس احمد (کراچی)

پٹھوہاری : عبدالقادر قادری   ترجمہ : شاہین فصیح ربانی

نعت

کرّ ہے در تے بلاؤ تے گل بنڑیں گجھی
جے مہاڑے لیکھ جگاؤ تے گل بنڑیں گجھی

بکی تے نھیرے ای دسڑیں پئے وہے اندرے وچہ
دلے نا دیہ جے لاؤ تے گل بنڑیں گجھی

تُساں نا مانڑن تھیا ہور کجھ وی نیہہ پلے
بکی وی خیر بچاؤ تے گل بنڑیں گجھی

وحیاں تُساں نا تے کہیاں کے نی گل اخواں
پھسی گیاں مینہہ چھڑاؤ تے گل بنڑیں گجھی

تریمہ نیہہ چھوڑنا پانڑیں تُساں نا روحاں نی
جے کھُٹ بکی وی پرھاؤ تے گل بنڑیں گجھی

سوال ہور کُتھے بانہاں گچھی کے قادر!
کری کے ترس بنڑاؤ تے گل بنڑیں گجھی

کبھی وہ در پہ بلائیں تو بات بن جائے
جو میرے بھاگ جگائیں تو بات بن جائے

دوروں ذات اندھیرے دکھائی دیتے ہیں
جو دل کا دیپ جلائیں تو بات بن جائے

ہے مان آپ کی رحمت پہ اور کچھ بھی نہیں
مجھے بھی خیر دلائیں تو بات بن جائے

میں آپ کا ہوں سنوں کس طرح کسی کی بات
پھنسا ہوا ہوں چھڑائیں تو بات بن جائے

وہ پانی جس سے کہ روحوں کی پیاس بجھتی ہے
جو ایک گھونٹ پلائیں تو بات بن جائے

سوال اور کہیں جا کے کیا کرے قادر
حضور آپ بنائیں تو بات بن جائے

خطوط

ڈاکٹر یونس اگاسکر۔ ممبئی

برادر مشفق و مہربان سید معراج جامی مدیر سفیر اردو کے توسط سے نعت رنگ کی پانچویں کتاب---- نواز و بصیرت افروز ہوئی، شکریہ۔ نقش اول میں آپ نے صحیح فرمایا ہے کہ ایک مقام پر ٹھہرنے یا دائرے میں چکر لگانے کے بجائے "نعت رنگ" کا ہر شمارہ ٹھہرتا نہیں کاروان وجود کی حقیقت کا مظہر ہے۔ خطوط کی تعداد اور دنیا کے چاروں کھونٹ سے آنے والے مکاتیب کے معیار و مزاج کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ "نعت رنگ" کی ایک واضح اور مستحکم برادری بن گئی ہے جو رسول برحقؐ کی محبت و عقیدت کے اٹوٹ رشتے میں بندھی ہوئی ہے خدا کرے یہ مبارک سلسلہ دراز تر ہو اور دنیا و آخرت میں خیر و برکت کا باعث ہونے کے ساتھ ساتھ باہمی یگانگت اور بھائی چارے کا سبب ہو۔

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کا مقالہ "نعت کے عناصر" اس صنف سخن کی وسعتوں کا بخوبی احاطہ کرتا ہے ان کا درج کردہ نعیم صدیقی کا یہ شعر پڑھ کر

حضور ایک ہی مصرع یہ ہوسکا موزوں　　میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں

اپنے ہم وطن شاعر مرحوم ظریف نظام پوری کا ایک شعر جو انہوں نے عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر منعقدہ ایک مشاعرہ میں بھیونڈی میں پڑھا تھا یاد آگیا یہ شعر میں نے لڑکپن میں سنا تھا۔

میں اور مجال شعر رسالت مآبؐ پر　　شبنم دھری نہ جائے کف آفتاب پر

ہند و پاک کے کم معروف شعرا کے کلام میں بھی نعتیہ شاعری کے عمدہ نمونے مل سکتے ہیں بشرطیکہ مختلف علاقوں کے اہل قلم اس سلسلے میں چھان پھٹک کریں یا اپنی یادوں کو تازہ کریں۔

مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت پر رشید وارثی نے بڑے مدلّل انداز میں بحث کی ہے۔ خصوصاً" قرآن میں لفظ یثرب کے واحد استعمال کو جواز بنانے والوں کو حضرت موسیٰؑ کو دیئے گئے معجزات کو "سحر مبین" کہنے والے فرعون کے درباریوں کا حوالہ دے کر انہوں نے بخوبی قائل کردیا ہے۔

غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کچھ نئے آفاق میں نور احمد میرٹھی نے مراٹھی کے سنت شاعروں تکا رام (پ ۱۶۰۸ء) اور تلشی دبی مہاراج (پ ۱۹۰۹ء) کی مراٹھی شاعری میں آنحضور کے ذکر مبارک کی مثالیں پیش کرکے چونکا دیا موجودہ دور میں امراؤتی کے مراٹھی شاعر سریش بھٹ کی ایک نعت مراٹھی میں بہت مشہور ہوئی ہے جس کے ایک سے زیادہ اردو ترجمے بھی ملتے ہیں انشاء اللہ جلد ہی آپ کی خدمت میں روانہ کروں گا۔

ڈاکٹر انور سدید۔ لاہور

نعت رنگ کتاب نمبر۵ کی صورت میں نظر نواز ہوا۔ اسے دیکھتے ہی آپ کے لئے دل سے دعا نکلی کہ خدا نے آپ کو کتنے بڑے کام کی توفیق دی ہے اس پرچے نے دہر کے اندھیروں میں اجالا کردیا ہے اولاً" نعت کے چراغوں سے اور ثانیاً" اس موضوع کے متنوع زاویوں کے تعارف اور حسن تنقید سے ماشاء اللہ ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب نے اردو مرثیے میں نعتیہ شاعری کے امتیازات میں ایک نئے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ آپ اسے مرثیہ نگاروں کی نعتیہ شاعری کا عنوان بھی دے سکتے ہیں آپ کی یہ اطلاع کہ وہ اس موضوع پہ کتاب مرتب کرچکے ہیں بے حد خوش آئند ہے ان کا رسالہ "رثائی ادب" مرثیہ کی ادبی خدمت میں اسی طرح پیش پیش ہے جس طرح "نعت رنگ" نعت میں

☆===○===☆
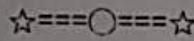
ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط ۔ بھارت

نعت رنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی بے پناہ عقیدت' محبت اور انسیت کی پہچان ہے آپ کا یہ قدم مبارک اردو کے مستقل نعتیہ ادب کو یکجا کرکے اسے سرمایۂ افتخار بنانے میں نہایت ممد و معاون ثابت ہوگا۔

جو مضامین میں اب تک پڑھ چکا ہوں ان میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کا مقالہ "نعت کے عناصر" ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کا "مدح نگاری کی روایت اور مدح رسولؐ" اور "اردو نعت اور شاعرانہ رویّہ" از عزیز احسن مجھے کافی پسند آئے تفصیلی رائے سے جلد آگاہ کروں گا نعت کے مختلف گوشوں پر میرے پاس مواد ہے لیکن عدیم الفرصتی ہمیشہ مانع رہی ہے میں انہیں آخری شکل نہیں دے پارہا ہوں۔ دعا کیجئے کہ یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ درج ذیل مضامین فی الوقت ادھورے ہیں۔

(۱) قصیدۂ بوصیری کے اردو منظوم تراجم

(۲) دکنی اردو میں منظوم سیرت نگاری

(۳) دکنی معراج ناموں کا تقابلی مطالعہ

(۴) اردو نعت گوئی پہ قرآن کا اثر

(۵) چند ہندو نعت گو شعرائے جدید جن کا تا حال کہیں ذکر نہیں آیا۔ وغیرہ

☆===○===☆
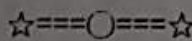
محسن احسان۔ پشاور

نعت رنگ کا پانچواں شمارہ مل گیا۔ آپ کی محبتوں کا بے حد شکریہ۔ آپ بڑے باکمال اور ہنرمند نکلے، ایک ایسا سلسلہ کتاب شروع کر دیا کہ جس میں تمام عالم اسلام کی دعائیں اور برکتیں آپ کے ساتھ ہو گئیں۔ جس نام کی تپش سے نبض ہستی رواں اور خیمہ افلاک ایستادہ ہے۔ اس کے چاہنے والوں کی روزبروز افزائش اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی شفاعتیں سب کے لئے جاری و ساری ہیں اور جاں نثاران حبیب خدا میں دم بدم اخلاص و احترام کی دولتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اس دفعہ بھی مقالات فکر و خیال کے نئے دریچے وا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، اسحاق قریشی، ڈاکٹر ہلال نقوی، رشید وارثی، عزیز احسن، نور احمد میرٹھی، منصور ملتانی، افضال احمد انور، سبھی نے نعت کے نئے زاویوں پر اظہار خیال کیا ہے اور اس معدن اتقا اور سید الاصفیا کے حضور عجز و نیازمندی سے اپنی محبتوں اور عقیدتوں کے چراغ روشن کئے ہیں۔ ان سب کے قلوب معرفت ذات سے سرشار اور منصب و مرتبہ رسالت کی عظمت سے آگاہ ہیں۔ علاقائی زبانوں میں نعت گوئی کی روایت پر خاطر غزنوی، آفاق صدیقی اور حافظ حبیب الرحمن کی کوششیں بھی لائق ستائش ہیں۔ "نیاز فتحپوری بحیثیت نعت گو" محمد اقبال جاوید نے اس ناقد اور عالم کے اس پہلو پر روشنی ڈال کر اکثر قارئین کو چونکا دیا ہے اور پروفیسر عاصی کرنالی نے اپنی نعتوں میں وقت کا تلازمہ تلاش کر کے کئی دوسرے نعت گو شعرا کے ہاں اس تلازمے کے بارے میں غور و فکر کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی

اس مرتبہ آپ نے خصوصی مہربانی فرمائی کہ سید لائق علی صاحب کے توسط سے نعت رنگ کا نیا شمارہ جاری ہوتے ہی عطا فرمایا۔ یہی نہیں بلکہ اپنے مجموعۂ کلام اور اوج کے خصوصی نمبر سے بھی نوازا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ بہت بہت شکریہ۔

تا دم تحریر صرف چند صفحات دیکھ سکا ہوں، قلم یوں تھام لیا کہ آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرنے میں مزید تاخیر کا کوئی عذر نہیں تھا۔

عبارت و املا کے حوالے سے کچھ غلطیاں ناگوار گزرتی ہیں جو ہرچند دانستہ نہیں ہوتیں، کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں رہ جاتی ہیں تاہم قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ اتنا بہت سا کام ایک شخص تنہا انجام دے تو ایسی کمی رہ جانا بعید نہیں۔ آپ کی کاوش کو املا و طباعت کی ایسی

خامیوں کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' آپ کی محنت اور محبت قابل قدر ہے۔ اللہ کریم قبول فرمائے اور اس میں برکت فرمائے' آمین۔

جناب احمد صغیر صدیقی نے اپنے مکتوب میں مجھے یاد فرمایا' ان کا شکریہ۔ خود نمائی و خودستائی کے کسی شائبے کی بھی گنجائش نہ رکھتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ جو کچھ گزرتی ہے اور جس طرح گزرتی ہے اس کی تفصیل جان کر احمد صغیر صدیقی صاحب بھی تسلیم کریں گے کہ احوال اور میرے بیان میں تضاد نہیں' یقین مانیے کہ کتنے مسودے تیار ہیں' پروف ریڈنگ یا نظر ثانی کی مہلت نہیں مل رہی' ایسے میں کسی مزید ذمہ داری کو قبول کرنا یقیناً" درست نہیں ہوگا۔ بایں ہمہ مدح و نعت رسول علیٰ صاحبہا الصلواۃ والسلام سے اپنی وابستگی و دلچسپی کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ کریم مجھے ہمت و توفیق عطا فرمائے اور اہلیت و صلاحیت بھی۔ احمد صغیر صاحب کہاں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آقا و مولیٰ اور ایسے ہی القاب پر تذبذب کا شکار تھے اور تازہ شمارے میں لفظ "خالق" پر کشادہ دلی کا مظاہرہ فرما رہے ہیں یعنی جس لفظ میں گنجائش ہے اعتراض کی بلکہ واضح ہے اس میں وہ تحقیق بھی نہیں چاہتے۔ (ا) علاوہ ازیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اقدس کے "بے سایہ" نہ ہونے کے بارے میں جناب سلیمان ندوی کی تحریر اور دلائل کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہی سمجھتے رہے کہ ندوی صاحب کے دلائل درست ہیں۔ عرض ہے کہ جناب شبلی نعمانی اور ندوی صاحب کے بارے میں خود ان کے ہم مسلک جناب اشرف علی تھانوی نے جا بہ جا جو تنقید کی ہے بلکہ سخت اختلاف کیا ہے اور احمد صغیر صاحب کے علم میں شاید نہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود نوری و مقدس کا سایہ نہ ہونے کے بارے میں علمائے حق کی تحریریں یادگار ہیں جن کا مطالعہ کافی ہوگا' انشاء اللہ۔ اسی شمارے میں ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کے مقالے میں بھی نور مجسّم شفیع معظّم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے بارے میں "نور ناموں" کے تذکرے میں منفی تاثر پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے متعدد نور ناموں اور اسی طرح معراج ناموں کا تذکرہ کیا ہے لیکن اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے قصیدۂ معراجیہ اور "نور" کے حوالے سے نعتیہ شاعری کا کوئی تذکرہ تک نہیں کیا بلکہ ڈاکٹر یحییٰ صاحب تو میلاد ناموں کے تذکرے میں علمائے اسلام پر اسرائیلی اساطیر کے تتبع کا الزام بھی لگاتے ہیں اور عقیدت کا غلو اس بات کو فرما رہے ہیں کہ نبی کریم کی والدہ محترمہ کو ایام حمل میں (خواب میں) انبیائے کرام نے بشارت دی' وہ بھی جناب شبلی نعمانی کو معتبر جانتے ہیں اور وہ تو پروفیسر نجیب اشرف کی یہ ہرزہ

سرائی لکھتے ہوئے نہیں سمجھتے کہ "تولّد نامہ" میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ بڑی حد تک کرشن جی کی ولادت کے حالات کا آئینہ معلوم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر یحییٰ اپنے مضمون "اردو نعت گوئی کے موضوعات" میں "میلاد نامے" کے عنوان سے جو کچھ لکھ پائے ہیں وہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کو دل سے قبول نہیں کرتے چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں "نفس ذکر میلادالنبی کو بعض علمائے اسلام صرف باعث خیر و ثواب ہی نہیں بلکہ مستحب و سنت قرار دیتے ہیں۔" اس حوالے سے عرض ہے کہ اس فقیر نے ایک کتاب "اسلام کی پہلی عید" کے نام سے اب سے دس برس پہلے لکھی تھی جو اردو اور انگریزی میں' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' داتا گنج بخش روڈ لاہور نے شائع کی' اسے ملاحظہ فرمالیا جائے۔ ڈاکٹر یحییٰ صاحب سے عرض ہے کہ ترمذی شریف میں پورا باب "میلادالنبی" کے عنوان سے موجود ہے اور یحییٰ صاحب شاید نہیں جانتے کہ بعض علمائے اسلام نہیں تمام علمائے حق' علمائے اسلام نفس ذکر میلاد رسولؐ اور محفل میلاد کو نہایت مبارک اور بڑی سعادت سمجھتے مانتے ہیں۔ جو نہیں مانتے وہ علمائے اسلام کہاں ہوسکتے ہیں؟ نعت رنگ کے اس شمارے میں ص ۵۹ پر ڈاکٹر صاحب نے نہایت شدّت سے یہ جسارت بھی کی' ان کے الفاظ ہیں "ہمارے نعت گو شعرا نے اس تصور کو بڑی حد تک قبول کیا ہے' اور اسی کے مطابق عقائد اسلامیہ کو بالائے طاق رکھ کر نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جزءِ ایمان سمجھ لیا ہے' افسوس کہ علماء و فضلاء بھی اس بدعت قبیحہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔" اس کے جواب میں عرض ہے کہ نعت جزءِ ایمان نہیں بلکہ جان ایمان ہے اور عقائد اسلامیہ کو بالائے طاق رکھنے والا مومن نہیں رہتا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسی صفحے پر تین اشعار لکھے ہیں' انہوں نے ان اشعار کے بارے میں علماء و فضلاء کے بیان اور فتاویٰ ملاحظہ نہیں فرمائے' کیا یہ سب اشعار کسی صحیح العقیدہ و قابل شخص کے ہیں؟ جب علمائے حق کی طرف سے ایسے اشعار کی سخت مذمّت کی گئی' اس کے بعد' ڈاکٹر یحییٰ کا صرف انہی اشعار کو پیش کرتے ہوئے یوں غیر تحقیقی انداز میں تمام علماء و فضلاء اور اہل علم پر زبان اعتراض دراز نہیں کرنا ہرگز درست نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر یحییٰ صاحب نے انتہائی غیر محققانہ تحریر پیش کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر میں تمام حوالے صرف ایک مکتب فکر کے علماء کے پیش کئے ہیں۔ ص ۵۷ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "رسالہ برہان دہلی کے سابق ایڈیٹر جناب سعید اکبر آبادی نے بھی لکھا تھا' "معراج سے متعلق احادیث صحیحہ میں بھی ضعف پایا جاتا ہے۔" یحییٰ صاحب سے پوچھنا چاہوں گا کہ سعید اکبر آبادی صاحب کا محققین میں کیا درجہ ہے اور کس درجہ کے

محدّث ہیں' کیا اس بارے میں کوئی متفقہ و اجماعی رائے اہل علم کی وہ پیش کرسکتے ہیں؟ کچھ رواج ہوگیا ہے کہ قرآن و حدیث کے بارے میں اپنی رائے کو اہمیت دی جارہی ہے حالانکہ اس بارے میں سخت وعیدیں بیان ہوئی ہیں۔ محدّثین و محققین نے جن احادیث کو ضعیف کہا ہے ان کے ضعف کی وجہ بیان کی ہے اور مسائل و فضائل کے بارے میں اصول و قواعد مختلف ہیں اگر حدیث فی الواقع ضعیف ہو تو وجوب ثابت نہ ہوگا' استحباب تو ثابت ہوگا اور فضائل میں تو سبھی ضعیف روایات کو بھی قبول کرتے ہیں۔

کسی حکم' عمل یا بات کے وجوب و استحباب کے اثبات میں محدّثین جو حدیث پیش کرتے ہیں' اس حدیث کا اصطلاحی درجہ بھی بیان کرتے ہیں۔ حدیث سے ناواقف یا حدیث کو کمتر سمجھنے والے جہلاء وغیرہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ضعیف حدیث سے مراد غلط حدیث نبوی ہے جبکہ حدیث ضعیف کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا۔ امام ابن ہمام فتح القدیر میں واضح فرماتے ہیں کہ ضعیف کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ حدیث باطل ہوتی ہے بلکہ حدیث ضعیف دراصل محدّثین کی مقرر کردہ چند شرائط میں سے کچھ پر پوری نہ اترنے والی حدیث کو کہتے ہیں۔ اسناد میں روایت کے ضعف کے باوجود وہ احادیث صحیح ہی ہوتی ہیں۔ علمائے دیوبند میں مشہور جناب شبیر احمد عثانی فرماتے ہیں کہ حدیث جعلی نہ ہو ضعیف ہو تو بھی استحباب ثابت ہوجاتا ہے۔ والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع(مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم) اور غیر مقلد اہل حدیث میں مشہور جناب نذیر حسین محدّث فرماتے ہیں : حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ بحوالہ فتاویٰ نذیریہ ج۱' ص ۳۱۵)۔ نیل الاوطار میں جناب شوکانی بھی فرماتے ہیں کہ ضعیف روایات مل کر بلند مرتبہ ہوجاتی ہیں اور مستحب اعمال میں کام دیتی ہیں۔ یہ وضاحت یوں کی گئی ہے کہ وہ لوگ جو حدیث کو ضعیف قرار دے کر تضحیک و توہین کرتے ہیں وہ حقائق سے واقف ہوں اور محتاط رہیں۔

صفحہ ۵۹ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "ثنائے محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "حمد" کی شکل میں پیش کرنے کا فن کس قدر مذموم اور ناروا ہے لیکن اردو کی نعتیہ شاعری کی بڑی مقدار میں یہی اصنامی تصور چھایا ہوا ہے۔" ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ ثنائے نبی کو حمد کی شکل میں نہیں تو کیا "ذم" کی شکل میں پیش کیا جانا چاہئے؟ اور "اصنامی تصور" کے الفاظ تو دریدہ دہنی شمار ہوں گے' وہ بتائیں کہ بڑی مقدار میں کیا وہ ثبوت پیش کرسکتے ہیں؟ بلاشبہ نعت' حمد رسولؐ ہے اور نعت و مدح کہنا آسان نہیں لیکن "بڑی مقدار" کے الفاظ' ڈاکٹر صاحب کا مبالغہ ہی نہیں مغالطہ بھی ہیں۔ اگر توصیف رسولؐ کو "اصنامی تصور" کہا گیا ہے تو یہ شقاوت اور گستاخی

ہے جس پر توبہ واجب ہے۔ ڈاکٹر یحییٰ صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب ص ۲۲ پر لکھتے ہیں "یہ شاعرانہ تخیل کا اعجاز ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔" لفظ اعجاز کا استعمال انہوں نے شاعرانہ تخیل کے ساتھ کیا ہے وہ شاعر کو کیا درجہ دیتے ہیں ان کی تحریر اسے واضح کرتی ہے۔ شاعری اور ایک شاعر کے کرشمہ و کمال کے لئے تو تعریف و توصیف کی حد نہ ہو لیکن وصف رسالتؐ اور توصیف رسولؐ کے بیان میں نامناسب لفظ استعمال کئے جائیں!!! وہ ہستی جس کی شان کی حد ہی نہیں، جس کی مدح میں پورا قرآن ہے، خالق کائنات خود جس کی تعریف فرماتا ہے، جس کی جان، جس کی خاک پا، جس کے زمانے کی قسمیں یاد فرماتا ہے، جس کی تعظیم و توقیر کا حکم دیتا ہے، اس ہستی کے بیان میں کون انسان دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ اس کی شان بیان کرسکا ہے؟ حضرت مولانا جامیؒ فرماتے ہیں "لیس کلامی یفی بنعت کمالہ۔ ۔ ۔ ۔" اور مرزا غالب بھی لکھ گئے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

تو فرمودی رہ بطحا گرفتیم وگرنہ منزل ما تو جز نیست

مزید ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں

معنی حرفم کنی تحقیق اگر بنگری با دیدۂ صدیق اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی

محترم سید صبیح رحمانی صاحب! نعت رنگ میں ایسی تحریروں کو جگہ نہ ہی دی جائے تو بہتر ہوگا، ڈاکٹر یحییٰ صاحب اور تمام اہل قلم کو پابند کیجئے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کوئی ایسا لب و لہجہ اور الفاظ و انداز اختیار نہ کریں جو گستاخی و اہانت کے زمرے میں آتا ہو۔ میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی میرے رب کریم نے "محمّد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا ہے جو اس امر کا واضح اعلان ہے کہ یہ ہستی ہی تعریف کے لئے تخلیق ہوئی ہے۔ وہ بے مثل و بے مثال ہستی ہے۔ ص ۳۴ پر سورۂ کہف کی آیت کا ترجمہ اپنے مضمون کی ابتدا میں ڈاکٹر یحییٰ یوں کرتے ہیں "اے محمد! کہو کہ میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔" اس ترجمے ہی سے ڈاکٹر صاحب کا باطن خوب جھلکتا ہے۔ یہ فقیر اسی آیت پر ٹی وی کے پروگرام "فہم القرآن" میں جو بیان کرچکا ہے اس کی ریکارڈنگ محفوظ ہے، ڈاکٹر صاحب دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں۔ ان پر حقائق واضح ہوجائیں گے۔ ص ۳۵ پر آیت درود و سلام کے ترجمہ میں ڈاکٹر صاحب "وسلّموا تسلیما" کا ترجمہ ہی اڑا گئے۔ ۔ ۔ ۔(معاذاللہ)

رحمانی صاحب! یہ مراسلہ کچھ طویل ہوگیا ہے قبل اس کے کہ یہ رسالہ ہوجائے' بہتر ہے کہ قلم روکوں' سچ ہے کہ ڈاکٹر یحییٰ صاحب کی اس دل آزار تحریر کو آپ کے نعت رنگ میں شامل پاکر افسوس ہوا۔ اللہ کریم ہمیں ادب کی توفیق دے۔

(ا) نعت رنگ نمبر ۵ اس لفظ کی قرآن کریم کی روشنی میں تحقیق شامل اشاعت ہے۔

ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی۔ حیدر آباد سندھ

"نعت رنگ" کا پانچواں شمارہ مل گیا آپ کی اس عنایت کے لئے میں بے حد ممنون ہوں مضمون مجھے بہت پہلے لکھ دینا چاہئے تھا اور دنیا کی خرافات بھی تو پابندی سے ہورہی ہیں پھر نعت پر مضمون میں تاخیر کیوں؟

بلال نقوی کے مضمون کی توقع میں کسی دوسرے انداز کررہا تھا اور خوش تھا کہ مرثیہ کے حوالے سے نعت پر زیادہ توجہ دیں گے بہرحال ان سے زیادہ توجہ کی توقع تھی۔ امید ہے آئندہ وہ اس موضوع پر ضرور زیادہ توجہ سے لکھیں گے۔

☆===○===☆

محمد صادق لالہ صحرائی۔ جہانیاں' پنجاب

نعت رنگ کا تازہ شمارہ تعریف و ستائش سے بالا ہے اس میں شک نہیں کہ آپ نے زبردست کاوش سے کام کیا تمام معتبر اہل قلم کی نگارشات کو نہایت سلیقے کے ساتھ اس شمارے میں جمع کردیا ہے وقیع مقالات' نعتیہ فکر و فن کے عمدہ تجزیات کے علاوہ نامور نعت گو حضرات کی بلند پایہ اور دلکش نعتوں کو یکجا پیش کرکے آپ نے حبِّ نبویؐ سے معمور دلوں اور رحمت خداوندی کے دربار میں اپنے لئے ایک گوشۂ خاص پیدا کرلیا ہے مبارک! صد مبارک! مزید براں سرورق سے اتای یہ شمار خوبصورت گیٹ اپ کا حامل ہے گویا سونے پر سہاگہ۔ اللّٰھم زد فزد

☆===○===☆

ڈاکٹر شاد رشاد عثمانی۔ گیا' بہار

گرامی نامہ مورخہ ۲۳؍ فروری ۹۸ء موصول ہوا ساتھ ہی تینوں کتابیں بھی ملیں افسوس کہ یہ کتابیں پہلے بھی آپ نے بھٹکل کے پتے پر ارسال کی تھیں جو اکتوبر کی تعطیل میں میرے وطن آجانے اور مکان مقفل ہونے کے باعث واپس ہوگئیں اور مفت میں آپ کو ڈاک خرچ کا نقصان برداشت کرنا پڑا آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے دوبارہ زحمت کی اور اپنی قیمتی عنایات

سے مستفیض ہونے کا موقع عطا فرمایا عجب اتفاق ہے کہ اسی زمانے میں اپنے ایک عزیز کی معرفت میں نے آپ کو اپنی کتابیں بھجوائی تھیں جو ان کے ساتھ ہی واپس آئیں کہ اس پتے پہ کوئی نہیں ملا بڑی حیرت ہوئی۔ بہرحال اب کسی دن ڈاک سے سب چیزیں بھیجوں گا۔ "نعت رنگ" کا پانچواں شمارہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی اس کا سخت انتظار تھا۔ ابھی سرسری طور پر ہی دیکھ پایا ہوں۔ کیونکہ یہ ابھی گردش میں ہے رسالہ ملنے کے دوسرے ہی دن ہماری علی گڑھ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر آگئے ٹیبل پر اسے دیکھ کر شوق مطالعہ میں اپنے ساتھ لئے چلے گئے انشاء اللہ اب اطمینان سے مطالعہ کے بعد تاثرات لکھوں گا۔

آپ کے نعتیہ اشعار کا تیسرا مجموعہ "خوابوں میں سنہری جالی ہے" کے دیدار سے دلی مسرت ہوئی مبارک باد قبول فرمائیں۔ سچ کہتا ہوں یہ مصرعہ تو میرے دل کی دھڑکن ہے دیار حبیب کے شوق دیدار میں آنکھیں تڑپتی اور ترستی ہیں کتاب کے ٹائیٹل نے بھی تسکین روح کا وافر سامان فراہم کیا ہے کیا بتاؤں جانے کس کس انداز سے کتنی بار دیکھا' دل میں اتارا آنکھوں سے لگایا' میرے روبرو روضہ کی جالیاں "یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔" کتاب کے آخر میں ہند و پاک کے معروف و مستند ادباء ناقدین حضرات نے جن آراء کا اظہار کیا ہے وہ آپ کی اس سمت میں لافانی تخلیقی استعداد اور جدید اردو نعت کے ارتقاء میں آپ کی گرانقدر خدمات کا بجا طور پر اعتراف ہے انشاء اللہ میں بہت جلد اس موضوع پر ایک مقالہ تحریر کرنے کی کوشش کروں گا۔

اقلیم نعت کی نئی اور خوبصورت پیش کش بزرگ شاعر جناب آفتاب کریمی کے نعتیہ مجموعے "آنکھ بنی کشکول" سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوا میرا مؤدبانہ سلام اور اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد پیش فرمادیں۔

گذشتہ مہینے بھنکل میں برادر محترم جناب نور احمد میرٹھی کا خوبصورت مجلّہ بہر زمان بہر زبان موصول ہوا تھا تساہل کے باعث اب تک میں انہیں کوئی خط نہیں لکھ پایا اب براہ کرم آپ سے ملاقات ہو تو انہیں میرے سلام کے ساتھ شکریہ پیش فرمادیں۔

☆===○===☆

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔ بریلی شریف

"نعت رنگ" برابر مل رہا ہے اور اس بیچ مدان کے مضامین بھی چھپ رہے ہیں کرم فرمائی کے لئے از حد مشکور ہوں۔ اس بار مجلّہ دہلی سے ہو کر آیا ہر اعتبار سے بہت ہی خوبصورت ہے۔

بہت پہلے حضرت ستّار وارثی صاحب کے کلام پر تبصروں اور دیگر اسی طرح کے مضامین

روانہ کئے تھے پتا نہیں ملے یا نہیں حضرت ادیب رائے پوری صاحب اور رشید وارثی صاحب سے ملاقات ہو تو اس ناچیز کا سلام کہئے۔

انشاء اللہ اب تنقیدی مضامین اور نعت سے متعلق دوسرے قسم کے تفکیری مضامین بھیجا کروں گا فی الحال ایک مضمون ڈاکٹر اختر بستوی کی نعتیہ شاعری روانہ ہے قریبی شمارے میں شائع فرمانے کی مہربانی کریں۔

محسن کی نعتیہ شاعری پر اترپردیش اردو اکادمی (ہند) میں میرا مقالہ کتابی شکل میں ایوارڈ کے لئے جمع ہے علاوہ اس کے ایک اور حکومتی ادارے کے لئے ڈاکٹر اقبال کی نعت گوئی پر مقالہ تیار کر رہا ہوں۔

☆===○===☆

نصیر احمد ناصر۔ میرپور آزاد کشمیر

نعت رنگ کا شمارہ ۵ ملا اس سے پہلے چوتھا شمارہ بھی مل گیا تھا۔ بے حد شکریہ نعت رنگ کی صورت میں آپ اتنا بڑا کام کر رہے ہیں کہ مجھ جیسا معمولی قلم کار بھلا اس کی کیا سرپرستی کر سکتا ہے! آپ کی محبت ہے کہ یاد رکھتے ہیں۔ حسب ارشاد دو حمدیہ نظمیں ارسال ہیں۔

☆===○===☆

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

نعت رنگ کا شمارہ ۵ سامنے ہے۔ خوب ہے۔ اللہ آپ کو اس کام کو مزید آگے بڑھانے کی ہمت و استقامت عطا فرمائے۔ میں آپ کا اور منصور ملتانی صاحب کا ممنون ہوں کہ آپ نے پرچہ بھیجا اور انہوں پہنچایا۔

صفحہ ۱۳ پر حضرت تابش دہلوی کی حمد میں ایک مصرع ہے میں اس بات سے متفق نہیں ہو پایا۔

تیری نظر میں کافر و دیں دار ایک ہیں

میرے پچھلے خط کے حوالے سے جناب کوکب نورانی نے لکھا ہے کہ میں رسول کریمؐ کے یہ القاب (مولائے کل، سرور کائنات، آقائے دو جہاں) آیات قرآنی میں دیکھ سکتا ہوں انہوں نے لکھا ہے میری تسلّی کے لئے وہ یہ آیات پیش کر سکتے ہیں اگر ان سے رابطہ کیا جائے۔ میری جانب سے آپ رابطہ کر کے انہیں حاصل کرلیں اور عام قارئین کے استفادے کے لئے شائع فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ صحیح مبالغہ کیا ہوتا ہے تو مزید خوشی ہوگی۔ حسب معمول نعت رنگ عمدہ علمی مضامین سے سجا ہوا ہے۔ سبھی لکھنے والے داد کے مستحق ہیں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی،

ڈاکٹر اسحاق قریشی، عزیز احسن کے مضامین شاندار ہیں۔ نسیم سحر کا کلام اور اس پر عزیز احسن صاحب کا مضمون دونوں لاجواب ہیں نعتیں بہت اچھی ہیں میں کس کس کا ذکر کروں۔

☆===○===☆

حافظ محمد اختر بلگرامی۔ کراچی

گذشتہ ہفتے آپ کا رسالہ "نعت رنگ" کتاب نمبر ۵ مطالعے میں رہا اور خوشی ہوئی کہ نعت پر اتنا اچھا رسالہ شائع کیا گیا ہے۔ مجھے ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی صاحب، ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب، ڈاکٹر اسحاق قریشی صاحب اور ڈاکٹر ہلال نقوی کے مضامین زیادہ اچھے لگے۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب کے مضمون میں بعض اشعار کا انتخاب گھسا پٹا ہے۔ مثلاً"

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہوکر اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰؐ ہوکر

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے گذشتہ پچاس ساٹھ برسوں سے یہ شعر ملامت کا ہدف بنا ہوا ہے اس کی بجائے کسی اور شعر کی مثال دی جاتی تو بات آگے بڑھتی۔

جناب رشید وارثی صاحب کا مضمون مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت تحقیق کی ایک عمدہ مثال ہے اب تک ہم نے یہی پڑھا تھا کہ مدینہ شریف کو یثرب کہنے کی ایک حدیث میں ممانعت آئی ہے لیکن رشید وارثی صاحب نے قرآن پاک، احادیث شریف، تفاسیر، تواریخ اور عربی ادب کے حوالوں سے بڑی وضاحت کے ساتھ ایسی عالمانہ بحث کی ہے کہ ہر زاویہ سے قاری مطمئن ہوجاتا ہے اس مضمون سے میری معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے اتنے اچھے اور مفید مضامین حاصل کرکے شائع کئے اس کے علاوہ پروفیسر افضال احمد انور صاحب کا مضمون اقبال کی نظم ذوق و شوق حمد ہے یا نعت بھی ایک اچھی کاوش ہے اور جناب شفیق الدین شارق کا حاصل مطالعہ بھی بہت خوب ہے رسالے میں شائع ہونے والی نعتیں معیاری اور حسن انتخاب لائق تعریف ہے میں اس کتاب کی اشاعت پر آپ کو اور آپ کے رفقاء کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

☆===○===☆

ندیم صدیقی۔ ممبئی

سوچا تھا میں پہلے آپ کو خط لکھوں گا مگر آپ نے بازی مار دی بھائی نور احمد (میرٹھی) بھی خوب کرم کرتے ہیں۔ آپ کا مجموعۂ نعت "خوابوں میں سنہری جالی ہے" اور نعت رنگ کے دو شمارے ایک ساتھ موصول ہوئے گاہے گاہے جنگ کراچی یہاں دیکھنے کو مل جاتا ہے اس میں جو

ایک مذاکرہ شائع ہوا تھا جس میں اعجاز رحمانی، نور احمد میرٹھی اور آپ شریک تھے۔ آپ نے بڑا اپیل کیا پھر نعت رنگ کے دونوں شمارے دیکھے اللہ نے آپ سے کس سعادت کا کام لیا ہے مبارک ہو دین و دنیا دونوں جگہ آپ سرخرو نظر آتے ہیں "خوابوں میں سنہری جالی ہے" سامنے ہی رکھا ہے ایک بار تو پڑھ لیا پھر بھی جستہ جستہ دیکھتا رہتا ہوں نعتیہ غزلوں میں آپ کی مشاقی بھی متاثر کرتی ہے مگر یہ نظمیں آپ کی نمائندگی زیادہ کرتی ہیں مثلاً "ضمیر کی قید میں" یا پھر "گمشدہ سفر" شاید ان کی ضرورت بھی ہے مشفق خواجہ نے صحیح کہا کہ۔ "نعت صبیح رحمانی کے حق میں حرف دعا ثابت ہوتی ہے" اللہ آپ کو یونہی نوازتا رہے آمین۔ آپ کی ایک نعت "ہندوستانی نعت گو متوجہ ہوں" (آپ کی جانب سے ایک اپیل) انقلاب میں لگا چکا ہوں۔

☆===○===☆
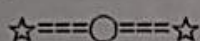
غوث متھراوی۔ کراچی

نعت رنگ کا پانچواں شمارہ بحمداللہ قیمتاً حاصل کرکے پڑھا۔ پہلے چار شمارے برادرم عزیز احسن کے ذریعے متواتر پہنچتے رہے جن کے مطالعے میں علمی بے خبری میں حیرت انگیز کمی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ اسی کے طفیل کئی عدد نعتیں کہنے کی توفیق ہوگئی جو مستقل نظر ثانی کے عمل سے گزر رہی ہیں۔ کاش یہ کلام فن مدحت رسولؐ کی خوشبو سے اس قدر معطّر ہوسکے کہ اسے میں آپ کے اعلیٰ ترین معیار پر اترنے والے مقدّس جریدے میں اشاعت کے لئے ارسال کرنے کی ہمت کر پاؤں۔ شمارے پر اپنے تاثرات ایک پُرخلوص دوست کی حیثیت سے پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں۔

۱۔ استاد مکرّم جناب تابش دہلوی صاحب کی حمد میں ایک جہان معانی پنہاں ہے۔ میں اس کو کئی مرتبہ پڑھ چکا ہوں اس آرزو کے ساتھ کہ اس حمد کی تراکیب اور جزئیات کو اپنے تخلیقی شعور کا حصہ بنا سکوں۔

۲۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری جیسے اہل دانش و بینش کے مضامین کی آپ کے جریدے میں شمولیت ہی اس کے معیار کو چار چاند لگانے کے لئے کافی ہے۔ ان حضرات کے پر مغز مقالے مجھ جیسے کم علموں کی تحسین سے بالا ہیں۔

۳۔ برادرم عزیز احسن صاحب سے صاحبان نقد و نظر کو بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ وہ ماشاء اللہ علم و ادب کے حوالے سے ایک ممتاز مقام حاصل کرچکے ہیں لیکن انہیں یقیناً ابھی بہت سی منزلیں طے کرنا باقی ہیں۔ ان کو اب جو بھی لکھنا ہے بڑی ذمہ داری سے لکھنا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

۴۔ نعتوں کے حوالے سے علاقائی زبانوں پر مضامین بصیرت افروز ہیں۔ خاص طور پر پروفیسر آفاق صدیقی کا مضمون "سندھی مولود" بڑا معلوماتی ہے۔ اس مضمون کے ذریعے میرے علم میں یہ بات پہلی بار آئی کہ قرآن کریم کا ترجمہ سب سے پہلے سندھی میں ہوا۔

۵۔ محترم رشید وارثی صاحب کا طویل مضمون جگہ جگہ Self Contradictory ہے۔ میں یہ جاننے سے قاصر رہا کہ ۱۹۸۴ء میں جس مسئلے پر اخبار جہاں میں بحث چھیڑنے پر انہیں خاطر خواہ جواب مل چکا تھا تو اسی بحث کو دوبارہ نعت رنگ کے ذریعے اٹھانے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟

۶۔ برادرم امتیاز ساغر کی نعتیہ نظم "دل مدینے کی رہگزر میں ہے" ایک معرکتہ الآراء نظم ہے۔ ابھی تک برادرم امتیاز ساغر غزل کے حوالے سے زیادہ متعارف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا کرم فرمایا ہے اور انہیں بھرپور طویل نعتیہ نظم کہنے کی توفیق عطا فرما کر اب نظم کہنے والے معتبر شاعروں کی صف میں لاکھڑا کیا ہے۔ ظاہر ہے ایسا بلیغ اور اثر انگیز کلام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور عقیدت کے بغیر ظہور پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔

میں آپ کے رسالے کی وساطت سے اتنی کامیاب نظم لکھنے پر بھائی امتیاز ساغر کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

سعید بدر۔ لاہور

آپ کے مکتوب گرامی کی آمد کے بعد ایک شام مظفر وارثی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا' ملاقات ہوگئی۔ نعت رنگ نہ ملا' وہ کہیں رکھ کر بھول گئے تھے۔ البتہ چند روز بعد ان کا فون آیا تو پرچہ مل سکا۔

نعت رنگ نمبر5 بہت شاندار ہے' ہر شمارہ پہلے سے بہتر اور معلومات افزا ہوتا ہے اور اپنے دامن میں رنگ رنگ کے حسین و جمیل پھول لئے ہوتا ہے جن کی خوشبو سے مشام جاں تازہ ہوتی ہے اور دل کو سکون ملتا ہے۔ نوجوانی ہی میں آپ ہم جیسے سن رسیدگان سے بازی لے گئے ہیں' راجا رشید محمود کے بعد بلاشبہ آپ کا نمبر آتا ہے۔ نعت کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ نمایاں مقام پر کھڑے ہیں۔

تازہ شمارہ' علامہ اقبال کی نظم "ذوق و شوق" پر پروفیسر افضال احمد انور کی کاوش پسندیدہ ہے۔ انہوں نے نہایت محنت عرق ریزی اور جاں فشانی سے علامہ اقبال ہی کے اشعار سے ثابت کردیا ہے کہ ذوق و شوق حمد نہیں بلکہ خالصتاً" نعت ہے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی بہت بڑے ادیب' بلند پایہ محقق اور نقاد ہوں گے لیکن ان کے دلائل بودے' کمزور اور حقائق سے بعید ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے شاید کہ بریلویوں کے مقابلے میں ایسے گروہ اور افراد پیدا ہورہے ہیں جو بزعم خویش توحید

پرست بنتے ہیں اور نعت کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ اس لئے نعت گو شاعر بریلویوں کے قریب ہوجاتا ہے اس لئے اب اسے "توحیدی" ثابت کرنے کے لئے ایسا کیا جارہا ہے۔ ہمارے خیال میں وہ نقاد ہونے کے زعم میں اور نیا خیال و نظریہ پیش کرنے کی کوشش میں راہ حق سے بھٹک گئے ہیں۔ جس طرح فلسفی کے بارے میں مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا تھا'

ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں   فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں

اس طرح آج کل کے نقاد حضرات' تنقید کے شوق فراواں کے خبط میں مبتلا ہو کر ایسی ایسی بے پر کی ہانک جاتے ہیں انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "حسن ازل" کی ترکیب سے محبوب حقیقی مراد لے لیا ہے۔ حالانکہ اصل ترکیب "حسن ازل کی نمود" ہے' جوش استدلالیت میں ڈاکٹر موصوف نے "نمود" کو نظر انداز کردیا ہے جس سے دراصل معانی واضح ہوجاتے ہیں۔ درحقیقت ہمارے خیال میں "ذوق و شوق" قصیدہ نما نعت ہے بلکہ قصیدہ کے معیار پر پورا اترتا ہے' اس میں تغزل بھی موجود ہے۔ اس میں پہلا بند بالکل قصیدے کی طرح ہے۔ قصیدے میں آغاز ہمیشہ کسی جگہ' مقام یا موسم یا وقت کی تعریف و توصیف ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے پہلے بند میں' شہر مدینہ کے نواح میں "صبح" کے وقت کو موضوع بنایا ہے اور اسی پر اپنا زور قلم صرف کردیا ہے۔ جس کا ثبوت پہلے ہی مصرع میں "صبح کا سماں" کی ترکیب میں موجود ہے اور دوسرے مصرع میں "چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں" کہہ کر اپنے دعوے کی دلیل پیش کردی ہے۔ آپ کسی ریگستان یا صحرا میں "صبح کے سماں" کا تصور کیجئے' آفتاب طلوع ہورہا ہو' کھلے اور صاف شفاف میدان میں سورج کی کرنیں پھیل رہی ہیں (ہوا تازہ اور صاف و شفاف ہے۔)

علامہ اب آگے بڑھتے ہیں تو اس منظر کو حسن ازل کی نمود قرار دیتے ہیں' سورج اور اس کی روشنی' حسن ازل کی نمود نہیں تو اور کیا ہے؟ علامہ اس منظر کو شعری حسن دیتے ہوئے "نور کی ندیاں" قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد سرخ و کبود "نیلی اور سرخ بدلیاں" کیا خوب صورت منظر نگاری ہے' راقم کو مدینہ شریف میں صبح کے وقت ان بدلیوں کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ سورج کے طلوع کا منظر بھی دیکھا ہے۔ جسے دیکھ کر خاکسار وہاں وجد کے عالم میں جھومتا رہا اور ذوق و شوق کے اشعار پڑھ کر محظوظ ہوتا رہا۔

اسی طرح کوہ اضم' وادی کاظمہ کی تراکیب' سرزمین مدینہ کو ثابت کردیتی ہے۔ دراصل علامہ کا یہ قصیدہ' مشہور قصیدہ نگار امام سعید بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کے تتبع میں لکھا گیا ہے۔ علامہ اقبال' بوصیری رحمتہ اللہ علیہ سے بہت متاثر ہیں' چنانچہ دو مقامات پر بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہیں'

اے بوصیری را ردا بخشندہ بربط سلمٰی مرا بخشندہ

(رموز بے خودی' عرض حال مصنف بحضور رحمت للعالمین)

"یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح آپ نے بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی ردا (چادر) عطا فرمائی ہے' جای اس چادر کو برد یمانی کہتے ہیں اس طرح مجھے شعرو شاعری کا ذوق اور ملکہ عطا کیا ہے۔"

دوسری جگہ مثنوی پس چہ باید کرد میں "در حضور رسالت ماب" میں فرماتے ہیں'

چوں بوصیری از تو می خواہم کشود تا بمن باز آید آں روزے کہ بود

یہاں علامہ اقبال خواب میں سرسید احمد خاں کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے اپنی صحت کے لئے دعاگو ہیں اور عرض کرتے ہیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک بخش کر بوصیری رحمتہ اللہ علیہ کو صحت سے ہمکنار کیا تھا اسی طرح مجھ پر کرم فرمایئے تاکہ میری صحت بحال ہوجائے اور میری تندرستی کے دن لوٹ آئیں اس بند کے اختتام پر' آئی صدائے جبرئیل-----

"گریز" کا شعر ہے اور اس کے بعد وہ اپنے ممدوح سے مخاطب ہیں'

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مئے حیات

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ علامہ نے اپنے پورے کلام میں صرف دو مقامات پر قدرے مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ ایک تو مصرع بالا میں اور دوسرا پیام مشرق میں' مرا اے کاشکے مادر نزادے' کہہ کر اظہار کیا ہے ورنہ علامہ "امید" کے شاعر ہیں اور ان کے کلام میں مایوسی کا ذکر نہیں بلکہ وہ مایوسی کو کفر کے مترادف قرار دیتے ہیں۔

اگر ہم رموز بے خودی میں "عرض حال بحضور رحمت للعالمین" اور "بحضور رسالت ماب (پس چہ باید کرد) کو پیش نظر رکھیں تو پتا چلتا ہے علامہ جہاں کہیں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں' وہاں سراپا ادب و احترام بن جاتے ہیں بلک یوں کہئے کہ گوسفند سلیم۔ وہ ذاتی پریشانیوں یا قوم کی بدحالی کا ذکر کرتے ہیں تو دل کھول کر رکھ دیتے ہیں' پیام مشرق کی غزلیات میں ہے'

باخدا در پردہ گویم باتو گویم آشکار یارسول اللہ او پنہان و تو پیدائے من

یعنی میں اللہ تعالیٰ سے چھپ کر باتیں کرتا ہوں اور حجاب قائم رہتا ہے لیکن آپ سے آشکار ہوکر عرض کرتا ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ تو میرے لئے پوشیدہ ہے غائب ہے' لیکن آپ میرے سامنے ہیں جنہیں میں دیکھ رہا ہوں۔" حتیٰ کہ "عرض حال" میں تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں'

مدتے بالالہ رویاں ساختم عشق با مرغولہ مویاں باختم
بادہ ہا با ماہ سیمایاں زدم بر چراغ عافیت داماں زدم
برقہا رقصید گرد حاصلم رہزناں بردند کالائے دلم

کہہ کر دل کھول کر رکھ دیتے ہیں اور پھر اپنی کمزوری بیان کرتے ہیں'

سالہا بودم گرفتار شکے از دماغ خشک من لاینفکے

علامہ کا اسلوب اور انداز' قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ وہ ذوق و شوق میں اللہ تعالیٰ کی بجائے صرف اور صرف حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہیں۔ اس کا ثبوت اس شعر سے بھی ملتا ہے جو علامہ نے ابتدا میں درج کیا ہے۔

دریغ آمدم' زاں ہمہ بوستاں تہی دست رفتن سوئے دوستاں

یہ شعر مشہور صوفی شاعر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کا ہے جس سے اس واقعہ کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے جو فلسطین میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس واقعہ کے مطابق علامہ "ارض فلسطین" میں پہنچے اور ارادہ کے باوجود حجاز مقدس جانے کا ارادہ ترک کردیتے ہیں اور ساتھی مولانا غلام رسول مہر سے عرض کرتے ہیں کہ "میں اعمال محمود کے سرمایہ سے محروم ہوں اس لئے کس منہ سے مدینہ جاؤں" اور اس تصور کے آتے ہی سفر کا ارادہ بدل دیتے ہیں اور اسی "تہی دستی" یعنی خالی دامن ہونے کا ذکر درج بالا شعر میں ہے علامہ اقبال کے اس "تاثر" کی تصدیق ان کی معروف رباعی سے ہوجاتی ہے جو ان کے کلام میں موجود نہیں لیکن انہی کی ہے'

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
در حسابم را نہ بینی ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

یعنی حضور رسالت مآب کا احترام اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فریاد ہے کہ روز محشر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں میرا نامہ اعمال نہ کھولنا' ان کی نگاہ سے بچ کر' ان سے ذرا دور ہٹ کر کھولیں کیونکہ میرا نامہ اعمال' اعمال نامحمود سے پر ہے۔

اس سے ثابت ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اقبال پیش ہونے کو تیار ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء و شرم کا یہ عالم ہے کہ ان کے سامنے "نامہ اعمال" کھلوانے سے گریزاں ہے۔

علامہ کے پورے کلام میں نگاہ ڈالئے' اللہ تعالیٰ کا جہاں بھی ذکر آیا ہے' اس کا انداز اور پیرایہ بالکل مختلف ہے' بعض اوقات وہاں علامہ کا انداز بیان باغیانہ ہوجاتا ہے' "شکوہ" کے اشعار بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منہ بند یا پھر'

یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

اس لئے "ذوق و شوق" کے پیرایہ اظہار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حمد ہرگز نہیں۔ یہ محض نعت ہے جو قصیدے کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ تغزل کی موجودگی نے اس کو چار چاند لگادیئے ہیں۔

پروفیسر افضال احمد انوار نے چوتھی دلیل میں "عشق تمام مصطفیٰ" کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالمغنی کی دلیل کا معقول رد پیش کیا ہے۔ درحقیقت علامہ نے "عشق" کا ذکر زیادہ تر عشق مصطفیٰ کے حوالے ہی سے کیا ہے یا پھر یہ لفظ مقصود اور نصب العین کے لئے استعمال کیا ہے اور اگر گہرائی میں جائیں تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ علامہ کا "مقصود" بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہی ہے۔ اس کا ثبوت "اسرار و رموز" کے اس شعر سے ہوتا ہے جہاں علامہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حوالے سے کہا ہے۔

معنی حرفم کنی تحقیق اگر بنگری بادیدہ صدیقؓ اگر

قوت قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی

یعنی اگر آپ تحقیق کریں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نگاہ پاک بیں سے دیکھیں تو "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات قلب و جگر کی قوت بن جاتی ہے اور ان سے عشق و محبت کی انتہاء کا یہ عالم ہے کہ حضور رسالت مآب کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ سے محبوب تر لگتی ہے۔"

یہ ہے وہ "عشق" جس کا علامہ جابجا ذکر کرتے ہیں اور ذوق و شوق میں "عشق تمام مصطفیٰ" کہہ کر فرماتے ہیں کہ "عشق کی تکمیل" مصطفیٰ کی ذات میں ہوئی ہے۔ عشق کامل ہوتا ہے تو وہ محمد مصطفیٰ بن جاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ابوبکر و عمر' عثمان و علی (رضی اللہ عنہم اجمعین) تو کیا خود اللہ تعالیٰ (قرآن کے مطابق) ان پر درود و سلام بھیجتا ہے اور مومنوں کو اس کا حکم دیتا ہے۔

اس کے باوجود ڈاکٹر عبدالمغنی کو "ذوق و شوق" حمد نظر آئے تو ہم کیا کرسکتے ہیں۔ ان کی ایک بھی دلیل معقول نہیں جس سے حمد ثابت ہو۔

پروفیسر افضال احمد انوار کے دلائل بہت ٹھوس ہیں اور انہوں نے تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب ذوق و شوق کے اس شعر پر توجہ دیتے تو ذوق و شوق کو حمد بھی نہ کہتے۔

عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب

نقادوں کی میں بات نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ دور کی کوڑی لانے کے عادی ہوتے ہیں خواہ انہیں اندھیرے ہی میں دور کی سوجھ جائے۔

اہل نظر کے نزدیک درج بالا شعر میں علامہ اپنے "خواب" کا ذکر کرتے ہیں جس میں آپ نے حضور رسالت ماب کو دیکھا۔ یہ کیفیت حضوری کی ہے اور پاس ادب بھی ہے۔ محبوب کی خدمت میں حاضر ہو کر، محب ہمیشہ سراپا احترام بن جاتا ہے اور اسے ہمت نہیں پڑتی کہ وہ دیدے پھاڑ کر دیکھے جو سوئے ادب ہے۔ علامہ کو چونکہ رسالت ماب سے بے حد و حساب عشق ہے اسی لئے احترام و ادب کی بھی انتہاء ہے، اگرچہ وہ اپنے آپ حوصلہ نظر نہیں پاتے لیکن وہی عقل والی بات، جستجو کا مسئلہ، وصال کی انتہائے آرزو، کہ انکھیوں سے دیکھنے کی کوشش جس کو وہ "نگاہ بے ادب" قرار دیتے ہیں۔ یہ کیفیت اہل دل جانتے ہیں، بھلا نقاد بے چارے کیا جانیں۔ علامہ کو تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے نظر آتے ہیں وہ انہیں زندہ تسلیم کرتے ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں۔

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا "حرف تمنا" جسے کہہ نہ سکیں "روبرو"

(بال جبریل)

حقیقت یہ ہے کہ ذوق و شوق کا ہر لفظ، ہر ترکیب، ہر استعارہ، ہر مصرع اور ہر شعر بلکہ ہر بند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے باوجود کوئی نہ سمجھے تو کیا کیا جائے۔

آخر میں ہم اس شعر پر ختم کرتے ہیں۔

کور ذوقاں داستاں ہا ساختند وسعت ادراک او نشناختند

ورنہ علامہ اقبال کا یہ شعر بھی ثابت کرتا ہے کہ علامہ شدید خواہش کے باوجود یہ کہ حضور پیش ہونے سے ڈرتے ہیں سخت گھبراتے ہیں ایک جگہ کہا ہے۔

آہ تیرے سامنے آنے کے ناقابل ہوں منہ چھپا کر مانگتا ہوں تجھ سے وہ سائل ہوں میں

سب سے آخر میں ایک ذاتی واقعہ بیان کرتا ہوں شاید دلچسپی کا حامل ہو۔

۶۳۔ ۱۹۶۲ء میں خاکسار نے پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔ اے اردو میں داخلہ لینے کا ارادہ کیا ڈاکٹر سید عبداللہ اورینٹل کالج کے پرنسپل اور شعبہ اردو کے ہیڈ تھے۔ ان سے خاکسار کی کچھ شناسائی تھی۔ چونکہ بی۔ اے میں "اردو" مضمون پڑھا نہیں تھا اس لئے سید عبداللہ نے ایسے طلباء سے ٹیسٹ لینے کا فیصلہ کیا۔ ٹیسٹ میں شامل ہوا تو تین سوال لازما" کرنا تھے جن میں سے ایک سوال "میری بہترین نظم" تھا۔ خاکسار نے "ذوق و شوق" کو بہترین نظم کے عنوان سے لکھنا

شروع کیا۔ حالانکہ بڑے بڑے ماہرین اقبالیات مسجد قرطبہ کو بہترین نظم قرار دیتے ہیں۔ خاکسار نے لکھنا شروع کیا تو لکھتا ہی چلا گیا۔ شیٹ پر شیٹ لیں اور دونوں اطراف سے سیاہ کردیں۔ تین گھنٹے کا وقت تھا' خاکسار کو کچھ یاد نہ رہا کہ کوئی اور سوال بھی حل کرنا ہے۔ بس لکھتا ہی رہا۔ حتی کہ بائیس صفحات بھر گئے' ابھی لکھنے کا سلسلہ جاری تھا کہ وقت ختم ہوگیا۔ پرچہ واپس لے لیا گیا۔ راستہ میں یاد آیا کہ خاکسار نے صرف ایک ہی سوال حل کیا ہے اور وہ بھی ابھی نامکمل تھا۔

ایک ہفتہ بعد انٹرویو تھا' بورڈ میں ڈاکٹر سید عبداللہ اور سید وقار عظیم کے علاوہ ایک اور استاد شامل تھے۔ جب خاکسار کی باری آئی تو سید عبداللہ صاحب نے سید وقار عظیم کی جانب دیکھا۔ مقصد تھا کہ وہ خاکسار کے پرچہ کے نمبر بتائیں۔ وقار صاحب بولے ! سید صاحب ! معاملہ کچھ عجیب ہے۔ بس آپ انہیں (سعید بدر) کو داخل کرلیں۔ سید عبداللہ نے مزید استفسار کیا تو وقار عظیم نے بتایا کہ سعید بدر فیل بھی ہیں اور فرسٹ بھی ہیں۔ یہ سن کر سب حیران ہوئے۔ سید صاحب نے کہا وہ کیسے؟ وقار عظیم نے صورت حال بتائی کہ اس طالب علم نے ۲۲ر صفحات پر مشتمل ایک سوال حل کیا ہے اور وہ بھی اب تک نامکمل ہے۔ دوسرے سوال نہ کرنے کی وجہ سے فیل ہے لیکن جو سوال حل کیا ہے۔ وہ اس قدر جامع' مدلل اور ٹھوس مثالوں سے بھرپور ہے کہ میرے جیسا آدمی آج دوراہے پر کھڑا ہے جو مسجد قرطبہ کو بہترین نظم قرار دے چکا ہے اور آج سوچ رہا ہے کہ بہترین نظم "ذوق و شوق" ہے۔

سید صاحب نے پرچہ دیکھا' صفحات الٹ پلٹ کئے۔ پھر کچھ سوچ میں پڑگئے اور پھر داخلہ فارم پر "داخل ہے" لکھ کر دستخط کردیئے اور مجھے فرمایا۔ سالانہ امتحان میں ایسا نہ کرنا۔ بہرحال موقع ملے تو اس "سوال کو مکمل کرنا۔" اس سے سوچ کی نئی راہیں کھلیں گی۔ زندگی میں یہ سوال نامکمل ہی رہا۔ وقت نے ساتھ نہ دیا اور آج ایسے لوگ پیدا ہورہے ہیں جو بہترین نعت کو "حمد" قرار دیتے ہیں۔ کاش بقول علامہ اقبال'

کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منہ بند

صبیح رحمانی صاحب !

ایک بار آپ کو کئی نعتیں ارسال کی تھیں' کبھی کبھار ایک آدھ شائع فرمادیا کیجئے تاکہ ثناء خوانوں کی فہرست میں (آخر ہی سہی) اس گنہگار کا نام بھی شامل رہے۔ شاید نظر کرم ہوجائے کسی وقت۔

بہرحال ایک دو نعتیں بھیج رہا ہوں شاید پسند آئیں۔

نسیم عزیزی (ہوڑہ، بھارت)

نعت رنگ نمبرہ سرچشمہ بصیرت ہوا۔ آپ کے خلاقانہ ذہن کا مثبت پہلو اکثر صفحات پر نمایاں ہے۔ آپ کی صحافتی بصیرت کی داد نہ دینا گویا حقیقت سے انحراف کرنا ہے۔ اللہ کرے آپ کی فکری صلابت اور نکتہ رس طبیعت استحکام کی حدوں کو پائے۔ آمین!

جناب علقمہ شبلی ہندوستان کے معروف و معتبر شاعر ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی کے ریڈر ڈاکٹر عبدالمنان نے شبلی صاحب کی نعتیہ رباعیوں کے مجموعہ "زادِ سفر" پر تنقیدی مضمون لکھا ہے، جو ارسال خدمت ہے۔ علاوہ ازیں ان کے نعتیہ کلام اور راقم التحریر کی دو نعتیں حاضر ہیں۔ امید ہے آپ انہیں پسند فرمائیں گے۔

سہیل احمد صدیقی - کراچی

آپ کے مؤقر جریدے "نعت رنگ" کے پانچویں شمارے کے حوالے سے بعض نکات پر خامہ فرسائی کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر نعیم عزیزی کے مضمون "تقسیم ہند کے بعد مغربی بنگال میں نعت گوئی" میں ایک شاعر محامد حکیم حاذق کے متعلق لکھا ہے: "ہائیکو اور سن دائی یو میں بھی کامیاب نعتیں کہی ہیں۔" ساتھ ہی موصوف کے نعتیہ ہائیکو اور "سن دائی یو" درج کئے گئے ہیں۔ مضمون نگار کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ سین ریو (SENRYO) (نہ کہ سن دائی یو) ہائیکو کی وہ قسم ہے جو اپنے موجد سین ریو سے موسوم ہے اور ایسی تمام ہائیکو جن میں سماجی موضوعات خصوصاً معاشرے کی بدعنوانیوں پر گہرا طنز نمایاں ہو سین ریو ہیں۔ اس عنصر کے بغیر ہائیکو کو سین ریو کا نام دینا نادانی ہے۔ براہ کرم یہ وضاحت فرمائیں کہ نعت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں طنز و مزاح کا عنصر کس طرح شامل کیا جا سکتا ہے؟ میرے علم کے مطابق شاعر موصوف نے ہائیکو کو نادانستگی میں سن دائی یو (یعنی سن ریو) کا نام دے دیا ہے۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے نعت رنگ کے چوتھے شمارے میں شائع ہونے والے کشفی صاحب کے مضمون کے حوالے سے لکھا "صفحہ نمبر پچاس پر ہے کہ اس لئے بہت سے صاحبان اللہ کے لفظ پر اصرار کرتے ہیں اور خدا کے لفظ کے استعمال سے گریز کرتے ہیں کیونکہ خدا کی جمع خداؤں استعمال ہوتی ہے۔ اس حوالے سے عرض ہے کہ لفظ خدا اللہ کا نام نہیں ہے، خدا حافظ (وغیرہ) کہنا جائز ہے مگر اللہ کہنے پر ثواب ہوتا ہے، چالیس نیکیاں ملتی ہیں اور مومن کو ثواب کی طلب و خواہش بدیہی بات ہے۔" یہاں بصد احترام گزارش کرتا ہوں کہ ایک عالم اور عالم زادہ سے مجھے اس قدر نامکمل جواب کی توقع نہ تھی۔ انہوں نے یہ

وضاحت نہیں فرمائی کہ لفظ خدا کی جمع کی بناء پر استعمال غلط ہونے کا اعتراض شرعی اعتبار سے کتنا درست ہے، یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ لفظ خدا اللہ کا نام نہیں، نیز اس لفظ کے استعمال سے ثواب میں کمی یا اس سے محرومی کا احتمال کیوں ہے؟

کشفی صاحب نے بھی یہ ظاہر کرنے سے گریز کیا ہے کہ وہ لفظ خدا کے استعمال کے قائل ہیں یا مخالف--- قیاس کہتا ہے کہ اگر قائل ہیں تو اعتراض نقل نہ کرتے یا اس کے رفع کرنے کو دلائل دیتے۔ براہ کرم تاخیر سے سہی، وضاحت فرمایئے!

مندرجات بالا کے حوالے سے اب اپنی معروضات پیش کرتا ہوں۔ دور جدید کی ایک شاندار اور قابل ستائش علمی کاوش شرح صحیح مسلم کی شکل میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب (مدرس دارالعلوم نعیمیہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی) کے قلم سے، کچھ عرصہ قبل منظر عام پر آئی، اس کی ساتویں جلد سے اقتباس پیش خدمت ہے :

"اللہ تعالیٰ کی ذات کو لفظ "خدا" کے ساتھ تعبیر کرنے کی تحقیق: اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء اور صفات جن کا ذکر قرآن و سنت میں وارد نہیں ہوا، ان کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر زبان اور لغت میں عَلم (عین اور لام پر زبر) اور اسم سے تعبیر کرنا جائز ہے، مثلاً" فارسی میں اللہ تعالیٰ کو خدا، ترکی میں تنکری کہنا بالاتفاق جائز ہے البتہ جب اللہ تعالیٰ پر کسی صفت کا اطلاق کیا جائے تو پھر یہ بحث ہے کہ آیا اس صفت کا کتاب و سنت میں ذکر ہے یا نہیں ہے۔ اگر اس کا کتاب و سنت میں ذکر نہ ہو تو بعض علماء اس میں توقف کرتے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لفظ کسی نقص کا موہم ہے تو پھر اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں ہے اور اگر اس لفظ میں کسی نقص کا وہم نہیں ہے تو پھر اس کا اطلاق جائز ہے---" آگے علامہ صاحب نے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ، علامہ سرخسی، علامہ بدرالدین عینی صاحب شرح ہدایہ، علامہ آلوسی اور علامہ شعرانی وغیرہ کے حوالوں اور دلائل سے لفظ خدا کا استعمال (حتیٰ کہ نماز میں) جائز قرار دیا ہے (ملاحظہ کیجئے صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۵) علامہ سعیدی نے امام اعظمؒ کے ذکر میں لکھا کہ انہوں نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سورۂ فاتحہ فارسی میں لکھ کر اہل ایران کے پاس بھیجنے کی حدیث سے استدلال فرمایا۔ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دور رسالتؐ یا بہ اختلاف روایت دور فاروقی میں جنگ قادسیہ کے موقع پر سورۂ فاتحہ کا فارسی میں جو ترجمہ فرمایا، اسے تراجم کی فہرست میں اولیت حاصل ہے، اس ترجمے کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے : "بنام خداوند بخشائندہ و مہربان" (بسم اللہ کا ترجمہ) صحابی موصوف ایک جلیل القدر صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہونے کے

ساتھ ساتھ اسلام' نصرانیت' یہودیت اور مجوسیت کے عالم تھے' اگر انہوں نے لفظ خداوند (جو لفظ خدا کی ایک شکل ہے) استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھا تو بیسویں صدی کے مسلمان اس لفظ پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ (حوالہ کے لئے نقوش رسول نمبر ملاحظہ کیجئے)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے عہد تک پہلوی بڑی حد تک فارسی بن چکی تھی' اندازہ یہ ہے کہ لفظ خدا کا ماخذ قدیم زبان پہلوی ہے جو زنداوستا کی زبان ہے۔ زنداوستا میں توحید' رسالت' آخرت' کتب الہامیہ پر ایمان' ملائکہ پر ایمان' نماز روزے کا حکم جیسے عقائد و احکام موجود ہیں اور جدید تحقیق کی رو سے زرتشت (ZARTUSHT) یا زردشت (ZOROASTER) توحید پرست اور توحید کے مبلّغ تھے۔ محمد حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی نے قصص القرآن میں انہیں پیغمبر لکھا ہے' مگر میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اس ضمن میں سکوت بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی داعی کو پیغمبر قرار دیا جائے یا اس کی تکفیر کی جائے۔

حوالہ جات

1. The world's religions by Stewart Sutherland ETC.
   Published by Routledge, London - 198. Page No. 552 to 568
2. Encyclopaedia Britannica, Macropaedia-1986
3. Do - 1981 Edition
4. Caxton Encyclopaedia
5. Parsis-Ancient and Modern and their Religion.
   By. F.K. Dadachanji, Karachi. 1989

۶۔ قصص القرآن از محمد حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی

۷۔ وحید۔ تہران (فارسی رسالہ) اکتوبر ۱۹۴۹ء

۸۔ مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا۔ از ایم ایس ناز

۹۔ ارتقا۔ سلسلہ نمبر ۱۷۔ مضمون زبانی تعصّب از سرکار زینی جارچوی' مئی ۱۹۹۶ء

۱۰۔ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر۔

مندرجہ بالا ماخذ میں مؤخرالذکر مضمون جدید اذہان کے لئے بہت سے اعتراضات کا سدّباب کرتا ہے' اس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ لفظ خدا پر جو بنیادی اعتراضات

وارد ہوئے ہیں' غلط ہیں اور تکنیکی و مذہبی بنیاد پر اللہ کے لئے اس لفظ کا استعمال بالکل اسی طرح درست ہے' جس طرح لفظ اللہ کا استعمال! لفظ خدا کے لغوی معنی ہیں: خود سے آنے والا یا خود سے قائم۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات اس نام سے موسوم ہو سکتی ہے؟ میری دانست میں لفظ خدا کا مجازی استعمال شرعی اعتبار سے قابل گرفت ہے' لہٰذا اس کی جمع بھی نامناسب ہے!

آخر میں عرض کروں کہ میں عالم تو نہیں' علماء کا صحبت یافتہ ضرور ہوں' لہٰذا ایسے امور پر رواروی میں قلم چلانے کا قائل نہیں! میرے موئید اور محترم استاد مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب خطیب جامع مسجد آرام باغ نے فرمایا کہ ان معاملات میں تنگ دلی کی بجائے کشادہ ذہنی کی ضرورت ہے---- امید ہے کہ کوکب نورانی صاحب کی تشفّی ہوگی' نیز کشفی صاحب و دیگر اس باب میں عقلی و نقلی دلائل کو قبول کریں گے۔ براہ کرم قطع برید کے بغیر اس خط کو شائع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب.... آپ کا پہلا اعتراض ہائیکو کی ایک قسم SENRYO کے اردو تلفّظ کے بارے میں ہے۔ اس کا بہتر جواب تو مقالہ نگار موصوف ہی سے متوقع ہے۔ سردست اتنی وضاحت کی جاتی ہے کہ دیگر زبانوں کی طرح انگریزی زبان میں بھی دوسری زبانوں کے بعض الفاظ کا تلفّظ اصل زبان کے تلفّظ سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً" حضرت یعقوب علیہ السلام کو Jacob' یوسف علیہ السلام کو Joseph' یونس علیہ السلام کو Jonah اور ادریس علیہ السلام کو Enoch لکھا جاتا ہے۔ اب اگر انگریزی زبان سے ان انبیاء علیہم السلام کی اسمائے مبارک کا املا اخذ کیا جائے تو عربی زبان سے بالکل مختلف ہوگا۔ لہٰذا یہ بات مدّنظر رکھی جائے کہ SENRYO جاپانی زبان کے ایک لفظ کا انگریزی تلفّظ ہے۔ اس جاپانی لفظ کا اردو میں تلفّظ سین رائی یو اخذ کیا گیا ہے جسے بھارت کے ماہر لسانیات کلیم احمد صاحب نے اپنی لغت میں اسی طرح تحریر کیا ہے اور مقالہ نگار نے وہیں سے یہ تلفّظ اخذ کیا ہے اور یہ ضروری بھی نہیں کہ براہ راست جاپانی زبان سے اس کے الفاظ کا تلفّظ اخذ کرنے کے بجائے انگریزی میں وضع کردہ تلفّظ کی اردو میں بھی متابعت کی جائے۔

اسی طرح SENRYO کو نعت میں ذریعۂ اظہار بنانے کے لئے اسے نئے امکانات سے آشنا کیا جائے تو اس وسعت کے تجربات غزل کی وسعت کی طرح قبول کئے جانے چاہئیں۔

آپ نے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی شرح مسلم کے جن صفحات کا حوالہ دیا ہے اگر آپ نے خود ان صفحات کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا ہوتا تو یہ نہ لکھتے کہ "لفظ خدا پر جو

بنیادی اعتراضات وارد ہوئے ہیں' غلط ہیں اور تکنیکی و مذہبی بنیاد پر اللہ کے لئے اس لفظ (خدا) کا استعمال بالکل اسی طرح درست ہے' جس طرح لفظ اللہ کا استعمال۔" کیونکہ علامہ موصوف نے صفحہ ۲۰۲ پر خود یہ صراحت فرمائی ہے "ان حوالہ جات کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز ہے اور ہر دور میں آئمہ اور فقہاءاللہ تعالیٰ کی ذات کو خدا سے تعبیر کرنے کو جائز کہتے رہے ہیں۔ ہرچند کہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اللہ کے لفظ کو "اللہ" سے ہی تعبیر کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو خدا سے تعبیر کرنا بھی جائز ہے۔" اسی طرح صفحہ ۲۰۵ پر علامہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "ہرچند کہ سطور بالا میں پیش کئے گئے دلائل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر خدا کا اطلاق جائز ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ اللہ کے لئے اللہ ہی کا لفظ استعمال کیا جائے کیونکہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے محولہ بالا اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے خدا کا لفظ استعمال کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے اور بلا کسی عذر کے ترک اولیٰ کہاں کی دانش مندی ہے۔ علامہ موصوف کی تحریر میں آپ کے اکثر اعتراضات کے جواب موجود ہیں۔ آپ اس تحریر کا غور سے مطالعہ فرمائیں تو تشفّی ہو سکتی ہے۔

مکتوب گرامی کے آخر میں اگرچہ آپ نے خود یہ اعتراف کیا ہے "میری دانست میں لفظ خدا کا مجازی استعمال شرعی اعتبار سے قابل گرفت ہے لہٰذا اس کی جمع نامناسب ہے۔" لیکن بات صرف اتنی نہیں ہے بلکہ اردو اور فارسی میں لفظ خدا کی جمع کے علاوہ اس کے دیگر مشتقات' اس کی تانیث اور مختلف لاحقوں کے ساتھ اس کا لسانی برتاؤ بھی ہے جس کی کچھ مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں :

۱۔ **خدائے سخن** : فن شعر و شاعری میں باکمال' میر تقی میر کو اردو غزل کے حوالے سے خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ولی دکنی کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

ولی سے ہوئی ابتدائے سخن   کہ مشہور ہے وہ خدائے سخن

۲۔ **خدائے خیر** : ایزد (آتش پرستوں کے عقیدے کے مطابق خیر کا خدا۔)

۳۔ **خدائے شر (بدی کا خدا)** : آتش پرستوں کے عقیدے کے مطابق بدی کا خدا۔

۴۔ **خدائے مجازی** : بادشاہ وقت' حاکم وقت' خاوند۔

۵۔ **خدا فروش** : مکّار صوفی

۶۔ خدا تراشنا : (محاورہ) اپنے خیالات کے مطابق کسی کو اعلیٰ درجہ دینا
"تراشیں تخیل میں اپنے خدا"

۷۔ خدانی : مالک کی تانیث۔ سردارنی، دیوی (خدا + نی) لاحقۂ تانیث
(استعمال : مرتبہ پاؤ گی خدانی کہلاؤ گی)
طلسم نوخیز جمشیدی

۸۔ خدائنی : آقا۔ مالک کی تانیث۔ (لغت۔ انجمن ترقیٔ اردو) ملکہ

۹۔ خداوند : مالک، خدا، حاکم عہدیدار، حاکم
بحر کابل کے جزیروں کے ایمی باسی قسمت مشرق اقصیٰ کے خداوند بنے
(ابن انشا)

۱۰۔ خداوند : (کنایتہ") محبوب، معشوق
اک بوسے کا سائل ہوں خداوند سے اے مہر شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

۱۱۔ خداوند : بادشاہ کو مخاطب کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ (لاحقۂ صفت)
"بادشاہ کے سامنے زمین بوس ہو کے عرض کرنے لگا۔ خداوند! میری عمر پچیاسی برس کی ہے۔" (مضامین شرر)

۱۲۔ خداوند زادہ / خداوند زاد : (کنایتہ" امیر یا رئیس کا بیٹا)

۱۳۔ خداوند طبع : آقا منش، مقدورانہ طبیعت کا مالک۔
"اردو نے تھوڑی سے عمر میں وہ شوخی دکھائی کہ اچھے اچھے خداوند طبع لوگ اس کی محبت کا دم بھرے لگے۔" (مقالات ناصری)

۱۴۔ خداوند مجاز : دنیاوی اور ظاہری خداوند، پیر و مرشد، صاحب کرامات
(خداوند + مجاز = لاحقہ صفت)
تجھے منظور ہو دنیا تو یہ کیا روک سکتا ہے ذریعہ ہے حقیقت میں خداوند مجاز اپنا
(دیوان حبیب)

۱۵۔ خداوند نعمت : بادشاہوں اور رئیسوں کو مخاطب کرنے کا کلمہ۔
جگر کو مرے عشق خونا بہ مشرب لکھے ہیں خداوند نعمت سلامت
(غالب)

۱۶۔ **خداوندان وقت** : وہ لوگ (صوفیا) جو زمانے کی قید سے آزاد ہوتے ہیں۔ (ترجمہ کشف المحجوب)

۱۷۔ **خداوندی** : اللہ کی قدرت، حکم الٰہی، خدائی (اور اس کے ساتھ)

۱۸۔ **خداوندی** : امیری، بادشاہت

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزومندی　　مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

(اقبال)

۱۹۔ **خدائی** : الوہیت، خدا سے منسوب، بندگی کی ضد۔

"خدا کی خدائی میں کون شریک ہے۔" (اس کے ساتھ یوں بھی مستعمل ہے)

۲۰۔ **خدائی** : راج، حکمرانی

رہیں گے اب خدائی میں بتوں کی　　بہت گزری ہے دور آسماں میں

۲۱۔ **خدائی** : خدا بنانے کا عمل، ایسا کام جس سے کسی کو خدا ٹھہرا دیا جائے۔ (فرہنگ اقبال)

"گو اس کی خدائی میں مہاجن کا بھی ہے ہاتھ"　　(اقبال)

۲۲۔ **خدایان** : خدا + ی (اتصال) + ان (لاحقہ جمع) جو لوگ مالک ہیں۔ (فرہنگ اقبال)

۲۳۔ **خدایان بحروبر** : سمندر اور روئے زمین کا علم رکھنے والے۔ قضا و قدر کے کارکن فرشتے۔

"خبر ملی ہے خدایان بحروبر سے مجھے"　　(بال جبریل)

۲۴۔ **خدایان ہمالہ** : ہمالیہ کی وادیوں میں رہنے والے ہندو سادھو۔ ہندو دھرم کے فلسفی۔

"دیتے ہیں یہ پیغام خدایان ہمالہ"　　(ارمغان حجاز)

لفظ خدا کے مشتقات اور لاحقوں کے ساتھ استعمال کی یہ وہ صورتیں ہیں جن کی بناء پر ذات باری تعالیٰ کے لئے لفظ خدا کے استعمال سے بعض احتیاط پسند حضرات اجتناب کرتے ہیں۔ تاہم اولیائے کرام اور فقہائے عظام نے لفظ خدا اس کے اصل معنی میں کثرت سے استعمال کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے لئے خدا کا استعمال جائز ہے۔ لیکن افضل و اولیٰ یہی ہے کہ ذات باری تعالیٰ کو اس کے اسم ذات یا اسمائے حسنیٰ ہی سے پکارا جائے۔

مکتوب گرامی میں فارسی میں نماز کے حوالے سے یہ وضاحت پیش خدمت ہے کہ امام اعظم

ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس بارے میں اپنے فتویٰ سے رجوع فرما لیا تھا (الھدایہ) اور صرف عذر کی حالت میں یہ حکم ہے یعنی یہ عارضی حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ عذر کے رفع ہو جانے کے بعد یہ رعایت باقی نہیں رہتی۔ کتابیات کے حوالے سے بھی یہ بات محل نظر ہے کہ خط کے آخر میں صرف کتابوں کے نام تحریر کر دیئے گئے ہیں اور یہ نشاندہی نہیں کی گئی کہ کون سے نکات کہاں سے اخذ کئے گئے ہیں۔
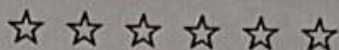
☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

تونگری اور محتاجی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا :

ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟

میں نے عرض کیا : ہاں حضور ﷺ (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا : کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ

مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟

میں نے عرض کیا : ہاں حضور ﷺ! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے)

یہ بات آپ ﷺ نے مجھ سے تین مرتبہ ارشاد فرمائی......

اس کے بعد ارشاد فرمایا : اصلی دولت مندی دل کے اندر ہوتی ہے اور

اصلی محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔

(معارف الحدیث)

منجانب

کیپٹن (ر) وارث النبی اعوان

(کراچی)